اَلْقَوْلُ الْمَاضِیْ فِیْ اَحْکَامِ الْاَرَاضِیْ

اسلام کا نظامِ اراضی

عشر و خراج کے احکام اور فتوح الہند

جس میں زمینوں کی شرعی اقسام اور ان کے احکام کی تحقیق زمین کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر اور عشر و خراج کے تفصیلی احکام مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں نیز ہند و پاک کی زمینوں کے مفصل احکام اور ضمناً ہند و پاک کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ اور فکر انگیز مجموعہ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

دار الاشاعت

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

فہرست مضامین

احکام اراضی حصہ اوّل

فہرست مضامین

فتوح الہند حصہ دوم از نظام الاراضی

عنوان	صفحہ

تمت

نظام الاراضی کے متعلق

بعض اکابر علماء کی رائیں

جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ اور مئی ۱۹۴۸ء میں جب احقر کا کراچی پہنچنا دستور اسلامی کا خاکہ تیار کرنے کے سلسلہ میں ہوا تو اسی مقصد کے لئے ہندوستان سے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر مولانا حمید اللہ حیدر آبادی بھی تشریف لائے ان کی معیت ہی میں اس مقصد کے لئے کام کیا گیا۔ زیر نظر کتاب ''اسلام کا نظام اراضی'' اس وقت ابتدائی تین باب اور حصہ دوم لکھا ہوا تھا۔ حصہ اول کے آخری تین باب لکھنا باقی تھے اسی حالت میں اس کا مسودہ اتفاقاً ان علماء ممدوحین کی نظر سے گذرا اور انہوں نے اپنے تاثرات قلمبند فرما دیئے۔

اس کی نوبت نہ آئی کہ دوسرے اکابر علماء کی خدمت میں پیش کر کے آرا حاصل کرنے کا اہتمام کیا جاتا اس لئے اس وقت انہی دو بزرگوں کی رائیں درج کی جاتی ہیں۔

از حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی و محترمی مولانا محمد شفیع صاحب کی کتاب ''الحکم الاراضی'' کے مسودے کے مطالعہ کی سعادت خاکسار کو بھی حاصل ہوئی۔ اراضی کے متعلق اسلامی وثائق میں جو منتشر معلومات پائے جاتے ہیں مولانا نے دین اور علم دونوں کی بڑی خدمت ان معلومات کو اس کتاب میں جمع کر کے انجام دی ہے۔ جہاں تک خاکسار کی رسائی ہے اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جوہری معلومات تقریباً اس کتاب میں سمٹ گئے ہیں مجھے اس کی بھی خوشی ہوئی کہ قرآن وسنت اور فقہی کتابوں کے ساتھ ساتھ مولانا نے تاریخ اور معاشیات کی کتابوں کی معلومات سے مسائل کے حل کرنے میں بجائے احتراز کے کافی فائدہ اٹھایا ہے اور یہی میرا خیال ہے کہ اسلامی حقائق و معارف کو صحیح دلنشین تعبیروں میں ہمارے علماء اب تک پیش کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسلامیات کے ساتھ عصری علوم اور ان علوم کی کتابیں جن زبانوں میں ہیں ان سے واقفیت حاصل نہ کریں۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا مولانا کی عمر اور وقت میں برکت عطا فرمائے اور اس

سلسلہ کے دوسرے اہم ابواب کے متعلق بھی اپنی معلومات سے موجودہ نسلوں کو مستفیض کرنے کا سامان فرماتے رہیں گے۔

خاکسار مناظر احسن گیلانی

از ڈاکٹر مولانا حمید اللہ صاحب حیدر آبادی حال مقیم فرانس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ملک کے ممتاز اہل علم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مالگذاری اراضی پر جو رسالہ تالیف فرمایا ہے اس سے قبل طباعت استفادے کا موقع خوش قسمتی سے مجھے بھی حاصل ہوا۔

یہ رسالہ ایک تاریخی تبصرہ ہے۔ ابتدائی اسلامی احکام اور درجات کے ذکر کے بعد براعظم ہند اسلامی دور حکومت اور انگریزی عہد کے خصوصی احکام اور تبدیلیوں کو بھی اس میں واضح کیا گیا ہے اور اس طرح یہ کتاب بہت کارآمد ہوگئی ہے۔

اس کی طباعت سے ایک ایسی کتاب فراہم ہو جائے گی جو اپنے مفید مواد کی بنا پر عرصہ تک رہنمائی کرتی رہے گی۔

ناچیز
محمد حمید اللہ
جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن
۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ وھو یرث الارض ومن علیھا والیہ یرجعون ولہ الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین وھو یستخلف فی الارض جیلا بعد جیل لینظر کیف یعملون۔ والصلوٰۃ والسلام علی من نورالارض بنورربہ وملاء ھاقسطاوعدلا بعدما ملئت ظلماوجورا وعلٰی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ صلوٰۃ دائمۃ بدوامہ وخالدا بخلودہ۔

زیرنظر کتاب میری تالیفات میں ایک خاص خصوصیت کی حامل ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ ہندوستان میں قبل از بنائے پاکستان لکھا گیا اور اس کی تکمیل اپنی زندگی میں ایک عظیم انقلاب یعنی پاکستان بننے اور اس کی طرف ہجرت کرنے کے سولہ سال بعد ہوئی۔ ابتداءً وجہ تصنیف یہ پیش آئی کہ تقسیم ہندو بنائے پاکستان سے پہلے زمیندارہ بل کے نام سے ایک مسودہ قانون ہندو پاک کی اسمبلی میں لایا جارہا تھا اور حکومت ہند کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ہندوستان کی تمام زمینوں کو حکومت کی ملکیت قرار دیا جائے یا قدیم زمیندارہ سسٹم کو باقی رکھا جائے۔ شرعی حیثیت سے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے علماء کا ایک اجتماع مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا جس میں دیوبند، سہارنپور ، دہلی وغیرہ کے علماء، جمعیت علماء ہند کے اکابر علماء بھی شریک تھے جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ احقر کو بھی اس مجلس میں شرکت کا موقع ملا۔ اس وقت یہ مباحث درمیان میں آئے کہ ملک میں جو بڑے بڑے زمیندار پائے جاتے ہیں جنکے قبضہ میں لاکھوں ایکڑ زمین ہے وہ عموماً وہ لوگ ہیں جن کو مسلمان بادشاہوں نے ان کی فوجی خدمات کے پیش نظر بطور مدد معاش جاگیردار یا تعلقہ دار بنایا تھا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ ایک مقدار اراضی ان کے سپرد ہوتی تھی جس کی پیداوار سے یا

اس کے لگان کی آمدنی سے وہ اپنا اور اپنی متعلقہ فوج کا خرچ اٹھائیں۔ یہ لوگ ان زمینوں کے قانوناً مالک نہ تھے بلکہ صرف آمدنی سے نفع اٹھانے کا حق رکھتے تھے۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں یہ لوگ خود زمین کے مالک بن بیٹھے۔ اصل زمین اس وقت بھی سرکاری ملکیت یعنی بیت المال کی زمین تھی اس لئے اگر ایسی زمینوں کو آج ان کے قبضہ سے نکال کر حکومت کی ملکیت قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

مگر ظاہر ہے کہ صرف اس احتمال پر تمام ہندوستان کی زمینوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے یہ طے ہوا کہ اراضی ہند کے متعلق تحقیق کی جائے کہ مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں ان اراضی کا مالک کون تھا اور ان کی حکومت نے اول فتح کے وقت اراضی کے متعلق کیا حکم دیئے تھے؟ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ کسی مسلمان فاتح نے اول فتح کے وقت اہل اراضی کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اور جس کو کسی زمین کا مالک بنا دیا ہے بعد کے آنے والے مسلمان حکمران بھی شرعاً اس کے پابند ہوں گے۔ بلا وجہ شرعی وہ کسی کی ملک میں تصرف کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ یہ بحث بھی غور طلب تھی کہ جب انگریزوں نے اس اسلامی سلطنت پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں کی اراضی کے بارہ میں کیا احکام دیئے تا کہ اس پر غور کیا جائے کہ ان میں کونسے احکام ایسے ہیں جو شریعت اسلامی کی رو سے نافذ و واجب العمل ہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ بڑی تفصیلی بحث و تحقیق اور پورے ہندوستان کی فتوحات اور دربارۂ اراضی فاتحین کے احکام و معاملات کے معلوم ہونے پر موقوف ہو گیا۔

مجھے ہندوستان کی تاریخ پر اس سے پہلے نہ غور کرنے کا کبھی موقع ملا تھا نہ فن کی حیثیت سے تاریخ کبھی میرا فن رہا تھا۔ مسئلہ کی اہمیت اور بعض اکابر و احباب کے ارشادات نے مجھے اس پر آمادہ کر دیا کہ خاص اس مقصد کے لئے پورے ہندوستان کی فتوحات کی تفصیل کا مطالعہ کروں اور اس کے مختلف خطوں اور مختلف حکمرانوں کے فرامین دربارہ اراضی جمع کر کے ان سے اصل نوعیت معاملہ کا سراغ نکالوں۔ توکلا علی اللہ یہ کام شروع کر دیا۔

مختصر سرگذشت مصنف

یہ وہ زمانہ تھا کہ تقسیم ہند اور بناء پاکستان کا مسئلہ اپنے شباب پر تھا تجویز پاکستان کو ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے صحیح حل سمجھ کر مسلمانوں کی رائے عامہ کو اس کے واسطے ہموار کرنے کے لئے بایماء حضرت سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس تحریک میں مقدور بھر حصہ لینا طے کیا اور اس کے لئے ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم دیوبند کے عہدۂ افتاء سے

مستعفی ہو کر پورے ملک کے دورے کئے۔ اور کچھ عرصہ سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشاد پر احکام القرآن کی تصنیف کے لئے تھانہ بھون میں قیام کیا۔ یہ زمانہ حضرت موصوف کے مرض وفات کا زمانہ تھا۔ بالآخر رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت ممدوح کی رحلت کا سانحہ پیش آ گیا اور عین ہنگامی وقت میں اس سایہء رحمت سے محرومی ہوگئی۔ تھانہ بھون سے واپس دیوبند آیا تو تحریک پاکستان کی جدوجہد آخری مرحلوں پر پہنچی ہوئی تھی۔ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ اب یہ تحریک ہی شب روز کا مشغلہ بن گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگئی کہ آزاد حکومت وسلطنت پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو مل گئی۔ اگرچہ یہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کی تکوین، انگریز، ہندو اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور معاہدہ سے عمل میں آئی تھی جس کا اثر عقلاً یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسلمان اور ہندو اپنی اپنی آزاد ریاستوں کی تعمیر واستحکام کی فکر میں لگ جاتے اور باہمی آویزش جو عرصہ سے چلی آرہی تھی اس کا بالکل خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ہندوؤں میں مہاسبائی اور جن سنگھی ذہنیت عام تھی بہت سے کانگریس کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے بھی اس مسلمان دشمن پالیسی ہی کے دلدادہ تھے۔ متحدہ قومیت کا نعرہ ان کی طرف سے محض فریب تھا۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کی حکومت ہٹتے ہی انہوں نے ہندوستان کے ہر خطے میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بچے کُچے مسلمانوں نے پاکستان کا رُخ کیا۔

سیدی واستاذی شیخ الاسلام مولانا عثمانیؒ بناء پاکستان سے چندروز پہلے کراچی پہنچ چکے تھے۔ اہل وعیال ان کے بھی دیوبند میں محصور تھے۔

احقر اس فکر ہی میں تھا کہ وطن مالوف کو کس طرح چھوڑے اور پورے خاندان کو پاکستان کس جگہ اور کس طرح منتقل کرے کہ مسلمانوں کے اس قتل عام نے سب راستے مسدود کر دیئے۔ ان حالات میں گوشۂ گمنامی میں وقت گذار رہا تھا حوادث سے کمر شکستہ اور ملک کے حالات سے قلب و ذہن مشوش تھے۔ مگر غموم وصدمات کی عطا کردہ ایک غیر اختیاری فرصت تھی۔ اراضی ہند کی تحقیقات کا جو کام اس تحریک میں ملتوی ہو گیا تھا غنیمت جان کر اپنی طاقت و ہمت کو اس میں صرف کیا۔ تاریخ اور فقہ کی سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ہزاروں اوراق پڑھے۔ ان سے جو کچھ اپنی مقدرت اور نہایت محدود فہم وبصیرت کی حد تک مجھے حاصل ہوا اس کو زیرِ نظر کتاب میں قلمبند کر دیا۔

ابھی یہ کتاب پوری نہ ہوئی تھی کہ ہندوستان تقسیم ہو کر پاکستان وجود میں آ گیا اور اس انقلاب

نے اس کتاب میں چند نئے ابواب کے اضافہ کا دروازہ کھول دیا کہ انقلاب کے بعد ہندوستان اور پاکستان کی زمینوں کے کیا احکام رہیں گے۔

لیکن اس کی ضرورت جس وقت سامنے آئی اسی وقت پورے ملک میں خونریزی اور مسلمانوں کے قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ اس بدامنی اور مسلمانوں کے قتل عام نے پاکستان جانے کے راستے بھی مسدود کر دیئے۔ اس لئے آٹھ مہینے پاکستان بننے کے بعد بھی مجھے اپنے وطن دیوبند ضلع سہارنپور میں قیام کرنا پڑا۔ بڑا صبر آزما وقت تھا۔ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ ہر روز ہر طرف سے ہندوؤں کی انتہائی درندگی اور بہیمانہ حرکتیں اور مسلمان مرد وعورت اور بچے بوڑھوں پر دلدوز مصائب کی خبریں قلب و دماغ میں چرکے لگاتی ہیں مگر کر کچھ نہیں سکتے۔ ان حالات میں کسی تصنیف کا کام ہونا وہم وخیال میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

بالآخر جب یہ خونریزی اور بدامنی کچھ کم ہوئی تو اہل فکر ونظر کو سب سے پہلے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ پاکستان کا دستور اور قانون اسلامی ہونا چاہئے۔ شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ کی قیادت میں کراچی شہر کے چند عمائد کے اجتماع میں یہ طے ہوا کہ دستور اسلامی کا خاکہ تیار کرنے کے لئے چند علماء کو کراچی میں جمع کیا جائے۔

اسی سلسلہ میں احقر بھی ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو دیوبند سے روانہ ہو کر براہ جودھ پور، حیدر آباد ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی پہنچ گیا۔

تقریباً تین ماہ میں ان سب حضرات نے حضرت شیخ الاسلام کی زیر نگرانی دستور کا ایک خاکہ تیار کر لیا اور اب یہ کام پورا ہونے کے بعد یہ کشمکش سامنے تھی کہ جو ملک اتنی محنتوں اور تمناؤں کے بعد حاصل ہوا ہے یہاں رہ کر اس کی خدمت میں باقی ماندہ عمر صرف کی جائے یا وطن مالوف کو واپسی کی صورت ہو۔

احباب اور عزیزوں کی رائیں مختلف تھیں۔ مگر استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی دلی خواہش یہ تھی کہ قیام پاکستان میں رہے۔ مگر میرے عیال کثیر کے ساتھ معاش کا کوئی انتظام نہ ہونے کی بناء پر کچھ زبان سے نہ فرماتے تھے۔ بعض احباب نے خصوصیت سے یہیں کے قیام پر زور دیا۔ ان میں سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے یہاں کے قیام پر آمادہ کیا وہ سب سے پہلے تو استاذ محترم کی دلی خواہش تھی اور دوسرے درجہ میں اخی فی اللہ مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کا باصرار یہ فرمانا تھا کہ تیری ضرورت ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں ہے بالآخر استخارہ اور مشورہ کے بعد بنامِ خدا تعالیٰ ترکِ وطن اور پاکستان میں قیام کا عزم کر لیا گیا۔ اور تدریجاً

باقی ماندہ اولاد اور والدہ صاحبہ کو یہاں منتقل کرنے کی کوشش شروع کی گئی جس کو حق تعالیٰ نے سال بھر کے اندر پورا فرمادیا۔

کراچی میں قیام کے بعد ایک نئے اسلامی ملک کی نئی ضرورتوں کا ایک طویل دفتر سامنے آیا ان میں سے دو کام فوری طور پر زیادہ اہم سمجھے گئے۔اول پاکستان میں اسلامی دستور کی تنفیذ کے لئے جدوجہد۔دوسرے اسلامی تعلیم کے لئے کسی ایسی دینی درسگاہ کا قیام جو پاکستان کی ضرورت کو پورا کر سکے۔کیونکہ تقسیم ملک میں کچھ اتفاق ایسا پڑا تھا کہ جتنے علمی اور دینی مدارس اور ادارے مشترکہ ہندوستان میں تھے وہ اکثر ایسے صوبوں میں واقع تھے جن میں مسلمانوں کی اکثریت نہ تھی اور اس بنا پر وہ سب ہندوستان کے حصہ میں آ گئے۔پاکستان میں خال خال کہیں کوئی مدرسہ یا ادارہ تھا جو بالکل ناکافی تھا۔

یہ دونوں مقاصد زندگی کا محور اور شب و روز کا مشغلہ بن گئے دس سال کا طویل عرصہ ان ہی مقاصد کے لئے صرف ہوا۔اس کے ساتھ فتویٰ کا کام جو دیوبند سے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا تھا نہ صرف پاکستان سے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ممالک سے شرعی سوالات بکثرت آتے تھے اور شروع میں ان کا جواب لکھنے اور روانہ کرنے کا اہتمام تن تنہا کرتا تھا۔نہ کوئی ادارہ نہ کوئی مددگار۔دوسال کے بعد ایک دارالافتاء مختصر پیمانہ پر مسجد باب [illegible]لام بنس روڈ کراچی میں قائم کیا گیا۔پھر ایک سال بعد دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا جس سے ان کاموں میں کچھ سہولتیں بھی پیدا ہوئیں اور کچھ افکار بھی بڑھے۔

اس عرصہ میں کسی مستقل تصنیف کے لئے کوئی فرصت نہ تھی۔وقتی اور ہنگامی مسائل ہی پر کبھی کوئی مضمون یا مقالہ یا رسالہ لکھا گیا۔

کچھ عرصہ سے قویٰ کا انحطاط اور امراض کا تسلسل محسوس ہونے لگا تو فکر ہوئی کہ جن تصانیف پر کچھ کام ہو چکا ہے اور ہنوز مکمل نہیں کسی طرح ان کی تکمیل کر دی جائے کہ کارآمد ہو سکیں

اس وقت سب سے زیادہ اہم تین چیزیں سامنے آئیں۔اول تو وہ تفسیر معارف القرآن جو ہفتہ واری درس کی صورت سے ریڈیو پاکستان میں بارہ سال سے نشر ہو رہی ہے اس کی نظر ثانی اور تکمیل دوسرے احکام القرآن بزبان عربی جو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ کے ارشاد پر لکھی گئی تھی مگر ہنوز مکمل نہیں۔تیسرے مکمل فقہ اسلامی،فقہ کی ایسی کتاب جس میں تمام اسلامی احکام ہوں اور موجودہ دور کے جدید مسائل بھی اس میں تحقیق سے لکھے جائیں اس کتاب کا مادہ جمع کرنے کا سلسلہ عرصہ سے چلا آ رہا ہے مگر ہنوز اس کی تدوین و ترتیب کی نوبت نہیں آئی

آخر الذکر سلسلہ ہی سے تعلق رکھنے والی یہ زیرِ نظر کتاب بھی تھی جو اراضی ہندوستان کے احکام کی تحقیق پر لکھی گئی تھی۔

ان کاموں میں سے بنامِ خدا تعالیٰ تفسیر معارف القرآن پر نظرِ ثانی اور تکمیل کا سب سے پہلے قصد کر کے اس کو شروع کر دیا جس کا سلسلہ جاری ہے اور معلوم نہیں کہ یہ تکمیل کی آرزو پوری ہو سکے گی یا نہیں[1]۔ للہ الامر من قبل و من بعد دوسرے دونوں کام بالفصل ملتوی رہے۔

زیرِ نظر کتاب احکام الاراضی کی تکمیل

لیکن سالِ رواں میں ضعف و علالت تقریباً مسلسل ہو گیا اور انحطاط قویٰ روز بروز بڑھتا ہوا دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ احکامِ اراضی کی یہ کتاب ایک حد تک مکمل اور مفید ہے اس کو اسی حالت میں شائع کر دیا جائے۔ جن ابواب جدیدہ کا اس میں اضافہ کرنا ہے اگر میں نہ کر سکا تو کوئی دوسرا اللہ کا بندہ کر لے گا۔ ''نقد رابنسیہ گذاشتن کارِ خردمندی نیست''۔ لیکن جب اس کتاب کی کتابت ہو کر سامنے آئی تو خیال آیا کہ جن ضروری ابواب کی ضرورت ہے ان کو بھی مختصر طور پر اتنا لکھ دیا جائے جس میں زیادہ تحقیق اور کاوش کی ضرورت نہ ہو۔

اس کتاب کے مسائل کو چھ ابواب پر تقسیم کیا تھا

باب اول:...... بلالحاظ خصوصیت ممالک اراضی مزروعہ و مسکونہ کے متعلق شرعی احکام۔

باب دوم:...... اول فتح کے وقت اراضی ہندوستان کے احکام۔

باب سوم:...... انگریزی عہد میں احکام اراضیِ ہند۔

باب چہارم:...... تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی زمینوں کے احکام۔

باب پنجم:...... ہندو پاک میں اراضی اوقاف کے احکام۔

باب ششم:...... دونوں ملکوں اور ان کی زمینوں میں عشر و خراج کے احکام۔

ان چھ ابواب میں سے پہلے تین باب اور ان کے ضمن میں مختصر تاریخ فتوح الہند پہلے ہی قیام دیو بند کے زمانہ میں لکھے جا چکے تھے۔ آخری تین باب کی تکمیل اب سولہ سال کے بعد ہو رہی۔ واللہ الموفق و المعین۔

---

[1] ...... خدا کا شکر ہے کہ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہو کر مصنف کی زندگی میں ہی شائع ہوئی اور مقبولِ عوام و خواص ہے۔ (ناشر)

التماسِ مصنّف

اراضی کے احکام و مسائل چونکہ ان مسائل میں سے نہیں ہیں جن کی ضرورت ہر شخص کو ہر حال میں پیش آئے اور ہندوستان میں تقریباً دو سو برس سے انگریزی اقتدار انگریزی قانون کی ترویج نے ان مسائل کو اور بھی زیادہ خمول اور گمنامی میں ڈال دیا۔ اہلِ علم و فتویٰ کو بھی ان مسائل سے سابقہ نہ رہا اس لئے ان کے اصول و فروع بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کا منقح کر کے جمع کرنا جوئے شیر لانے کا مترادف بن گیا۔

احقر ناکارہ نے اپنی قدرت کی حد تک کافی محنت و تحقیق سے اس مشکل کو عبور کیا ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل اور حضرات فقہاء کی تحقیقات کو سند و حوالہ کے ساتھ لکھ دیا۔ بہت ممکن ہے کہ میرے قصورِ فہم سے اس میں کچھ غلطیاں ہوئی ہوں اس لئے حضرات اہلِ علم سے گذارش ہے کہ اگر کہیں ایسا نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادیں اور جب تک یہ احقر زندہ ہے مجھے بھی اطلاع فرما دیں تو باعثِ امتنان ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بنفش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو مے زنم چہ عبارت و چہ معانیم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ○

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۱۲ رجب المرجب ۱۳۸۳ھ

حصّہ اوّل

اسلام کا نظامِ اراضی

مُسمّٰی

اَلْقَوْلُ الْمَاضِیُ
فی
اَحْکَامِ الْاَرَاضِیُ

از تالیفات

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
صدر دار العلوم کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بابِ اوّل

تمام دنیا کے لئے اسلام کا قانون اراضی

جب کوئی ملک فتح کیا جائے تو اس کی زمینیں ابتداء دو قسم (1) پر ہوں گی۔

اوّل: غیر مملوک جن کو اصطلاح فقہاء میں ارض مباحہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جن کا کوئی خاص شخص مالک نہیں۔

دوم: مملوک زمینیں جن پر خاص خاص زمیندار مالک و متصرف ہیں۔

پھر ممالک کے فتح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کے ساتھ قہر و غلبہ سے فتح کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ بدون جنگ کے صلح و امان کے ساتھ فتح ہو جائے۔ خواہ اس طرح کہ اپنے قدیمی مذہب پر رہتے ہوئے صلح کے ساتھ ملک مسلمانوں کے حوالے کر دیں یا اس طرح کہ ان سے باج و اخراج ادا کرنے کا وعدہ لے کر انہیں اس ملک کی ریاست پر برقرار رکھا جائے۔

اراضی قسم اول: یعنی غیر مملوک میں ملک کے فتح ہونے کی دونوں صورتیں یعنی جنگ و صلح کے احکام ایک ہیں۔

قسم دوم: یعنی مملوک زمینوں میں صلحاً فتح ہونے کے احکام جدا اور جنگ سے فتح ہونے کے احکام جدا ہیں۔ ان تمام اقسام کے احکام کی تفصیل یہ ہے۔

غیر مملوک اراضی

ارض مباحہ جس کا کوئی خاص شخص مالک نہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: وہ جو آبادی کے قریب بستی والوں کے عام اور مشترک ضروریات میں کارآمد ہیں جیسے بستی کے اندر گلی کوچے اور سڑکیں یا بستی سے باہر قبرستان، عیدگاہ، چراگاہ وغیرہ کے میدان۔

دوم: وہ غیر آباد جنگلات اور بیکار پہاڑی زمینیں جو نہ کسی خاص مِلک میں داخل ہیں اور نہ کسی بستی سے متعلق ہیں اور نہ بالفعل قابل زراعت و انتفاع ہیں ایسی زمینوں کو اصطلاح شرع

---

(1) ...... اقسام الاراضی کی یہ تفصیل بدائع کتاب الاراضی ص ۱۹۲ ج ۶ اور اموال ابوعبید ص ۲۷۲ تا ص ۳۰۴ سے ماخوذ ہے ۱۲ منہ

میں ارض موات کہا جاتا ہے۔

سوم وہ غیر مملوک زمینیں جو کسی بستی کی ضروریات میں مشغول نہیں مگر قابلِ زراعت وانتفاع ہیں ان کو اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔

غیر مملوک اراضی کی قسم اول

جن سے کسی بستی کی ضروریات متعلق ہوں

ان کا حکم یہ ہے کہ کسی وقت کسی شخص کا مالکانہ قبضہ اور تصرف ان پر جائز نہیں نہ سلطان مسلم خود ان کا مالک بن سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو بطور جاگیر دے سکتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ باشندگان بلد کی مشترک اور عام ضروریات ❶ کے لئے مثل وقف کے محفوظ رہیں گی۔

اسی ❷ طرح نمک وغیرہ کی کان اور مٹی کے تیل یا پٹرول وغیرہ کے چشمے جو عام لوگوں کی ضروریات زندگی میں شامل ہیں خواہ کسی بستی کے قریب ہوں یا نہیں وہ بھی کسی شخص کی مخصوص ملک یا جاگیر نہیں بن سکتی۔ نہ سلطانِ مسلم خود ان پر مالکانہ تصرف کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے بلکہ رفاہ عام کے لئے حکومت کی نگرانی میں ان کا انتظام کیا جائے گا۔

یہی وجہ تھی کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابیض بن حمال مازنی کی درخواست پر مارب ❸ کی زمینیں انہیں عطا فرمادیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نمک کی زمین اور منفعت عامہ کی چیز ہے تو واپس لے لی۔ (کتاب الاموال ابوعبید ص ۲۷۶)

ف:۔ مذکور الصدر زمینیں جو کسی بستی کی ضروریات میں مشغول ہیں صحیح ومختار مذہب یہ ہے کہ ان میں بستی کے قریب یا بعید ہونے کی کوئی قید نہیں۔ اور بعض ائمہ نے جو بستی کے قریب ہونے کی قید اور اس کی مقدار کی تعیین فرمائی ہے وہ عام عادت کی بناء پر ہے کہ عموماً بستی کی ضروریات اس کے قرب وجوار ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔

(بدائع کتاب الاراضی۔ ردالمحتار کتاب الاحیاء الموات)

---

❶...... کما فی البدائع کتاب الاراضی ص ۱۹۴ ج ۶ وکذا ما کان خارج البلده من مرا فقها بها لاملها او مرعی لهم لا یکون مواتاً حتیٰ لا یملک الامام اقطا عها لان ما کان من مرافق البلده فهو حق اهل البلدة کفناء دارهم وفی الاقطاع ابطال حقهم ۱۲ منہ

❷...... وکذلک ارض الملح والقار والنفط ونحو ها مما لا یستغنی عنها المسلمون لاتکون ارض موات حتی لایجوز للامام ان یقطع لاحد لانها حق لعامة المسلمین وفی الاقطاع ابطال حقهم (بدائع ص ۱۹۴ ج ۶)

❸...... مارب بروزن منزل یمن میں ایک مقام ہے جس کی زمین سے نمک نکلتا ہے (۱۲ قاموس)

غیر مملوک کی قسم دوم ارض موات جن سے نہ کسی بستی کی ضروریات متعلق ہوں اور نہ وہ بالفعل قابل زراعت وانتفاع ہوں

ارض موات یعنی وہ غیر آباد جو بالفعل قابل زراعت وانتفاع نہیں اور نہ کسی شخص کی ملک ہے اور نہ کسی شخص کی ضروریات عامہ میں مشغول ہے اس کا حکم یہ ہے کہ امام یعنی سلطانِ اسلام سے اجازت ❶ لے کر جو شخص اس کو آباد اور قابل انتفاع بنا لے وہی اس کا مالک ہو جاتا ہے خواہ آباد کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم۔ حدیث میں ہے۔

من احیا ارضاً میتۃ فھی لہ (اموال ابو عبید ص ۲۸۵) جو شخص کسی بیکار زمین کو آباد کر لے وہ اس کی ملک ہے۔❷

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے ایک ایسی ہی غیر آباد زمین کی درخواست کی جو دجلہ کے کنارے پر واقع تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عامل عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام فرمان بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے:

فان لم تکن ارض جزیۃ ولا ارضا یجری الیھا ماء جزیۃ فاعطاھا ایاہ (اموال ابو عبید ص ۲۷۷)

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فرمایا ہے:

وللامام ان یقطع کل موات و کل ما لیس فیہ ملک لاحد ویعمل بما یری انہ خیر للمسلمین (شامی ص ۳۶۶ ج ۳)

ارض موات جو باذنِ امام آباد کرنے والے کی ملک ہو جاتی ہے اس میں مذہب مختار اور ظاہر الروایات یہی ہے کہ بستی سے قریب یا بعید دونوں کا حکم یکساں ❸ ہے۔

قسم سوم اراضی بیت المال

یعنی وہ زمین جو کسی شخص کی مملوک نہیں اور کسی بستی کی حاجات عامہ میں بھی مشغول نہیں مگر آباد

---

❶ ......فالملک فی الموات یثبت بالاحیاء باذن الامام عند ابی حنیفۃؒ و عند ابی یوسفؒ و محمدؒ یثبت بنفس الاحیاء واذن الامام لیس بشرط (بدائع ۱۲ منہ)

❷ ......ویملک الذمی بالاحیاء کما یملک المسلم لعموم الحدیث (بدائع ص ۱۹۵ ج ۶) ۱۲ منہ

❸ ......وھل یشترط ان یکون بعیدا من العمران شرط الطحاوی فانہ قال وما قرب من العامر فلیس بموات وکذا روی عن ابی یوسفؒ ان ارض الموات بقعۃ لو وقف علی ادناھا من العامر فنادی باعلیٰ صوتہ لم یسمعہ من العامر وفی ظاھر الروایہ لیس بشرط (الی قولہ) والصحیح جواب ظاھر الروایۃ (بدائع ص ۱۹۴ ج ۶) ۱۲ منہ

اور قابل زراعت وانتفاع ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ بیت المال کی زمین ہے اس کی آمدنی ومنافع ان لوگوں پر صرف ہوں گے جن کا بیت المال میں کوئی حق ہے۔ امام یعنی سلطان اسلام کو ان میں مختلف قسم کے اختیارات ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شاہی اقطاعات (عطیات) اور جاگیر دینے کا تعلق بیشتر ان ہی زمینوں سے ہے۔

اراضی بیت المال کی اقسام

اراضی بیت المال میں چند اقسام کی اراضی داخل ہیں

(الف) وہ زمینیں جو ملک فتح ہونے تک کسی ملک میں داخل نہ تھیں۔ تو فتح کے بعد وہ بیت المال ① میں داخل ہوں گی کما ھو ظاھر۔

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ ابتداءً کسی شخص خاص کی ملک تھی مگر وہ لاوارث مر گیا اور یہ زمین بیت المال میں داخل ہوگئی اس قسم کی زمینوں کو اصطلاح فقہاء میں اراضیٔ مملکت اور اراضیٔ حوز یا اراضیٔ سلطانیہ کہا جاتا ہے۔ (شامی ص ۲۵۳ ج ۳ باب العشر والخراج)

(ج) جس صورت میں مفتوح ملک کی مملوکہ زمینیں غانمین میں تقسیم کی جائیں جس کی تفصیل اراضی مملوکہ کے بیان میں آئندہ آئے گی۔ تو ان میں سے پانچواں ② حصہ بیت المال کا نکالا جائے گا۔ یہ زمینیں بھی اراضی بیت المال میں شامل ہوں گی۔

(د) جب کوئی ملک جنگ کر کے قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو اس کی مملوکہ زمینوں میں امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ پوری اراضی مملوکہ کو بیت المال کے قبضہ وتصرف میں لے لے۔ نہ غانمین میں تقسیم کرے نہ اصلی مالکوں کی ملک میں رکھے۔ اس صورت میں یہ سب اراضی بھی اراضی بیت المال ہو جائیں گی۔ ③

---

① ...... امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے وللامام ان یقطع کل موات وکل مالیس فیه ملک لا حد ویعمل بمایری انه خیر للمسلمین (شامی ص ۲۶۶ ج ۳)

② ...... واماالاراضی فللامام فیه خیاران شاء خمسها ویقسم الباقی بین الغانمین لمابیناوان شاء ترکها فی یداهلهابالخراج وجعلهم ذمة (الی قوله) ووضع الجزیة علی رءوسهم والخراج علی اراضیهم.
(کتاب الاموال ص ۵۵ بدائع فصل الغنائم ص ۱۱۸ ج ۷) ۱۲ منہ

③ ...... وهذانوع الثالث یعنی لاعشریة ولاخراجیة من الاراضی تسمی ارض المملکة واراضی الحوز وهومامات اربابها بلاوارث وال لبیت المال اوفتح عنوة وابقی للمسلمین الی یوم القیامة وحکمه علیٰ مافی التتارخانیة انه یجوز للامام دفعه للزراع باحد طریقتین امابااقامتهم مقام الملاک فی الزراعة واعطاء الخراج وامابااجارتها لهم بقدرالخراج فیکون المأخوذ فی حق الامام خراجاثم ان کان دراهم فهو خراج مو ظف وان کان بعض الخارج فخراج مقاسمة وامافی حق الاکراة فاجرة لاغیرلاعشر ولاخراج. (شامی باب العشر والخراج ص ۳۵۳ ج ۳) وفیه بعد ذلک واماالاراضی اللتی حازها السلطان لبیت المال ویدفعهاللناس مزارعة لاتباع. (ص ۳۵۴ ج ۳) ۱۲ منہ

(ھ) قہراً فتح ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اراضی مملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لئے مخصوص کرلے جیسے حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں میں سے یا کسریٰ اور اس کے متعلقین کی زمینیں اور جو شخص زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اس کی زمین اور جو شخص کسی معرکہ میں قتل ہو گیا اس کی اراضی۔ [1]

اس طرح خاص خاص دوسری زمینیں بیت المال کے لئے مخصوص فرمائی تھیں اور انہی میں سے لوگوں کو جاگیر دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدؒ کی کتاب الاموال میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ حدیث میں ہے۔

عادی الارض للہ وللرسول ثم ھی لکم قال ابو عبید و العادی کل ارض کان بھا ساکن فی اباد الدھر فانقرضوا فلم یبق منھم انیس فصار حکمھا الی الامام۔ (اموال ابو عبید ص ۲۷۸)

اراضی بیت المال کے مصارف

اراضی بیت المال کا مصرف وہ لوگ ہیں جن کا بیت المال میں کوئی حق ہے۔ مثلاً فقراء و مساکین یتیم اور بیوائیں۔ غریب الوطن مسافر، بیمار و اپاہج، مجاہدین اور لشکر اسلامی، علماء و قضاۃ اور عمال سلطنت۔ نیز رفاہ عام کے کام بھی بیت المال کے مصارف ہیں مثلاً دریاؤں کے پل، سرحدات کی حفاظت، بناء مساجد و مدارس، شفاخانے، خانقاہیں وغیرہ۔

اراضی بیت المال میں امام یعنی سلطانِ اسلام کے اختیارات

اراضی بیت المال مثل دیگر اموال بیت المال کے امام المسلمین یا امیر المؤمنین کی ذمہ داری اور اس کی نگرانی میں رہیں گی ان کے منافع امام ہی کے صوابدید کے موافق اپنے اپنے مصارف میں صرف ہوں گے۔ امام کو ان زمینوں کے متعلق حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں۔ ان میں سے جس وقت جس صورت کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید دیکھے اس کو اختیار کرے۔

---

[1] ......ان للامام ان یقطع من بیت المال الارض لمن یستحق الخ (شامی باب العشر و الخراج ص ۳۵۳ ج ۳) وفی رسالۃ العلامۃ زین الدین ابن نُجم صاحب الاشباہ فی احکام الاقطاعات مانصہ قال ابو یوسفؒ (یعنی فی کتاب الخراج وذلک بمنزلۃ المال الذی لم یکن لاحد ولا فی ید وارث فللامام العادل ان یخمس منہ ویعطی من کان لہ غنی فی الاسلام ویضع ذلک موضعہ ولا یحابی وفیھا بعد ذلک ویشترط ان یکون من مصارف الخراج وعلی ھذا فلیس لہ ان یجعلھا لغیر المصارف ۱۲ منہ (الرسائل زینیہ فی اواخر الاشباہ ص ۵۴، ۵۵)

۱)......قابل زراعت زمینوں میں کاشت کرائے یا دوسرے کاشتکاروں کو بٹائی یا مقررہ اجرت (لگان) پر دے دے اس طرح سکنائی جائدادوں کو کرایہ پر دیدے اور ان سب کی پیداوار کو بیت المال میں داخل کرے۔

۲)......حسب ضرورت رفاہ عام اور ضروریات عامہ کی اشیاء مثلاً مساجد ❶ خانقاہیں، مدارس، دارالیتامیٰ، مسافر خانے، شفاخانے وغیرہ بنائے۔

۳)......اگر ضرورت ❷ یا مصلحت داعی ہو تو سلطان اسلام اراضی بیت المال کو فروخت بھی کر سکتا ہے اور قیمت اس کی بیت المال کی ضروریات میں صرف کی جائے گی۔

۴)......جس شخص کو اسلامی خدمات یا فقر و فاقہ یا معذوری وغیرہ کی بناء پر مستحق سمجھے اس کو اراضی بیت المال میں سے بطور اقطاع (جاگیر) کے بھی دی جاسکتی ہے جس کی تعیین و تشخیص امام کے اختیار اور اس کی صوابدید پر ہے۔ پھر اقطاع یعنی عطاء جاگیر کی مختلف صورتیں ہیں ان سب صورتوں میں بھی امام کو اختیار ہے کہ جس کو مسلمانوں کے لئے انفع سمجھے اس کو اختیار کرے۔

اقطاع یعنی عطاء جاگیر کی مختلف صورتیں

(۱) اقطاع کی ایک صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کو مالک بنا دیا جائے اس صورت میں اس کو بیع و شراء وغیرہ کے تمام مالکانہ تصرفات جائز ہوں گے اور اس کے بعد یہ زمین اس کے وارثوں میں بحصص شرعیہ منتقل ہوگی امام کو ان سے واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔ ❸ رسول اللہ

❶......وكذا اراضى الشام كمایاتی عن فضل اللّٰه الرومی وقال فی التحفة المرضية وذكر فی فتح القدير انه يحب على السلطان وقف مسجد من بيت المال وفيها بعد ذٰلک وان كان الواقف لها سلطانا من البيت المال من غير ان يكون مالكا لها فقد انه اذا كان على مصالح مسجد فانه وقف صحيح لازم ليس لمن بعده ابطالهٗ (رسائل زينيه ص ۲۴)

❷......قال فی الدر المنتقی فيؤجرها الامام ويأخذ جميع الاجره لبيت المال كدار صارت لبيت المال واختار السلطان استغلا لها. وان اختار بيعها فله ذٰلک اما مطلقاً اولحاجة فثبت ان بيع الاراضی المصرية وكذا الشامية صحيح مطلقاً اما من مالكها او من السلطان (شامی باب العشر والخراج ص ۳۵۳ ج ۳) وفی التحفة المرضية فی الاراضی المصرية لابن نجيم مانصه فافاذٰلک ان للامام بيع عقار بيت المال على قول المتقدمين مطلقاً وعلى المفتی به لحاجة اومصلحة ومن ذٰلک الاراضی الخراجية (رسائل زينيه ص ۲۰)

❸......قال الامام ابو يوسفؒ فی كتاب الخراج وكل ارض ليست لاحد ولا عليها اثر عمارة فاقطعها رجلاً فعمرها فان كانت فی ارض الخراج ادى عنها الخراج وان كانت عشرية ففيها العشر وقال فی ذكر القطائع ان عمر اصطفٰی اموال كسرٰی واهل كسرٰی وكل من فرعن ارضه اوقتل فی المعركة وكل مفيض ماءٍ او اجمة فكان عمر يقطع من هذا لمن اقطع. قال ابو يوسفؒ وذٰلک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ﷺ کے اکثر اقطاعات (عطیات) اسی قسم کے ہیں حضرت سلیط انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک زمین کا عطیہ فرمایا وہ ان کی نگرانی اور کاروبار کے لئے جایا کرتے تھے مگر اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے شرف خدمت و زیارت میں کمی محسوس کر کے واپس لینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے واپس لے کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔ یہ واپسی چونکہ بطیب خاطر تھی اس لئے جائز سمجھی گئی۔ (اموال ابی عبید رحمہ اللہ)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خیبر کی ایک زمین جس میں درخت اور کھجور کا باغ تھا بطور جاگیر عطا فرمائی (اموال ابی عبید رحمہ اللہ ص ۲۷۳) یہ زمین حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارثوں میں منتقل ہوئی۔

اسی طرح بلال بن حارث مزنی کو پوری وادی عقیق جو مدینہ سے پانچ منزل پر ہے عطا فرمائی۔ (کتاب الاموال لابی عبید رحمہ اللہ)

(۲) دوسری ① صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کو زمین کا مالک نہ بنایا جائے بلکہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) بمنزلة بیت المال الذی لم یکن لاحد ولافی یدوارث فللامام العادل ان یجیز منه ویعطی من کان له غناء فی الاسلام یضع ذلک موضعه ولایجابی به فکذلک هذه الارض فهذاسبیل القطائع عندی فی ارض العراق انماصارت القطائع یوخذمنها العشر لانها بمنزلة الصدقة اه قلت وهذا صریح فی ان القطائع قد تکون من الموات وقد تکون من بیت المال لمن هو من مصارفه وانه یملک رقبة الارض ولذاقال یؤخذمنها العشر لانهابمنزلة الصدقة ویدل له قوله ایضاً "وکل من اقطعه الولاة المهدیون ارضاً من ارض السوادوارض العرب والجبال من الاصناف اللتی ذکرنا ان للامام ان یقطع منها فلایحل لمن یاتی بعده من الخلفاء ان یرد ذلک ولا یخرجه من ید من هو فی یده وارث اومشترثم قال والارض عندی بمنزلة المال فللامام ان یجیز من بیت المال من له غناء فی الاسلام ومن یقوی به علی العدد ویعمل فی ذلک بالذی یری انه خیر للمسلمین واصلح لامرهم وکذالک الارضون یقطع الامام منها من احب من الاصناف اه فهٰذایدل علٰی ان للامام ان یعطی الارض من بیت المال علی وجه التملیک لرقبتها کما یعطی المال حیث رای مصلحة اذلافرق بین الارض والمال فی الدفع المستحق فاغتنم هذا الفائدة فانی لم اومن صرح بها وانما المشهور فی الکتب ان الاقطاع تملیک الخراج من بقاء رقبة الارض لبیت المال. (شامی باب الخراج ص ۳٦٦ ج ۳)

① ......ثم اعلم ان اراضی بیت المال المسماة اراضی المملکة واراضی الحوز اذاکانت فی ایدی زراعها لاتنزع من ایدیهم ماداموایؤدون ماعلیها ولاتورث عنهم اذاماتواولایصح بیعهم لها ولکن جری الرسم فی الدولة العثمانیة ان من مات عن ابن انتقلت لابنه مجانا والا فلبیت المال ولو له بنت اواخ لاب له اخذها بالاجارة الفاسدة وان عطلها متصرف ثلاث سنین اواکثربحسب تفاوت الارض تنزع منه وتدفع لآخرولایصح فراغ احدهم عنها لآخر بلااذن السلطان اونائبه کمافی شرح الملتقٰی وتمام الکلام علٰی ذلک قد بسطناه فی تنقیح الفتاوٰی (شامی ص ۳۵۴ ج ۳) وفی الرسالة الهدیة للشیخ الجلال التهانیسری نقلاعن التتارخانیه اذااعطی الامام ارضالرجل بوجه الادرارفلا یجوزبیعها ولاهبتها اه قال الشیخ الجلال وهذه الروایة موافقة لاحدانواع الاراضی المتنوعة وهو ماذا سوّغ خراج الارض بعرف لها مالک قدیم لمستحق حیث لاتدخل الارض فی ملک المعطی له ویکون خراجهاله. (اراضی الہند ص ۱۴) محمد شفیع عفا اللہ عنہ

اس کے منافع اور آمدنی حاصل کرنے کا اختیار نسلاً بعد نسل دیا جائے۔ اس صورت میں امام بلا وجہ شرعی اس جاگیردار یا اس کے وارثوں کو زمین سے بیدخل نہیں کر سکتے ہاں وہ اس زمین کو معطل کر کے چھوڑ دیں یا زمین کا عشر و خراج ادا نہ کریں تو ان سے لے کر دوسروں کو دی جا سکتی ہے۔ نیز اس صورت میں جاگیردار یا اس کے وارثوں کو بیع و ہبہ یا وقف کا اختیار نہیں ہوتا۔ باقی تصرفات جن کا تعلق پیداوار سے ہے وہ سب جائز ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا حسب وعدۂ قرآنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ساری زمین پر غالب و حاکم بنائیں گے تو بلاد شام میں جو میرا گاؤں ہے جس کو بیت لحم کہا جاتا ہے (جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی ہے) یہ گاؤں آپ مجھے عنایت فرما دیں۔ جب ملک شام فتح ہو جائے گا تو یہ گاؤں مجھے مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کے موافق یہ گاؤں بطور جاگیر ان کو دے دیا اور اس کے لئے فرمان لکھ دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملک شام فتح ہوا تو حضرت تمیم داری یہ فرمان لے کر حاضر ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خود اس فرمان کا ایک گواہ ہوں اس لئے یہ جاگیر آپ کو دیتا ہوں مگر فرمایا کہ آپ کو اس کی بیع کا اختیار نہیں۔ لیث بن سعد اس واقعہ کی روایت کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جاگیر آج تک حضرت تمیم کی اولاد کے تصرف میں ہے۔

عن اللیث بن سعد ان عمر رضی اللہ عنہ امضی ذلک لتمیم و قال لیس لک ان تبیع قال فھی فی ایدی اھل بیتہ الی الیوم۔ (اموال ابی عبید ص ۲۷۵)

ترجمہ: ”لیث بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بنی تمیم کے لئے ہمیشہ جاری رکھنے کا فرمان دیدیا اس شرط پر کہ اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ وہ آج تک انہی کے خاندان میں چلی آتی ہے۔“

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے کہ آپ کو بیع کا اختیار نہیں اور پھر اس عمل سے کہ نسلاً بعد نسل اس کے منافع حضرت تمیم اور ان کی اولاد کو دیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کا یہی منشاء حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا ورنہ اس کی مخالفت نہ فرماتے۔

فائدہ:۔ جس سلطان مسلم نے کسی شخص کو جاگیر بصورت مذکورہ نسلاً بعد نسل پیداوار سے نفع اٹھانے کے لئے دے دی، جب یہ سلطان مر جائے اور جاگیردار کا انتقال اس وقت ہو جبکہ دوسرا امام اس کی جگہ تخت نشین ہو تو اس کو اور اسی طرح اس کے بعد آنے والے سلاطین کو اس کی اولاد کے بارہ میں سابق سلطان کے فرمان کا پابند رہنا ہو گا یا سلطان اول کے انتقال پر جاگیردار کی

اولاد کے حق میں یہ معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا اور جدید سلطان کو اختیار ہوگا کہ اولاد کے لئے اس کو باقی رکھے یا واپس لے لے۔ اس کے متعلق نصوص میں کوئی تصریح نہیں اور قواعد و نظائر سے جو کچھ حضرات فقہاء نے سمجھا ہے اس میں رائیں اور اقوال مختلف ہیں۔ (درمختار ①) شامی وغیرہ میں شرح سیر کبیر کی بعض روایات کی بناء پر اس کو ترجیح دی ہے کہ اس قسم کی جاگیر کے اولاد میں منتقل ہونے کا معاملہ عطا کنندہ سلطان کی حیات تک رہے گا۔ اس کی موت پر ختم ہو جائے گا اور آئندہ امام و امیر کو اختیار ہوگا کہ جاگیردار کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور وارثوں کو دے یا واپس لے لے۔ مگر خود جاگیردار کی حیات تک اس کی پابندی ہر سلطان و امیر کو کرنا ہوگی۔ کیونکہ اس کو عطیہ دیا جا چکا ہے بخلاف اولاد کے ان کو ابھی تک نہیں دیا گیا۔ ان کے حق میں محض ایک معلق وعدہ ہے۔ حضرت تمیم داری کی ایسی ہی جائداد زمانۂ دراز تک انہی کی نسل میں باقی رہنا جیسا کہ اوپر گذرا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر نئے امیر و امام نے اپنے اختیار سے اس کو باقی رکھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے امراء و حکام نے سابق فرمان کی پابندی کو اپنے لئے لازم و ضروری سمجھ کر باقی رکھا ہو۔

(۳) تیسری صورت اقطاع و عطیہ جاگیر کی یہ ہے کہ نہ جاگیردار کو زمین کا مالک بنائیں اور نہ نسلاً بعد نسل منافع دیں۔ بلکہ تاحیات جاگیردار کو منافع لینے کا اختیار دیا جائے اس صورت میں حسب شرط جاگیردار کے انتقال کے بعد یہ زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔

(۴) چوتھی ② صورت یہ ہے کہ جاگیردار کو پیداوار سے منافع حاصل کرنے کی اجازت بلا کسی تجدید مدت کے دی جائے۔ اس صورت میں امام کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ جب ضرورت یا مصلحت کو دیکھے اس کے قبضہ سے نکال لے۔

---

① ......فی الدرالمختار ومن الحوادث لو اقطعها السلطان له ولاولاده ونسله وعقبه علٰی ان من مات منهم انتقل نصيبه الٰی اخيه ثم مات السلطان وانتقل من اقطع له فی زمن سلطان اخر هل يكون لاولاده لم اده ومقتضٰی قواعد هم الغاء التعليق بموت المعلق فعدبراه وهذا هو الذی يستفادترجيحه من كلام الشامی بعد البحث. (شامی ص ۳٦۷ ج ۳)

② ......قال فی الدرالمختار يعلم من قول الثانی حكم الاقطاعات من اراضی بيت المال اذ حاصلها ان الرقبة لبيت المال والخراج له وحينئذٍ فلايصح بيعه ولاهبتهٗ ولاوقفه نعم له اجارته تخريجا علٰی اجارة المستاجراه قال الشامی ولااثر لجوازاخراج الامام له اثناء المدة كما لااثرلجواز موت الموجر فی اثناء المدة (الٰی قوله) واذامات المؤجر اواخرج الامام الارض عنه المقطع تنفع الاجارة لانتقال الملک الی غير المؤجر (شامی ص۳٦۷ ج۳) وفی الدرالمختار من اخر هذاالباب افتی العلامة قاسم بصحة اجارة المقطع وان للامام ان يخرجه متی شاء وقيده ابن نجيم بغيرالموات اماالموات فليس للامام اخراجه عنه لا[illegible] تملكه بالاحياء انتهٰی ۱۲ منه.

مسئلہ ① جاگیر کی مذکور الصدر چاروں صورتوں میں سے صرف صورت اول میں جاگیردار کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ اور وقف وغیرہ کے حق حاصل ہیں۔ باقی تین صورتوں میں یہ مالکانہ تصرفات جائز نہیں۔ البتہ جاگیردار کو یہ حق حاصل ہے کہ اس زمین کو خود کاشت کرے یا اس میں مسکن بنا کر نفع اٹھائے یا کرایہ پر دے کر اس کی اجرت سے فائدہ حاصل کرے۔

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ نہ زمین کی ملکیت سے جاگیردار کا کوئی تعلق ہو نہ اس کی پیداوار و منافع بلا واسطہ اس کے دیئے جائیں، بلکہ زمین کا جو عشر یا خراج بیت المال میں داخل ہوتا ہو وہ کل یا بعض کسی مستحق شخص کو دیدیا جائے۔ اس صورت میں اگر زمین پر کوئی کاشتکار کرایہ دار منجانب امام قابض و متصرف ہے وہ اپنی جگہ بحال رہے گا، جاگیردار اس کو بے دخل کر کے دوسروں کو اجارہ پر نہ دے ② سکے گا بلکہ شرط کے موافق اس کا تعلق عشر و اخراج کے اس حصہ سے ہوگا جو امیر نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

(۶) چھٹی صورت اقطاع اور عطاء جاگیر کی یہ ہے کہ وہ اراضی بیت المال میں سے نہ ہو بلکہ اراضی مملوکہ سے متعلق ہو اور صورت اس کی وہی ہوگی جو پانچویں صورت میں مذکور ہے کہ زمین کی پیداوار سے جاگیردار کا بلا واسطہ کوئی تعلق نہیں، بلکہ پیداوار اس صورت میں زمیندار مالک زمین کی ہوگی۔ جاگیردار کے لئے امام اس اخراج کا کل یا جزو ③ مقرر کر دے جو اس زمین سے بیت المال میں داخل ہوتا ہو۔ اور حکم اس کا بھی وہی ہے جو نمبر (۵) میں گذرا اور اس طرح کے اقطاع

---

① ......وفی التحفة المرضیة لابن نجیم عن اوقاف الخصاف وصرح الشیخ قاسم فی فتاواہ بان من اقطعه السلطان ارضاً من بیت المال ملک المنفعة بمقابلة استعداده لما اعدله لاالعین فلااجارتها وتبطل بموته اواخراجه من الاقطاع لان للسلطان ان یخرجه منها. انتهٰی (رسائل زینیه ص ۲۲)

② ......فی ردالمحتار. لکن اذاکان الارض زراع واضعون ایدیهم علیها ولهم فیها حرث وکیس ونحوه ممایسمٰی کرداراویؤدون ماعلیهالاتصح اجارتها لغیرهم (شامی ص۳۶۷ ج۳)وفی رسالة الاقطاعات للعلامة زین بن نجیم رحمه اللّٰه واماماقطعه من اراضی بیت المال فانه لا یملک العین فلایصح وقفها ولاالتصرف بمایخرجها عن ملکه ولاتورث عنه وانما ملک الانتفاع بهافلله ایجارها فللامام ان یجیرها الیٰ غیره وحاصله انه جعل له خراجها الذی کان یحمل لبیت المال اماالکل اوالبعض ویشترط ان یکون من مصارف الخراج وعلیٰ هذافلیس له ان یجعلها بغیر المصارف .(الرسائل الزینیة الملحقة بآخرالاشباہ ص۵۵)

③ ......فی رسالة ابن نجیم قال الامام ا لخصاف فی احکام الاوقاف قال هذه الارض لانسان وهی ارض خراج وهی ملک لاربابهافالسلطان یا خذمنهم النصف ممایخرجه اللّٰه تعالیٰ من الارض الزرع فمااقطع السلطان من هذاالنصف الذی یاخذه لبیت المال بعضه فیقول لمن لقطعه قد اقطعتک من هذا النصف اربعة اخماسه وجعلت علیک خمسه لبیت المال وهوالعشر من جمیع ماتخرج الارض فان وقف هذاالذی اقطع ذلک مااقطعه لم یجزالوقف فی ذلک من قبل ان الذی اقطع لیس یملک رقبة الارض وانمااقطع شیئاً من حق بیت المال فالوقف فی ذلک باطل انتهٰی.(ص۵۴)

میں بھی یہ شرط ہے کہ یہ جاگیردار مصارف خراج میں سے ہو جو شخص مصارف خراج میں سے نہ ہو اس کو پانچویں اور چھٹی صورت کی جاگیر نہیں دی جاسکتی۔ (کما صرح بہ فی رسالہ ابن نجیم علی اقطاعات)

(۷) ساتویں صورت یہ ہے کہ جاگیر نہ اراضی بیت المال سے دی جائے نہ مملوکہ زمینوں کے خراج سے بلکہ غیر آباد ① زمین جس کو ارض موات کہا جاتا ہے اس سے دی جائے۔ اس صورت میں یہ جاگیر ہر شخص کو دیجا سکتی ہے خواہ مصارف بیت المال میں داخل ہو یا نہ ہو اور مسلم ہو یا غیر مسلم ذمی۔ اور جس کو یہ جاگیر دی گئی جب وہ اس کو آباد کرے گا تو رقبہءِ زمین کا مالک خود مختار ہو جائے گا۔ اور ہر قسم کے مالکانہ تصرفات اس کے لئے جائز ہوں گے جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

ف:۔ آخر الذکر دو صورتیں اگرچہ بیت المال کے اقطاع میں داخل نہیں لیکن اقطاع کی سب صورتوں کو یکجا جمع کرنے کے لئے ان کو بھی اس جگہ لکھ دیا گیا ہے۔

غیر مملوکہ زمین کی اقسام و احکام کا خلاصہ

یہ ہے کہ جو زمین کسی خاص کی ملک نہ ہو اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱)...... اراضی فناء بلدہ جو بستی کی عام اور مشترکہ ضروریات میں مشغول ہوں۔

۲)...... ارض موات۔ غیر آباد نا قابل زراعت و منفعت زمینیں جن سے کسی بستی کی ضروریات متعلق نہ ہوں۔

۳)...... اراضی بیت المال باقسامہا

ان میں قسم اول کسی حال اور کسی وقت کسی شخص کی ملک خاص نہیں ہو سکتی اور قسم دوم کو جو شخص مسلم یا غیر مسلم مستحق یا غیر مستحق امام المسلمین سے اجازت لے کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور قسم سوم میں تفصیل ہے بعض میں جاگیردار اس زمین کا مالک ہو جائے گا۔ بعض میں مالک نہ ہوگا۔ اور یہ امر اس کی سب صورتوں میں مشترک ہیں کہ اس کا عطیہ صرف ان لوگوں کو کیا جاسکتا ہے جن کا بیت المال میں حق ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

اراضیٔ بیت المال کا وقف

اراضیٔ بیت المال کے اقسام و احکام کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ یہ اراضی بعض صورتوں میں خاص خاص افراد کی ملک بھی ہو سکتی ہے مثلاً وکیل بیت المال اس کو

---

① ...... قال الشامی وھذا صریح فی ان القطائع قد تکون من الموات وقد تکون من بیت المال لمن ھو من مصارفه ...... الخ (ص ۳۶۶ ج ۳)

فروخت کردے اور خود سلطان یا کوئی دوسرا شخص خرید[1] لے یا امام کسی کو مستحق سمجھ کر یہ زمین بطور ملکیت جاگیر دار میں دے دے۔ ان صورتوں میں جو لوگ ان زمینوں کے مالک ہوں گے وہ ان کو وقف بھی کر سکتے ہیں جو عام اوقاف کی طرح ہمیشہ شرائط واقف کے ماتحت جاری رہیں گے۔

اور اگر امام نے بغیر تملیک و تملک کے بیت المال کی اراضی میں سے کسی زمین کو کسی خاص کام کے لئے وقف کر دیا۔ مثلاً بناء مساجد و مدارس یا مسافر خانے اور خانقاہیں وغیرہ تو یہ وقف اگرچہ حقیقۃ وقف نہ ہوگا کیونکہ اس کے لئے ملک واقف شرط ہے اور یہاں وقف کنندہ امام اس زمین کا مالک نہیں۔ لیکن عمومی احکام میں یہ بھی بحکم اوقاف رہیں گی کہ جس مصرف خاص کے لئے امام نے مقرر کر دیا ہے اسی میں صرف کیا جائے گا۔ تغیر تبدل کا کسی کو اختیار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ مصرف مصارف بیت المال میں سے ہو۔ اس قسم کے اوقاف سلطانیہ کو اصطلاحات فقہاء میں ارصادات کہا جاتا ہے (شامی ص ۳۵۷ ج ۳) ۷۸۰ھ میں سلطان نظام المملکت برقوق نے یہ ارادہ کیا کہ اس قسم کے اوقاف توڑ دیں کیونکہ وہ درحقیقت اوقاف نہیں بلکہ بیت المال سے نکالے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ علماء کی ایک مجلس بغرض مشورہ و فتویٰ طلب کی گئی جس میں شیخ سراج الدین بلقینی اور شیخ اکمل الدین بابرتی شارح ہدایہ اور شیخ برہان بن جماعت وغیرہ حضرات تشریف لائے۔ شیخ بلقینی نے فیصلہ دیا کہ اس قسم کے اوقاف جو علماء طلباء کے لئے کئے گئے ہیں جن کا حق خمس بیت المال میں ہے وہ بدستور باقی رکھے جائیں اور جو بلا وجہ شرعی کسی غیر مستحق کے لئے مخصوص کر دیئے گئے وہ توڑ دیئے جائیں۔ دوسرے علماء نے بھی اس کی موافقت فرمائی۔ (شامی ص ۳۵۸ ج ۳)

قسم دوم اراضی مملوکہ

شروع رسالہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اراضی مفتوحہ کی ابتدائی تقسیم سے دو قسمیں نکلتی ہیں، غیر مملوکہ اور مملوکہ۔ ان میں سے قسم اول غیر مملوکہ کے اقسام و احکام کا مفصل بیان آ چکا ہے۔ قسم دوم

---

[1] ...... ولو اقطعه السلطان ارضاً مواتاً او ملكها السلطان ثم اقطعها له جاز وقفها (درمختار) قال الشامی قوله او ملكها السلطان ای باحيائه او شراء من وكيل بيت المال انتهى. (شامی ص ۳۶۷ ج ۳) وفی الدر المختار بعد ذلك والارصاد من السلطان ليس بايقاف البتة اه قال الشامی ومنه سمی ارصاد السلطان بعض القرى والمزارع من بيت المال على المساجد والمدارس ونحوها لمن يستحق من بيت المال كالقراء والائمة والمؤذنين ونحوهم كأنّ ما ارصده قائم على طريق حاجاتهم يراقبها وانما لم يكن وقفاً حقيقة لعدم ملك السلطان له بل هو تعيين شئ من بيت المال على بعض مستحقيه فلا يجوز لمن بعده ان يغيره او يبدله كما قد مناه مبسوطاً (شامی ص ۳۶۸ ج ۳) ومثله فی رسالة الاقطاعات لابن نجيم معزياً لاوقاف الخصاف والله اعلم ۱۲ منه

اراضی مملوکہ یعنی جو زمینیں ملک فتح ہونے کے وقت خاص خاص افراد و اشخاص کی ملک میں تھیں ان زمینوں کے احکام میں تفصیل ہے جس کا مدار ملک فتح ہونے کی مختلف صورتوں پر ہے تفصیل اس کی یہ ہے۔

اراضی مفتوحہ صلحاً

کسی ملک یا شہر کے صلحاً فتح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)......ایک یہ کہ فتح کے وقت اہل ملک مسلمان ہو جائیں اور امام المسلمین کی اطاعت قبول کر لیں۔اس صورت میں ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور مالک و متصرف رہے گا۔امام اور حکام اسلام کو ان کی املاک میں کسی تصرف کا کوئی اختیار نہیں۔حدیث میں ایسی صورت کا یہ حکم مذکور ہے۔

عصموا منی دماء هم و اموالهم

ترجمہ: ''یعنی اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا، تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیا۔

مدینہ طیبہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔ ہر شخص اپنی اپنی املاک و جائیداد پر بدستور مالک و متصرف رہا۔البتہ حضرات انصار نے مدینہ طیبہ کی وہ زمینیں جہاں پانی نہیں پہنچتا ان میں اپنی خوشی و رضا سے آنحضرت ﷺ کو اختیار دے دیا تھا کہ جو چاہیں کریں۔یہی سبب ہوا کہ آپ نے مدینہ طیبہ کے علاقہ کی زمین عقیق بلال بن حارث کو بطور جاگیر (اقطاع) عطا فرمادی تھی۔(کتاب الاموال ابو عبید ص ۲۸۲) [1]

(۲)......دوسری صورت صلحاً فتح ہونے کی یہ ہے کہ اہل ملک مسلمان نہ ہوں مگر بلا مقابلہ صلح کے ساتھ امام المسلمین کی اطاعت قبول کر لیں۔اس صورت میں ملک کی اراضی مملوکہ کے متعلق جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان کی پابندی لازمی اور دائمی ہوگی کسی کو ان میں تغیر تبدل یا کمی بیشی کا حق نہ

---

[1]......قال ابو عبید فی الاموال وجدنا الآثار عن رسول اللہ ﷺ والخلفاء بعد قدجائت فی افتتاح الارضین بثلاثة احکام ارض اسلم علیها اهلها فهی لهم ملک ایمانهم وهی ارض عشر لا شئ علیهم فیها غیره وارض فتحت صلحًا علٰی خرج معلوم فهم علٰی ماصولحوا علیه لایلزمهم اکثر منه. وارض اخذت عنوة فهی التی اختلف فیها المسلمون فقال بعضهم سبیلها سبیل الغنیمة فتخمس وتقسم فیکون اربعة اخماسها خططا بین الذین افتتحوها خاصة ویکون الخمس الباقی لمن سمی اللّٰہ تعالٰی وقال بعضهم بل حکمها والنظر فیها الی الامام ان رای ان یجعلها غنیمة فیخمسها ویقسمها کمافعل رسول اللّٰہ ﷺ بخیبر فذلک له وان رأی ان یجعلها فیئًا فلا یخمسها ولا یقسمها ولکن تکون موقوفة علی المسلمین عامةً بقوا کما صنع عمر بالسواد فعل ذٰلک. (ص ۵۵)

ہوگا۔ اگر اس پر صلح ہوئی ہے کہ اراضی بدستور سابق مالکوں کی ملک وتصرف میں رہیں گی تو اس کی پابندی کی جائے گی۔ البتہ ان کی زمینوں پر خراج اور اس پر جزیہ مقرر کردیا جائے گا جو بیت المال میں سالانہ داخل کرنا ہوگا۔ (کتاب الاموال ص ۵۵) درمختار باب المغنمہ و القسمۃ کے شروع میں ہے

اذافتح الامام بلدۃ صلحاً جری علیٰ موجبہ و کذامن بعدہ من الامراء وارضہا تبقی مملوکۃ لہم۔

"یعنی جب امام کوئی شہر صلحاً فتح کرے تو شرائط صلح کے موافق عمل کرنا لازم ہے اور ایسے ہی اس کے بعد کے دوسرے امراء سلاطین بھی ان شرائط صلح کی مخالفت نہیں کر سکتے اور صلحاً فتح کئے ہوئے بلدہ کی زمینیں انہی لوگوں کی ملک رہیں گی۔ (شامی ص ۳۱۶ ج ۳)

اراضی مفتوحہ قہراً

فوجی قوت اور قہر وغلبہ کے ساتھ فتح ملک ہو۔ اس صورت میں ملک کی اراضی مملوکہ کے متعلق امام المسلمین کو تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔

(الف) یہ کہ منقولہ اموال غنیمت کی طرح اراضی کو بھی تقسیم کردے۔ یعنی پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی چار حصے غانمین جنہوں نے یہ ملک فتح کیا ہے ان میں تقسیم کردے تقسیم غنیمت کا یہ قاعدہ قرآن کریم کی یہ آیت: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ...... الآیۃ میں بتصریح مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینوں کے ساتھ یہی ⓵ معاملہ فرمایا کہ خمس نکال کر چار حصے غانمین میں تقسیم فرمادیئے۔

اس صورت میں پانچواں حصہ اراضی کا جو بیت المال کے لئے نکالا گیا ہے وہ اراضی بیت المال میں شامل ہو جائے گا جس کے احکام واقسام کی تفصیل اراضی غیر مملوکہ کے بیان میں آچکی ہے اور جو اراضی غانمین میں تقسیم ہوں گی ان میں ہر شخص اپنے اپنے حصہ کا مالک ⓶ ہوگا اس کو ہر

⓵ ......قال ابوعبید حدثنا یزید بن ہارون حدثنا یحییٰ بن سعید ان بشیر بن یسار اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ لما افاء اللہ علیہ خیبر قسمہا علیٰ ستۃ وثلاثین سہماجمع کل سہم منہامائۃ سہم وعزل نصفہا لنوائبہ ومایتزل بہ وقسم النصف الباقی بین المسلمین وسہم رسول اللہ ﷺ فیماقسم الشق والنطاق وماحیز معہما وکان فیما وقف الکتیبۃ والولیحۃ وسلالم.(اموال ابوعبید ص ۱۴۳)

⓶ ......قال الجصاص فی احکام القرآن من سورۃ الحشر واختلف اہل العلم فی احکام الارضین المفتحۃ عنوۃ فقال اصحابنا والثوری اذاافتتحہاالامام عنوۃ فہو بالاخیار انشاء قسمہا واہلہا واموالہم بین الغانمین بعد اخراج الخمس وانشاء اقر اہلہا علیہا وجعل علیہا وعلیہم الخراج ویکون ملکالہم ویجوزبیعہم وشرائہم لہا احکام القرآن (ص ۵۳۰ ج ۳) وقال ایضاً فی ایۃ الغنیمۃ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الایۃ. قداقتضی وقوع ملک للغنائم لہم (الیٰ قولہ) وجعل الاربعۃ غنیمۃ لہم وذلک یقتضی التملیک (ص ۹۱ ج ۳)

قسم کے مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ اور وقف وغیرہ کے مکمل اختیارات ہوں گے اور اس کے انتقال کے بعد یہ زمین ان کے وارثوں میں حسب حصص شرعیہ منتقل ہوگی۔

(ب) دوسرا ① اختیار امام کو یہ ہے کہ اراضی مفتوحہ میں سے جو زمینیں لوگوں کی املاک ہیں ان پر انہی لوگوں کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی زمینوں ② پر خراج اور جزیہ مقرر کردے۔ ان زمینوں کا خراج ہمیشہ بیت المال میں داخل ہوکر مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں میں احکام خراج کے ماتحت صرف ہوتا رہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی زمینوں کے ساتھ ③ یہی معاملہ فرمایا کہ ان کے مالکوں کی ملکیت برقرار رکھی اور حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق اور شام اور مصر کی عام اراضی مملوکہ کے ساتھ یہی دستور العمل اختیار فرمایا کہ زمینوں کو باوجود بعض حضرات کے مطالبہ کے تقسیم نہیں کیا بلکہ بدستور قائم رکھ کر ان کا خراج مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لئے دائماً محفوظ کرلیا اور مطالبہ کرنے والوں کے سامنے سورۂ حشر کی آیات قرآنیہ اپنی حجت میں پیش فرمائی جن میں مال غنیمت کے اندر آئندہ پیدا ہونے والے یا آئندہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کا حق قرآن نے رکھا ہے:۔

قال اللہ تعالیٰ ، والذین جاء وامن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا

---

① ......قال فی البدائع من الغنیمة "اماالاراضی فللامام فیه خیاران انشاء خمسها ویقسم الباقی بین الغانمین لما بینا وانشاء ترکها فی یداهلها بالخراج وجعلهم ذمه (الی قوله) وهذاعندنا وعندالشافعیؒ لیس للامام ان یترک الاراضی فی ایدیهم بالخراج بل یقسمها لنا اجماع الصحابة ﷺ فان سیدنا عمر ﷺ لما فتح سوادالعراق ترک اراضی فی ایدیهم وضرب علیٰ رؤسهم الجزیة وعلیٰ اراضیهم الخراج بمحضر من الصحابة الکرام ولم ینقل انه انکر علیه منکر فکان ذلک اجماعامنهم (ص۱۱۸ ج۷) وقال الجصاص فی سورة الحشر ویدل علیه ان النبی ﷺ فتح مکة عنوة ومن علی اهلها فاقرهم علی املاکهم فقد حصل بدلالة الأیة واجماع السلف والسنة تخییر الامام فی قسمة الارضین اوترکها ملکالاهلها ووضع الخراج علیها. (احکام القرآن ص۵۳ ج۳)

② ......قال ابوعبیدفقد صحت الاخبار عن رسول اللہ ﷺ انه افتتح مکة وانه من علی اهلها فردها علیهم ولم یقسمها ﷺ یجعلها فیئا (ص۱۶۵ اموال)

③ ......قال الامام ابوبکر الجصاص لاتخلوالارض المفتحة عنوة من ان تکون للغانمین لایجوزللامام صرفهاعنهم بحال لابطیبة من انفسهم اوان یکون الامام مخیرابین اقرار اهلها علی املاکهم فیها ووضع الخراج علیهاو علیٰ رقاب اهلها علی مافعله عمر فی ارض السواد فلما اتفق الجمیع من الصحابة علی تصویب عمرو فیما فعله فی ارض السواد بعد خلاف من بعدهم علیه ص ۵۳۰ ج۳) قلت ویشهد له قانون الاراضی بمصر الذی وضعه جماعة من اکابر علماء مصرو دونه علامه قدری باشاباسم مرشد الحیران حیث قال فیه ماده (۲) اراضی مصرخراجیة مملوکة فی الاصل لاربابها ومااٰل منها لبیت المال بسبب موت ملاکه مثلا بلا وارث فرقبنا مملوکة لبیت المال وللامام ان یجعل منفعة الی المزارعین فی نظر اعطاء الخراج . [illegible]

و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔

ترجمہ: ''یعنی مال غنیمت میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو بعد میں آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب مغفرت فرما ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان پر گذر گئے ہیں۔''

اس صورت میں اراضی مملوکہ قدیم باشندگان ملک کی ملک ① میں بدستور رہیں گی نہ غانمین کو ان میں تصرف کا کوئی حق ہوگا نہ بیت المال کا حصہ خمس ان میں سے لیا جائے گا۔ صرف ان زمینوں کا خراج بیت المال کا حق ہوگا جو دائمی طور پر مصارف خراج میں صرف ہوتا رہے گا اور مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔

(ج) تیسرا اختیار امام کو ان اراضی مملوکہ میں جن کو قہر و غلبہ اور فوجی قوت کے ساتھ فتح کیا گیا ہے یہ بھی حاصل ہے کہ نہ ان اراضی کو غانمین میں تقسیم کرے اور نہ مالکان سابق کی ملک ان پر قائم رکھے بلکہ ان کو نکال کر ان کی زمینوں کو اراضی بیت المال میں شامل کر دے اور پھر بیت المال کی طرف سے ان کی زراعت ② و آبادی وغیرہ کا انتظام ہو۔ خواہ تمام ملک کی اراضی مملوکہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے یا بعض کے ساتھ یہ معاملہ اور باقی کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو (الف) اور (ب) میں گذر گیا۔

جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں میں سے دس قسم ③ کی زمینیں بیت المال

---

① ......قال ابن نجیم فی التحفة المرضیة لما فی الاراضی المصریه'' ثم اتفق لائمة علٰی ان الامام اذافتح بلدة واقراهلها علیها ووضع الخراج علٰی اراضیهم فانهم یملکون الاراضی ویصح منهم سائر التصرفات من بیعٍ و ھبة واجارة واعارة ووقف سواء کان المتصرف باقیاً علی الکفر اواسلم (الٰی قوله) ولذااتفقوا علٰی انها تورث عنه (رسائل زینیه ص ۱۲)

② ......قال فی غنیمة الدرالمختار اذافتح الا مام بلدة صلحاً جری علٰی موجبه و کذامن بعده من الامراء وارضها تبقی مملوکة لهم ولوفتحهاعنوة (بالفتح ای قهراً) قسمها بین الجیش ان شاء اواقراهلها علیها بجزیة علٰی رؤسهم وخراج علی اراضیهم والاول اولٰی عند حاجة الغانمین اواخراجهم منها وانزل بها قوماً غیرهم ووضع علیهم الخراج والجزیة لوکانوا کفاراً فلومسلمین وضع العشر لاغیراه قال الشامی قوله اواقراهلها علیها ای من علیهم برقابهم وارضهم واموالهم ووضع الجزیة علی الرؤس والخراج علی اراضیهم . (شامی ص ۲۱۶ ج ۳) وفیه ایضاً من باب الخراج فی التتارخانیه انه یجوزللامام دفعه للزراع باحد طریقین باماناقامتهم مقام الملاک فی الزراعة واعطاء الخراج واماباجارتهم لها بقدر الخراج فیکون المأخوذفی حق الامام خراجا . .الخ (شامی ص ۳۵۳ ج ۳)

③ ......روی ابوعبید فی الاموال بسندهٖ الی عبدالملک بن ابی حرة عن ابیه قال اصطفٰی عمرؓ من السوادعشرة اصناف ارض من قتل فی الحرب وارض من هرب من المسلمین وکل ارض لکسریٰ وکل ارض لاهل بیته وکل مغیض ماءٍ وکل دیر برید قال فکان عدوالصفٰی سبعة الاف الف قال فلما کانت الحاجم احرق الناس الدیوان واخذ کل قوم مایلیه قال ابو عبید فهذهٖ کلها ارضون قدجلاعتها اهلها فلم یبق بها ساکن ولاعامر فکان حکمها الی الامام کماذکرنا فی عادی الارض. (ص ۲۸۳)

کے لئے مخصوص فرمائی تھیں اور باقی پر مالکان سابق کی ملک برقرار رکھ کر ان سے خراج کا معاملہ فرما لیا۔ (کتاب الاموال لابی عبید و کتاب الخراج لامام ابی یوسف)

بعض فقہاء کی تحقیق مصر و شام و عراق کی زمینوں کے متعلق بھی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان میں یہی تیسری قسم کا اختیار نافذ فرمایا ہے اور اسی لئے فقہاء کے نزدیک عراق و شام وغیرہ کی اراضی کی بیع و شراء جائز نہیں، کیونکہ ان کی تحقیق کے موافق یہ زمینیں ان کی ملک نہیں بیت المال کی اراضی ہیں اس میں اختلاف اور اس میں رائج و مختار قول کا فیصلہ آگے آتا ہے۔

امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ فتح عراق کے بعد چند صحابہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ فاتح عراق سے یہاں کی اراضی تقسیم کرنے مطالبہ کیا۔ انہوں نے امیر المومنین فاروق اعظم ﷺ کو خط لکھ کر اس بارہ میں اجازت طلب کی فاروق اعظم ﷺ کا فرمان بالفاظ ذیل پہنچا۔

بعد حمد و صلوٰۃ آنکہ میرے پاس آپ کا خط پہنچا کہ لوگ آپ سے غنائم کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں سو آپ کو چاہئے کہ اموال منقولہ جو غنیمت میں جمع ہوئے ہیں وہ حسب قاعدہ شرکاء جہاد غانمین میں تقسیم کر دیں اور اراضی ان کے عمال کے پاس رہنے دیں تاکہ مسلمانوں کے عطیات میں ہمیشہ کام آئیں اس لئے کہ اگر ہم نے یہ زمینیں بھی موجودین میں تقسیم کر دیں تو ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ نہ رہے گا۔ (ص ۵۹) اسی طرح فتح مصر کے وقت فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص ﷺ سے حضرت زبیر ﷺ وغیرہ نے مطالبہ کیا کہ اراضی بھی تقسیم کی جائیں انہوں نے بھی حضرت فاروق اعظم ﷺ کو خط لکھا جس کے جواب میں ارشاد ہوا:۔

ان دعھا حتّٰی یغزو اانھا حبل الحبلة قال ابو عبید اراہ اراد ان تکون فیئاً موقوفاً للمسلمین ماتناسلوا یَرثه قرن عن قرن فتکون قوۃ لھم علی عدوھم۔ (اموال ص ۵۸)

ترجمہ: ''زمینوں کو بدستور چھوڑ دیجئے تاکہ ان کے ذریعے بچہ کا بچہ جہاد کرے۔ امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ یہ زمینیں مسلمانوں کے لئے محفوظ بطور وقف رکھی جاویں کہ نسلاً بعد نسل ان کا نفع ان کو پہنچتا رہے ایک قرن کی زراعت دوسروں کو ملے یا ان کو دشمنوں کے مقابلہ پر قوت حاصل ہو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم ﷺ نے اراضی عراق کے متعلق صحابہ ﷺ سے مشورہ لیا تو حضرت علی مرتضیٰ ﷺ نے رائے دی کہ ''یہ زمینیں تقسیم نہ کی جائیں'' تاکہ مصالح

مسلمین کے لئے دائمی سامان ہو جائے۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ [1] نے فرمایا کہ اگر آپ یہ زمینیں غانمین میں تقسیم کر دیں گے تو بڑی بڑی جائدادیں خاص خاص لوگوں کی ملک ہو جائیں گی اور پھر جو مسلمان آئندہ اسلامی خدمات انجام دیں گے ان کے لئے کچھ نہ رہے گا اس لئے آپ کوئی ایسی صورت سوچیں جو اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لئے خوشحالی کا ذریعہ بنے۔" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمالیا نہ ان زمینوں سے خمس نکالا اور نہ غانمین میں تقسیم کیں بلکہ مصالح مسلمین کے لئے وقف کر دیا۔ (اموال ص ۵۹)

فائدہ:۔ روایات مذکورہ کے عام الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور مصر کی زمینوں کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس جگہ یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ وقف اپنے حقیقی معنی میں نہیں کیونکہ اس کے لئے ملک واقف شرط ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان زمینوں کے مالک نہیں تھے۔ اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دوسرے بہت سے ائمہ وفقہاء نے اس جگہ وقف کرنے کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ اراضی پر بیت المال کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا جو ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کی ضروریات میں کام آتا رہے گا جیسے اراضی موقوفہ کی آمدنی مصارف وقف کے لئے دائمی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے بعض کتب فقہ حنفیہ میں بھی ان ممالک کی زمینوں کو باوجود ملک مالکان تسلیم کرنے کے بمنزلہ وقف کہا ہے۔ چنانچہ جامع الغموص ص ۵۶۲ ج ۴ طبع قازان کے یہی الفاظ ہیں اور ابن حزم نے محلّٰی میں امام اعظمؒ سے اس کی تصریح بالفاظ ذیل نقل کی ہے۔

قال ابو حنيفة الامام مخير انشاء قسمها وانشاء اوقفها فان اوقفها فهي ملك الكفار الذين كانت لهم۔ (محلّٰی ص ۳۴۲ ج ۷)

ترجمہ: "امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام مختار ہے چاہے مفتوحہ زمینوں کو غانمین میں تقسیم کر دے اور چاہے وقف کر دے۔ پس اگر وقف کیا تو زمینیں انہیں کفار کی ملک رہیں گی جن کی ملک میں پہلے تھیں۔"

ابن حزم نے کھول دیا کہ اس جگہ لفظ وقف ملک کے منافی نہیں کیونکہ مراد اس وقف سے یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کی طرح ان کے خراج کی آمدنی ہمیشہ مفاد مسلمین کے لئے محفوظ رہے گی اور

[1] ...... اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: قدم عمر الجابية فاراد اقسم الارض بين المسلمين فقال له معاذ رضی اللہ عنہ والله اذاً ليكونن ماتكرهٔ انک ان قسمتها صار الربع العظيم في ايدى القوم ثم يبيدون فيصير ذلک الى الرجل الواحد او المرأة ثم يأتى عن بعد هم قوم يمدون من الاسلام مسدًا وهم لايجدون شيأً فانظر امرا يسع اولهم واخرهم۔ (اموال ص ۸۹)

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور بھی زیادہ وضاحت سے اس کی تصریح فرمادی اور یہ بھی بتلا دیا کہ دوسرے ائمہ جو اراضی عراق و مصر کے وقف ہونے کے قائل ہیں ان کی مراد بھی اس جگہ وقف سے وقف اصطلاحی نہیں بلکہ وہی معنی مراد ہیں کہ ان اراضی کا خراج مثل وقف کے مسلمانوں کی دائمی منفعت کے لئے محفوظ رہے گا۔

ولفظہٗ ''فعلم ان الارض لاتدخل فی الغنائم والامام مخیر فیها بحسب المصلحة وقد قسم رسول الله ﷺ ترک عمرو رضی اللہ عنہ لم یقسم بل اقرها علی حالها وضرب علیها خراجاً مستمرًا فی رقبتها یکون للمقاتلة فهٰذا معنی وقفها لیس معناه الوقف الذی یمنع عن نقل الملک فی الرقبة بل یجوز بیع هذه الارض کما هو عمل الاية وقد اجمعوا علی انها تورث والوقف لایورث وقدنص الامام احمد علٰی انها یجوزان تجعل صداقاً والوقف لایجوزان یکون مهرًا فی النکاح ولان الوقف انما امتنع بیعه ونقل الملک فی رقبته لمافی ذلک من ابطال حق البطون الموقوف علیهم من منفعة والمقاتلة حقهم فی خراج الارض فمن اشتراها صارت عنده خراجیة کما کانت عندالبائع فلایبطل عن احدمن المسلمین بهذاالبیع.

(زادالمعادفصل الاراضی المغنومةص ۳۲۵ ج ۱)

فائدہ: قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کی ہوئی زمینوں کے متعلق امام کے مذکور الصدر تین اختیارات کی تفصیل مذکور سے قرآن مجید کی دو آیتوں کا ظاہری تعارض بھی رفع ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے عمل خیبر سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل عراق و شام وغیرہ میں بھی تطبیق ہو گئی۔ یہ دو آیتیں ایک سورۂ انفال میں ⓫ واعلموا انما غنمتم من شیء اور دوسری سورۂ حشر میں وما افاء الله و رسوله من اهل القریٰ بظاہر متعارض نظر آتی ہیں کیونکہ پہلی آیت سے تمام اموال غنیمت کا یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ خمس بیت المال کے لئے نکال کر چار حصے غانمین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور دوسری آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ تقسیم نہ کئے جائیں۔ کیونکہ اس

⓫ ...... سورۃ انفال کی آیت میں لفظ غنیمت اور سورۂ حشر میں لفظ فیئ مذکور ہے۔ ان دونوں میں عام و خاص کا فرق ہے۔ غنیمۃ وہ اموال ہیں جو قتال اور قہر و غلبہ سے حاصل کئے جائیں اور فی مطلقاً وہ اموال ہیں جو کفار سے حاصل ہوں خواہ قتال کے ساتھ یا بدون قتال کے۔ اس لئے جزیہ و خراج اور وہ اموال جو صلح کے ساتھ کفار سے حاصل ہوں وہ بھی فیٔ میں داخل ہیں۔ غنیمۃ کا لفظ ان پر حقیقۃً نہیں بولا جاتا کسی جگہ مجازی اطلاق کر دیا جائے وہ دوسری چیز ہے۔ غنیمت اور فی کا یہ فرق جصاص کی احکام القرآن میں مذکور ہے۔ (ص ۹۲ ج ۳) ۱۲ منہ

آیت میں مال غنیمت کا حقدار ان مسلمانوں کو بھی قرار دیا ہے جو بعد میں آئیں گے اور ظاہر ہے کہ موجودہ غانمین میں اراضی تقسیم ہو جانے کے بعد آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ اس ظاہری تعارض کو دیکھ کر بعض علماء نے سورۂ حشر کی آیت کو منسوخ قرار دے دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ ان میں تعارض ہے اور نہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے بلکہ دونوں صورتیں جائز اور اپنی اپنی جگہ پر امام کے زیر اختیار معمول بہا ہیں۔ امام ابو عبیدؒ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے:۔

و کلاالحکمین فیه قدوة ومتبع من الغنیمة والفیٔ الاان الذی اختاره من ذلك ان یکون النظرفیه الی الامام کماقال سفیان وذلك ان الوجهین جمیعاً داخلان فیه ولیس فعل النبی ﷺ برادٍ لفعل عمر رضی اللہ عنہ ولکنه ﷺ اتبع اٰیة من کتاب اللّٰه تبارك وتعالٰی فعمل بها واتبع عمر اٰیة اُخرٰی فعمل بها وهمااٰیتان محکمتان۔ (اموال ص ٦٠)

ترجمہ: اور غنیمۃ وفیٔ کے دونوں احکام میں ہمارے لئے اسوۂ موجود ہے مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں امام کو اختیار ہے کہ حسب صوابدید خود جس صورت کو مسلمانوں کے لئے اصلح سمجھے اس کو اختیار کرے اور رسول اکرم ﷺ کا عمل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل کو رد نہیں کرتا بلکہ آنحضرت ﷺ نے حسب صوابدید ایک آیت پر عمل فرمایا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت کی مصالح کا لحاظ کر کے دوسری آیت پر عمل کیا اور یہ دونوں آیتیں غیر منسوخ ہیں۔ (امام کو اختیار ہے جس پر چاہے عمل کرے)

اور امام ابو بکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں تقریباً یہی مضمون لکھا ہے۔

وهذایدل علی ان هٰذه الاٰیة غیر منسوخة وانهامضمومة الٰی اٰیة الغنیمة فی الارضین المفتحة فان راٰی قسمتها اصلح للمسلمین وارد علیهم قسّم وان راٰی اقرار اهلها علیها واخذ الخراج منهم فیهافعل (ص ۵۲۹ ج ۳)

ترجمہ: ”اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور یہ کہ یہ آیت اراضی مفتوحہ کے بارہ میں آیت غنیمۃ کے ساتھ ملی ہوئی ہے پس اگر امام اراضی کی تقسیم کو مسلمانوں کے لئے زیادہ بہتر سمجھے تو تقسیم کر دے اور یہ بہتر سمجھے کہ زمینوں پر انہی لوگوں کو برقرار رکھ کر ان کا خراج مصالح مسلمین کے لئے دائمی طور پر محفوظ کر دے تو اس طرح رہنے دے۔“

اختلاف فقہاء:

اراضی مفتوحہ کی مذکورہ تقسیم مملوکہ وغیر مملوکہ اور پھر ہر ایک قسم کے ذیلی اقسام اور ان کے احکام عموماً فقہاء صحابہ ؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان متفق علیہ اور مسلم ہیں۔ صرف اراضی مملوکہ کی آخری قسم یعنی بقہر وغلبہ ملک فتح ہونے کی صورت میں ائمۂ مجتہدین کے درمیان جزوی اختلاف ہے (کما صرح ابو عبید ص ۵۵)

اختلاف اس میں دو جگہ ہے اول اس میں کہ مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی صورت یعنی تقسیم بین الغانمین متعین ہے۔ دوسری یا تیسری صورت کا امام کو خود اختیار نہیں ہاں غانمین کی رضا و اجازت سے وہ تین صورتیں بھی عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔

اراضی شام و عراق و مصر وغیرہ کا معاملہ امام شافعیؒ کے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ فاروق اعظمؓ نے باجازت غانمین یہ صورت اختیار فرمائی اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تیسری صورت اصل ہے ہاں اگر کسی جگہ امام مصلحت سمجھے تو غانمین میں تقسیم کر سکتا ہے مگر حاصل اس کا بھی وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کا مذہب ہے کہ امام کو اختیار ہے جس صورت کو مسلمانوں کے لیے اصلح اور انسب سمجھے وہ اختیار کرے اور یہی مذہب امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے۔ (نیل الاوطار ص ۱۴۲ ج ۸)

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ اراضی مفتوحہ کی تقسیم نہ کرنے اور سابق مالکان کے ہاتھ میں رکھنے کی صورت وہ ہو جو حرف (ب) میں گذری کہ ان کی ملکیت سابقہ کو بحال رکھا جائے اور ہر قسم کے مالکانہ تصرفات ان کے جائز رکھے جائیں یا وہ صورت ہو جو حرف (ج) میں مذکور ہوئی کہ یہ اراضی اراضی بیت المال میں شامل ہوں ان پر مالکان سابق کا قبضہ و تصرف محض اجارہ داری کا رہے۔ ان کو زمین میں مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ کا اختیار نہ ہو۔ اس میں امام مالک۔ امام احمد بن حنبل۔ امام ابو عبید وغیرہم کے نزدیک صورت مندرجہ میں سے حرف (ج) متعین ہے (محلّٰی ابن حزم اموال ابی عبید۔ احکام القرآن للجصاص، ص ۵۳۰ ج ۳) اور امام اعظم ابو حنیفہؒ، سفیان بن ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰ اور ایک جماعت صحابہ و تابعین کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ صورت (ب) اختیار کرے اور ان کی ملکیت کو برقرار رکھے یا صورت (ج) اختیار کرے اور ان کے مالکانہ تصرفات باقی نہ رکھے اور بہر دو صورت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آمدنی اور منافع ان اراضی کے جو بیت المال کو حاصل ہوں گے وہ مصالح مسلمین کے لئے مثل وقف کے رہیں گے۔ حکومت اسلامیہ اور مسلمانوں کا تعلق اسی آمدنی سے ہوگا، رقبۂ اراضی پر قبضہ مالکان کا بدستور رہے گا۔

سابق مالکان کی ملکیت بحال رکھنے کا جواز جو ائمہ حنفیہ کا مذہب ہے اس پر رسول اللہ ﷺ کا وہ عمل شاہد ہے جو آپ نے اراضی مکہ کے متعلق فرمایا جو خود امام ابوعبیدؒ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

فقد صحت الاخبار عن رسول اللّٰہ ﷺ ان افتتح مکة وانه من علیٰ اهلها فقرها علیهم ولم یقسمها اولم یجعلهافیئا۔(کتاب الاموال ص ٦٥)

ترجمہ: ''یہ روایات صحت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا اور آپ نے اہل مکہ پر احسان فرمایا کہ ان کی زمینیں ان ہی کو واپس دے دیں۔ نہ غانمین میں تقسیم فرمائیں اور نہ ان کو مال غنیمت (کی طرح اراضی بیت المال) قرار دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ امام ابوعبیدؒ خود اس صورت جواز کے قائل نہیں اور اراضی مکہ کے معاملہ کو اہل مکہ اور آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر محمول فرماتے ہیں لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ خصوصیت کا دعویٰ مسلّم نہیں۔ حدیث کے الفاظ عام ہیں اور اگر اراضی مکہ کا یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہوتا جیسے حرم مکہ میں قتال کا جواز آپ کی ذات اور ایک معین وقت کے ساتھ مخصوص تھا تو جس طرح خصوصیت قتال کا آپ نے صاف لفظوں میں اعلان فرمایا اسی طرح خصوصیت معاملہ اراضی کا بھی اعلان ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ہی یہ اعلان فرمایا۔

انه لم یحل القتال فیه لاحد قبلی ولم یحل لی الا ساعة من نهارفهو حرام بحرمة اللّٰه الی یوم القیامة۔

ترجمہ: ''حرم مکہ میں قتال مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا اور میرے لئے بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال ہوا تھا اور اب پھر وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت کے دن تک۔'' (متفق علیہ از مشکوٰۃ)

اور جبکہ معاملہ اراضی کی خصوصیت کا کوئی اعلان آنحضرت ﷺ کی طرف سے نہیں ہے تو معلوم ہوا آئندہ ہونے والے امراء وخلفاء کو بھی یہ اختیار ہے کہ اراضی مفتوحہ کو مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور رہنے دیں۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے جو معاملہ عراق۔ شام۔ مصر کی زمینوں کے ساتھ فرمایا کہ سابق مالکان اراضی کا قبضہ ان پر بدستور رکھا۔ اس قبضہ کی نوعیت میں بھی ائمہؒ مذکورین کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم اس قبضہ کو قبضہ اجارہ اور ان کی بیع و شراء وہبہ ووقف کو ناجائز فرماتے ہیں اور ایک جماعت صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کی اس کو مالکانہ قبضہ قرار دیتی ہے اور تمام تصرفات مالکانہ بیع وہبہ ووقف کو جائز رکھتی ہے۔ حضرت عمر ؓ

کے احکام اور عام فرامین جو ان زمینوں کے بارہ میں منقول ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فاقر اھل السواد فی ارضھم و ضرب علی رؤ سھم الضرائب۔

(تاریخ خطیب بغدادی ص ۷، ج ۱)

ترجمہ: "یعنی فاروق اعظم ؓ نے سواد عراق کے لوگوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا اور ان پر خراج مقرر کر دیا۔"

لیکن اول تو ان الفاظ سے بھی رجحان اسی کا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنی ملکیت سابقہ پر بحال رکھا۔ دوسرے اگر ایسا معاملہ ہوتا کہ ان اراضی کو سابق مالکان کی ملکیت سے نکال کر بطور وقف اراضی بیت المال میں شامل کیا جاتا اور ان لوگوں کا قبضہ محض اجارہ داری کا قبضہ رہتا تو معاملات کی صفائی جو ہر مہذب و متمدن حکومت کا معاشرتی فرض اور اسلام کا شعار خاص ہے اور خصوصاً حضرت فاروق اعظمؓ کی سیاست و انتظام کا امتیازی نشان ہے اس کا مقتضی یہ تھا کہ اس بات کو بذریعہ مستقل فرامین اور اعلان عام کے واضح کیا جاتا کہ جن لوگوں کا قبضہ اپنی اراضی پر بحال رکھا گیا ہے آج سے وہ قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ محض اجارہ کا قبضہ ہے مالکانہ تصرفات کی ان کے لئے کوئی اجازت نہیں ہے۔ لیکن حضرت فاروق اعظمؓ یا بعد کے امراء و خلفاء کی طرف سے ایسا کوئی بھی اعلان منقول نہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی ملکیت کو برقرار و بدستور باقی رکھا گیا ہے۔

علاوہ ازیں جب اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکومت اسلامیہ اور مسلمانوں کا تعلق رقبہ اراضی سے کچھ نہیں بلکہ خراج و پیداوار سے ہے جو ان زمینوں سے حاصل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ سے اس آمدنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس کی ملکیت میں منتقل ہوں گی وہ بیت المال کے خراج کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔ اس حالت میں ان لوگوں کو بلا وجہ حقوق ملکیت سے محروم کرنا اور ان کی ملک سے نکالنا حکومت اسلامیہ اور بیت المال کے لئے کچھ سود مند بھی نہیں ہے۔ ایک جماعت صحابہ و تابعین سے ان ممالک کی زمینیں خریدنا اور وہاں کے قضاۃ و فقہاء سے ان کی بیع و شراء پر احکام جاری کرنا ثابت ہے۔ خطیب نے بغداد میں اس کی کافی تفصیل دی ہے جس کے ضروری جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے سواد بغداد مقام راذان میں ایک جائیداد خرید فرمائی۔

حضرت حسن و حسین ابن علی ؓ نے بھی ایک خراجی زمین خریدی۔

علی بن صباح کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد خریبی سے سوادِ عراق کی زمینوں کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ اجلۂ تابعین میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ محمد بن سیرینؒ سے بھی ان

زمینوں کی خرید و فروخت ثابت ہے۔ (خطیب ص ۱۹ ج ۱)

حفص بن غیاث فرماتے ہیں۔

تباع و یقضٰی بھاالدین و تقسم فی المواریث۔

ترجمہ: "یہ زمینیں بیع کی جاسکتی ہیں اور قرض میں دی جاسکتی ہیں اور میراث میں تقسیم کی جائیں گی۔"

حضرتِ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس بغداد کی ایک زمین تھی جس کی پیداوار سے آپ گذر کرتے تھے اور اس کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ اس کے متعلق ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اس زمین کا آپ کے نزدیک کیا حکم ہے تو فرمایا: **ھذاشیٔ ورثته عن ابی فان جاء نی احد فصحح انه له خرجت عنه و دفعته الیه.** (ص ۳۲ ج ۱)

فقیہ و محدث ابن ابی لیلیٰ بھی ان زمینوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں (ص ۱۸۰ ج ۱) خطیب بغدادیؒ نے اس مسئلہ میں ائمۂ فقہاء کا اختلاف اور جوانبین کے شواہد نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

وتحصیل منه ان ارض بغداد ملك لاربابھایصح ان تورث و تستغل وتباع وعلى ذلك كان من ادركنامن العلماء والقضاة والشھود والفقھاء لایكرھون الشھادة فی بیع ولایتوقفون عن الحكم فی موروث وبھم یقتدی فیما وقع التنازع فیه وحكمھم ھوالحجة علٰی مخالفیه ،، خطیب ص ۲۲ ج ۱)

ترجمہ: "اس سے یہ حاصل ہوا کہ اراضی بغداد اہل اراضی کی ملک ہے ان کا وراثت منتقل ہونا، کرایہ پر دینا، بیع کرنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اور ہم نے جتنے علماء اور قضاۃ اور شہود اور فقہاء کو دیکھا ہے اسی پر عمل کرتے دیکھا ہے کہ اراضی کی بیع و شراء پر شہادت دینے کو برا نہیں جانتے تھے اور نہ زمین کو وراثت میں تقسیم کرنے میں کوئی توقف تردد کرتے تھے اور جس معاملہ میں کوئی نزاع ہو یہی حضرات اس میں قابل اقتداء ہیں اور انہی کا حکم خلاف کرنے والوں کے مقابلہ میں حجت ہے۔ (تاریخ خطیب)

امام ابوعبیدؒ اگر چہ ان حضرات میں سے ہیں جو ان زمینوں کو وقف غیر مملوک قرار دیتے ہیں لیکن وہ بھی صرف صحرائی جائیداد کے بارہ میں یہ رائے رکھتے ہیں مملوکہ مکانات و عمارات کے متعلق ان کا اور جمہور صحابہ و تابعین وائمۂ مجتہدین کا متفقہ فیصلہ یہ ہے۔

قال ابو عبید انما كان اختلافھم فی الارضین المغلة اللتی یلزمھا

الخراج من ذات المزارع والشجر فالمساكن والدوربارض السوادفماعلمنا احداً كره شراء هاو حيازتهاوسكناها قداقتسمت كوفة خططاً في زمن عمروهواذن في ذلك ونزلها من اكابر اصحاب رسول الله ﷺ وكان منهم سعد بن ابى وقاص وعبدالله بن مسعودوعمار وحذيفة وسلمان وخباب وابو مسعود رضی اللہ عنہم وغيرهم ثم قدمهاعلى رضی اللہ عنہ فيمن من الصحابة فاقام بها خلافته كلها ثم كان التابعون بعد بها فما بلغنااان احدمنهم اوتاب بهاولا كان في نفسه منها شيء بحمدالله ونعمته وكذلك سائر السوادوالحديث في هذااكثر من ان يحصى۔ (تاریخ خطیب ص۲۰ ج۱)

ترجمہ: ''امام ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا اختلاف درحقیقت ان پیداوار کی زمینوں میں تھا جن پر خراج لازم ہوتا ہے مثلاً وہ زمینیں جن میں کھیتی یا باغات ہوں۔ لیکن مسکونہ زمینیں اور مکانات جو سواد عراق وغیرہ میں ان کے متعلق ہمیں ایک عالم بھی ایسا معلوم نہیں جو ان کی بیع وشراء یا قبضہ یا اس کی سکونت کو برا کہتا ہو۔ کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی مختلف قطعات (پلاٹوں) میں تقسیم کیا گیا اور یہ تقسیم کرنا خود اس کی اجازت تھی پھر اس میں بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن مسعود، عمار، حذیفہ، سلمان، خباب، ابو مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہاں قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور پوری مدت خلافت وہیں قیام رہا اس کے بعد حضرات تابعین کا قیام رہا ہم نے کسی کو نہیں سنا جو یہاں کے قیام میں کوئی شبہ کرتا ہو یا اس کے دل میں اس سے کوئی کھٹک ہو اور اسی طرح تمام علاقہ عراق کا حال ہے اور اس کے ثبوت میں روایات بے شمار ہیں۔'' (تاریخ خطیب ص۳۰ ج۱)

اور صحرائی زمینوں کے متعلق بھی امام ابو عبیدؒ باوجود اختلاف رائے رکھنے کے فرماتے ہیں۔

قال ابوعبيد ومع هذا كله انه قد سهل في الدخول في ارض الخراج ائمة يقتدى بهم ولم يشترطواعنوة ولاصلحًا منهم الصحابة وابن مسعودومن التابعين محمد بن سيرين وعمر بن

عبدالعزیز و کان ذلك رأی السفیان الثوری فیما یحکی عنه۔

ترجمہ: ''اس کے بعد باوجود خراجی زمینوں کے خریدنے اور ان میں رہنے کے بارہ میں بہت سے اکابر ائمہ جو مقتداء مانے گئے ہیں انہوں نے سہولت کا حکم دیا ہے اور کوئی شرط اس کی نہیں فرمائی کہ ملک صلح سے قبضہ میں آیا ہو یا جنگ سے۔ صحابہ کرام میں سے عبداللہ ابن مسعودؓ اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیزؒ اور ان کے بعد سفیان ثوری کا یہی مسلک تھا۔'' (تاریخ خطیب ص ۱۸ ج ۱)

تنبیہ ضروری

اس مسئلہ میں اگرچہ ائمہ فقہا کا اختلاف ہے کہ جو اراضی مفتوحہ ان کے مالکان سابق کے پاس چھوڑ دی گئی ان پر ان لوگوں کا قبضہ مالکانہ ہے یا بطور اجارہ داری۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ان کا یہ قبضہ بطور ملک کے ہو یا بصورت وقف اجارہ داری کے کسی حاکم یا حاکم اسلام کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ بلاوجہ شرعی ان کے قبضہ سے نکال کر دوسروں کو دے دے یا براہ راست بیت المال کے قبضہ میں لے لے۔

قال فی ردالمحتار ثم اعلم ان اراضی بیت المال المسماة بأراضی المملوکة وباراضی الحوذ اذاکانت فی ایدی ذراعها لاتنزع من ایدیهم مادامو ایؤدون ما علیها ولا تورث عنهم اذاماتوا ولایصح بیعهم لها ولکن جری الرسم فی الدولة العثمانیة ان من مات عن ابن انتقلت لابنه مجاناً والافلبیت المال ولوله بنت اواخ لاب له اخذها بالاجارة الفاسدة . (شامی ص ۳۵۴ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ جب کسی بادشاہ اسلام نے ان زمینوں کو اصحاب اراضی کے قبضہ سے نکالنے کا ارادہ کیا ہے تو ہر زمانہ میں اس وقت کے علماء نے اتفاق و اجماع کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور ان کو اپنے ارادہ سے باز آنا پڑا۔

محقق ابن حجر مکیؒ کے زمانہ میں کسی سلطان مصر نے یہ ارادہ کیا کہ ملک مصر کی زمینوں کو بیت المال میں داخل کردے اور بہانہ یہی تھا کہ یہ ملک قہراً فتح ہوا ہے لہذا یہاں کی زمینیں بیت المال کا حق ہیں کسی کا ملک خاص نہیں اور نہ ان کے کئے ہوئے اوقاف درست ہیں۔ محقق موصوف نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور سب مذاہب اربعہ کے علماء نے ان کی موافقت کی۔ علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر نہایت مفصل اور محققانہ کلام کیا ہے جس کے ضروری جملے یہ ہیں:۔

وقد سمعت التصریح فی المتن تبعاًللهدایة بان ارض سواد العراق مملوکة لاهلها یجوزبیعهم لها وتصرفهم فیها وکذالك ارض مصروالشام کماسمعته وهذاعلیٰ مذهبنا ظاهروکذاعند من یقول انها وقف علی المسلمین فقد قال الامام السبکی ان الواقع فی هذه البلادالشامیة والمصریة انها فی ایدی المسلمین فلاشك انهالهم اماوقفاً وهوالاظهر من جهة عمر ﷺ واماملکاً وان لم یعرف من انتقل منه الی بیت المال فان من بیده شیٔ لم یعرف من انتقل الیه منه یبقیٰ فی یدهٖ ولایکلف ببینة ثم قال من وجد نافی یده و ملکه مکانا منهافیحتمل انه احی او وصل الیه وصولاً صحیحاً۔

(ردالمختار ص ۳۵۵ ج ۳)

ترجمہ: ”اور آپ متن میں باتباع ہدایہ اس کی تصریح معلوم کر چکے ہیں کہ علاقہ عراق کی زمینیں زمین والوں کی ملک ہیں ان کے لئے ان کی بیع اور ہر طرح کا تصرف جائز ہے اسی طرح مصر وشام کا حال ہے اور یہ بات حنفی مذہب پر تو بالکل واضح ہے اسی طرح ان لوگوں کے مسلک پر بھی جو ان زمینوں کو عام اہل اسلام کے لئے وقف قرار دیتے ہیں مثلاً امام سبکی نے کہا ہے کہ واقعہ بلاد مصر وشام کا یہ ہے کہ اس کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ انہی کی ملک ہیں خواہ بحیثیت وقف کے اور فاروق اعظم ؓ کے عمل سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے یا بطور ملک کے اگرچہ اس شخص کا حال معلوم نہ ہو جس کی طرف سے یہ زمین بیت المال میں منتقل ہوئی۔ کیونکہ جس شخص کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے پاس کہاں سے آئی وہ اس کے قبضہ میں رکھی جائے گی اور وہ اس کا ذمہ دار نہیں کہ اس کا ثبوت پیش کرے کہ یہ چیز میرے پاس فلاں شخص یا فلاں جگہ سے آئی ہے کیونکہ جس شخص کے قبضہ میں ہم کوئی زمین یا مکان پاتے ہیں اس میں یہ احتمال واضح ہے کہ اس کے پاس کسی جائز طریقہ سے آیا ہے (جب تک اس کے خلاف کی کوئی وجہ سامنے نہ ہو اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا)

محقق ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ فقیہہ میں امام سبکی کا مذکور الصدر قول نقل کرنے کے

بعد فرمایا۔

''یہ کلام اس بارہ میں صریح ہے کہ ہم اصحاب املاک اور اصحاب اوقاف کے لئے ان کا قبضہ جس طرح پہلے سے چلا آتا ہے اسی طرح قائم رکھنے کا حکم کریں گے اور اس حکم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ زمین اصل سے بیت المال کی ملک ہوں یا وقف علی المسلمین ہوں کیونکہ ہر ہر زمین پر علیحدہ علیحدہ نظر کی جائے تو یہ لازم نہیں کہ یہ اسی ملک بیت المال یا وقف میں سے ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زمین موات (غیر آباد) ہو جس کو اس کے موجودہ یا سابق مالک نے باجازت امام احیاء (آباد) کیا ہو۔ اور یہ بھی فرض کرلیں کہ یہ بیت المال کی زمینیں ہیں تب بھی ان پر مستمر قبضہ اور زمانہ دراز سے مالکانہ تصرفات قرائن ظاہرہ قطعیہ اس امر کے ہیں کہ یہ قبضہ ان کا جائز درست ہے ان کے قبضہ سے نکالنا ان اراضی کا کسی کے لئے جائز نہیں۔ علامہ سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم موجودہ محقق (یعنی ثابت وقائم شدہ قبضہ) کو بغیر کسی شہادت و بینہ کے محض سابقہ احوال کے تخمینہ پر زائل کردینے کا حکم دیں تو لازم آتا ہے کہ ہم ظالموں کو لوگوں کے اموال و املاک پر مسلط کردیں۔ اس کے بعد محقق ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس تقریر سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جو اراضی مصر وشام میں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کہاں سے اور کس طرح ان کو پہنچی وہ انہی کے قبضہ میں بدستور رکھی جائیں گی اور ان سے کسی طرح کوئی تعرّض نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ائمۂ فقہاء نے جبکہ شہروں میں بنے ہوئے کنائس (گرجا گھروں) کو محض اس احتمال پر قائم رکھا کہ شاید وہ ابتداءً صحرا میں ہوں پھر آبادی متصل ہو کر شہر میں شامل ہو گئے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان اراضی کو ان مالکان وعمال کے قبضہ میں بدرجہ اولیٰ باقی رکھا جائے گا۔ اس احتمال پر کہ یہ ارض موات (غیر آباد زمین) ہو پھر باجازت امام آباد کرلی گئی یا یہ کہ ان کی طرف کسی جائز طریقہ سے منتقل ہوئی ہو۔ انتہیٰ

(شامی کتاب العشر والخراج ص ۳۵۵ ج ۳)

اس واقعہ سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں ملک ظاہر بیبرسؒ جو دولت ممالیک میں مصر میں فرماں روا ہوئے ہیں ایک مرتبہ یہ ارادہ کیا کہ مالکان اراضی سے ان کی ملکیت کی سند وشہادت کا مطالبہ کریں جو سند پیش نہ کر سکے اس سے زمین لے کر بیت المال میں داخل کردیں اور بہانہ ان کا بھی یہی تھا کہ یہ زمینیں اپنی اصل سے اراضی بیت المال اور وقف علی المسلمین ہیں ان پر کسی کا مالکانہ قبضہ اور خرید وفروخت درست نہیں لیکن اس زمانہ کے شیخ الاسلام امام نوویؒ نے اس کی سخت

مخالفت کی اور فرمانروائے مصر کو بتلایا کہ ان کا یہ ارادہ بالکل خلاف شرع اور جہل وعناد ہے جو علماء اسلام میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں بلکہ جو چیز جس کے قبضہ میں زمانہ قدیم سے چلی آئی ہے وہ اسی کی ملک سمجھی جائے گی اور کسی کو (بدون شہادت شرعیہ کے) اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں اور اس سے شہادت وسند کا مطالبہ کرنے کا بھی حق نہیں۔ امام نوویؒ سلطان ظاہر بیبرس کو برابر نصیحت وموعظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس ارادہ سے باز آ گئے۔

(شامی باب العشر والخراج والجزیہ ص ۳۵۵ ج ۳)

محقق ابن حجرؒ نے امام نوویؒ کا مذکور الصدر مقالہ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

فهذا الخبر الذى اتفقت علماء المذاهب على قبول نقله والاعتراف بتحقيقه وفضله نقل اجماع العلماء على عدم المطالبة بمستند عملا بالدليل الظاهر فيها انها وضعت بحق۔ (شامی)

ترجمہ: ''یہ خبر جس پر تمام علماء مذاہب متفق ہیں کہ اس کی نقل کو قبول کرنا اور اس کو صحیح ماننا وہ نقل اجماع ہے اس بات پر کہ جس شخص کے قبضہ میں کوئی زمین یا مکان ہے (بغیر کسی وجہ شرعی کے) اس سے اس ثبوت کا مطالبہ جائز نہیں کہ اس کے پاس یہ مکان کس طرح اور کہاں سے آیا ہے کیونکہ قبضہ علامت ملک ہے اور اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ ملک کسی جائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو''

علامہ ابن عابدین شامیؒ ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''یہ ان ائمۂ فقہاء کا کلام ہے جن کے نزدیک مصر وشام کی زمینیں وقف علی المسلمین ہیں وہ بھی اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کے قبضہ میں جو زمینیں اور مالکانہ تصرفات کے ساتھ قدیم سے چلی آتی ہے ان کا قبضہ ہٹایا جائے تو ہمارے نزدیک (یعنی مذہب حنفیہ میں) جب کہ یہ زمینیں اصحاب اراضی کی مملوک ہیں ان کے قبضہ سے نکالنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ صریح ظلم ہے۔ (شامی ص ۳۵۶ ج ۳)

خلاصہ اقسام واحکام اراضی

مذکور الصدر تحریر میں معلوم ہو چکا ہے کہ اراضی کی ابتدائی تقسیم سے دو قسمیں مملوکہ اور غیر مملوکہ نکلتی ہیں پھر ہر قسم کے تحت میں تین تین اقسام ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے۔ ذیل میں ان تمام اقسام واحکام کا اجمالی نقشہ بصورت جدول پیش کیا جاتا ہے کہ ان کا استحضار عام ہو جائے۔

اراضی غیر مملوکہ

نمبر شمار	قسم اراضی	حکم شرعی
۱	وہ اراضی جو کسی کی ملک خاص نہیں مگر کسی بلدہ یا قریہ کی ضروریات عامہ میں مصروف ہیں یا جن میں ضروریات عامہ کی چیزیں جیسے نمک یا مٹی کا تیل یا پٹرول وغیرہ ہیں۔	یہ زمینیں ہمیشہ ضروریات عامہ کے لئے مثل وقف کے حکومت کی زیر نگرانی رہیں گی، نہ کوئی سلطان و امیر خود ان کا مالک بن سکتا ہے نہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے۔
۲	ارض موات یعنی وہ غیر آباد زمینیں اور وہ نا قابل انتفاع زمینیں جو کسی بستی کی حوائج میں کار آمد نہ ہوں۔	جو شخص ان زمینوں کو آباد کرنا اور قابلِ انتفاع بنانا چاہے امام وقت سے اجازت لے کر آباد کر سکتا ہے اور جب وہ آباد اور قابل انتفاع بنا لے تو وہی ان کا مالک ہوگا۔ اس میں نہ کسی استحقاق وقابلیت کی شرط ہے نہ مسلم غیر مسلم کا فرق، جو شخص بھی درخواست کرے اس کو یہ زمین دی جا سکتی ہے
۳	اراضی بیت المال یعنی وہ زمینیں جو کسی کی ملک خاص نہیں اور نہ کسی بستی کی حوائج ضروریہ ان سے متعلق ہیں اور وہ قابلِ انتفاع بھی ہیں جن میں پانچ قسم کی اراضی داخل ہیں۔	امام کو ان میں حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں۔ (۱) قابل کاشت زمینوں کو کاشت یا کرایہ پر اور سکنائی زمینوں کو کرایہ پر دے کر ان کی آمدنی بیت المال میں جمع کرے۔ (۲) حسب ضرورت مسجد، مدارس، مسافر خانہ وغیرہ رفاہِ عام کی چیزیں بنائے۔ (۳) ضرورت یا مصلحت مقتضی ہو تو ان کو فروخت کر کے ضروریات بیت المال میں صرف کرے۔ (۴) جو شخص مصارف بیت المال میں حق رکھتا ہے اس کو حسب صوابدید ان میں سے کوئی زمین یا جاگیر بنا کر دیدے جس کی سات صورتیں ہیں اور ہر صورت کے احکام جدا ہیں۔

اراضی مملوکہ

نمبر شمار	قسم اراضی	حکم شرعی
۱	وہ اراضی مملوکہ جن کے مالک بوقت فتح ملک مسلمان ہو گئے۔	یہ اراضی بدستور ان کی ملک میں رہے گی ان کی اراضی پر عشر مقرر کر دیا جائے گا۔
۲	مالکان اراضی مسلمان نہ ہوں گے مگر صلح اور امن کے ساتھ امام مسلمین کی اطاعت قبول کر لیں۔	جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان کی پابندی لازمی اور دائمی نہ ہوگی۔ زمینوں پر ان کی ملکیت بدستور رہنا شرائط صلح میں ہو تو یہی لوگ اپنی اراضی کے مالک رہیں گے حکومت اسلامیہ کو اس میں تصرف کا حق نہ ہوگا۔
۳	جس ملک کو جنگی قوت اور قہر و غلبہ سے حاصل کیا جائے اس کی مملوکہ زمینیں۔	ان میں امام کو تین اختیار حاصل ہیں حسبِ صوابدید جس کو چاہے استعمال کرے (۱) ان اراضی کو بھی مثل دیگر مالِ غنیمت کے غانمین میں تقسیم کر دے اس صورت میں غانمین اپنے اپنے حصہ اراضی کے مالک ہو جائیں گے۔ (۲) مالکان سابق کو ان کی ملکیت پر برقرار رکھ کر ان کی اراضی پر خراج عائد کر دے اس صورت میں مالکان سابق اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے۔ (۳) مالکانِ سابق کی ملکیت سے نکال کر انہیں مالکان کو یا دوسرے لوگوں کو کرایہ و اجارہ پر دے دے اس صورت میں زمینیں کسی کی ملک نہ ہوں گی بلکہ اراضی بیت المال میں داخل ہوں گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب دوم

الاحکام الشرعیه للاراضی الهندیه[1]

پاکستان و ہندوستان کی اراضی

پہلے باب میں اراضی کا عام اسلامی قانون آپ معلوم کر چکے ہیں کہ زمینوں کی کتنی مختلف صورتیں اور احکام ہیں اور امام المسلمین کو ان میں کیا کیا اختیارات ہوتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں ان اقسام میں سے کس کس قسم میں داخل ہیں تا کہ ان کے احکام کی تعیین کی جا سکے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا مدار ممالک ہند کی فتوحات اور ان کی تفصیلی کیفیت پر اور اس پر ہے کہ مسلمان فاتحین نے اول فتح میں یہاں کی اراضی کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

اس کے لئے احقر نے فتوح الہند سے متعلقہ تاریخ ہندوستان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ عربی۔ فارسی۔ اردو کی جتنی معتبر و مستند تواریخ مل سکیں ان کا وہ حصہ جو کیفیت فتح سے یا اراضی کے متعلق فرامین سلطانی سے متعلق ہے اس کو ضبط کیا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ امداد مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' سے ملی۔ کیونکہ موصوف کے لئے ان کی دلچسپی اور شغف کے موافق حق تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع فرما دیئے تھے کہ اس موضوع پر ان سے بہتر لکھنا مشکل ہے۔ اول تو ہندوستان کی کتب تاریخ کا اتنا بڑا ذخیرہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا کہ اس کا اجتماع دوسرے کے لئے آسان نہیں۔

انہوں نے اس کتاب میں کسی جگہ لکھا ہے کہ پچیس سے زیادہ ہندوستانی تاریخ کی قدیم و جدید فارسی و اردو کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ ہیں جن سے اپنی تصنیف کا مادہ اخذ کیا ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

تاریخ فرشتہ، تاریخ بیہقی، طبقات ناصری لمنہاج السراج، طبقات اکبری، تاریخ فیروز شاہی

---

[1] ..... یہ رسالہ تقسیم اور بناء پاکستان سے پہلے لکھا گیا ہے اس لئے اس میں ہند سے مراد پورا ہندو پاکستان مراد ہے۔ ۱۲۔

لضیاء برنی، خلاصہ التواریخ، تاریخ بدایونی، خلاصہ التواریخ، مفتاح التواریخ، منتخب التواریخ، تاریخ زین المآثر، روضۃ الصفالاخوند شاہ، تاریخ ہنٹر، تاریخ الیفینسٹن، تاریخ سجان رائے، تاریخ ستارہ ہندراجہ شیو پرشاد۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مصنف موصوف نے ہر جگہ اپنی خداداد قابلیت تحقیق وتنقید سے کام لیا ہے۔ بے بصیرت نقل نہیں کیا۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر زمانہ کی تاریخ وسوانح میں ان مصنفوں پر زیادہ اعتماد کیا ہے جو خود اس زمانہ میں موجود تھے اور حالات اکثر چشم دید یا ایک دو واسطے سے لکھتے ہیں۔ مثلاً خاندان غزنوی کے حالات میں ابوالفضل بیہقی کی کتاب ''تاریخ بیہقی'' پر اعتماد کیا ہے جس کی تصنیف ۴۵۱ھ میں ہوئی اور اس کے مصنف سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے میر منشی تھے۔ (آئینہ ص ۲۱۱)

اس طرح خاندان غوری کی تاریخ میں منہاج السراج کی طبقات ناصری کو عمود قرار دیا کیونکہ منہاج السراج کے والد مولانا سراج الدین، سلطان شہاب الدین کی جانب سے لشکر ہندوستان کے قاضی اور امام مقرر تھے۔ منہاج السراج نے اس خاندان اور اس حکومت کے حالات کو بچشم خود دیکھا ہے (آئینہ ص ۲۳۵ ج۱) منہاج السراج اس زمانہ کے بڑے علماء میں معروف تھے۔ دہلی میں ان کا حلقۂ درس اکابر علماء سے معمور تھا۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ بھی آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے تھے (آئینہ حصہ دوم ص ۴۴) اسی طرح خاندان خلجی کے حالات وسوانح کا متن ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ ۵۸ےھ میں تصنیف ہوئی۔ مصنف کے والد اور چچا اور دوسرے رشتہ دار سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر مسلسل مامور رہے۔ اس خاندان کے تینتیس (۳۳) سالہ واقعات کو مصنف نے خود دہلی میں رہ کر دیکھا ہے (آئینہ ص ۲۹)

الغرض بوجوہ مذکورہ احقر نے اس باب میں زیادہ تر مولانا اکبر شاہ خانصاحبؒ کی کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' پر اعتماد کیا اور اکثر روایات اس سے بلفظہ اور کہیں تلخیص کے ساتھ نقل کی ہیں اور جو روایات دوسری عربی، فارسی کتب تاریخ سے لی ہیں ان کے ساتھ ان کا حوالہ مذکور ہے۔

یہ تاریخی مجموعہ چونکہ سندھ و ہند کے پورے براعظم کی فتوحات سے متعلق ہے۔ جس کا سلسلہ اسلام کی پہلی صدی ۸۹ھ سے محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھ پر شروع ہو کر اسلام کی آٹھویں صدی ۷۱۰ھ میں علاؤالدین خلجی پر پورے چھ سو اکیس سال میں مکمل ہوا۔ ایک طویل الذیل تاریخ ہے جس میں انتہائی اختصار کرتے کرتے بھی خاصی ضخامت ہوگئی۔ پھر اس کے ضمن میں بعض اہم اور

مفید تاریخی چیزیں ایسی بھی آئیں جو ہمارے موضوع بحث سے بے تعلق تھیں لیکن مفید سمجھ کر ان کو بھی لے لیا گیا اب اگر اس طویل مجموعہ کو اس باب کا جز بنایا جائے تو یہ باب اسی میں گم ہو جائے گا اور اس سے بالکل علیحدہ رکھا جائے تو کیفیت اراضی کے متعلق جو صورت پیش کی جائے گی وہ بے سند دعویٰ رہ جائے گی۔ اس سے یہ صورت مناسب معلوم ہوئی کہ اس باب میں تو مجموعہ فتوح الہند سے حاصل شدہ نتائج متعلقہ کو اجمالی صورت سے لے کر مضمون کو تمام کر دیا جائے۔ اور تاریخی اسناد پیش کرنے کے لئے اس مجموعہ کو مختصر فتوح الہند کے نام سے اس رسالہ کا دوسرا حصہ بنا دیا جائے۔ واللہ الموفق و المعین۔

اراضی سندھ

ہندوستان کا وہ خطہ جو سب سے پہلے مسلمانوں پر پہلی صدی ہجری کے اواخر میں فتح ہوا وہ صوبہ سندھ ہے جس کے حدود اس وقت آج کے صوبہ سندھ سے بہت وسیع تھے۔ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحر عرب تک اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک۔ شمال میں ملتان سے گذر کر جنوبی پنجاب تک۔ اس خطہ سندھ کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف وائسرائے عراق کے زیر اہتمام محمد بن قاسم ثقفی کی زیر قیادت عمل میں آئی اور فتح کے بعد محمد بن قاسم ہی اس خطہ کے عامل (گورنر) مقرر ہوئے جنہوں نے حجاج بن یوسف کے واسطہ سے امیر المومنین کے احکام اور قانونِ اسلام یہاں جاری کئے۔

ملک فتح ہونے کی تین صورتیں جو باب اول (القول الماضی فی احکام الاراضی) میں مذکور ہوئی ان میں سے یہ صورت کہ فتح کے وقت اہل ملک اسلام میں داخل ہو جائیں کسی جگہ نظر نہیں آئی۔ صرف ایک واقعہ ہے کہ برہمن آباد کو محمد بن قاسم نے اول فتح کر لیا تھا پھر ان کے بعد نظام خلافت میں باہمی مشاجرات و اختلافات کے باعث خلل آیا اور بلاد سندھ کی پوری نگرانی مرکزی خلافت نہ کر سکی تو راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر برہمن آباد پر قابض ہو کر خود مختار بن گیا اور اس کے دوسرے بھائی بھتیجے اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قابض ہو گئے ۹۹ھ میں جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو انہوں نے تمام نظام خلافت کو سنبھالا۔ سندھ کے راجاؤں کے نام تبلیغِ اسلام اور اطاعت قبول کرنے کے متعلق خطوط لکھے تو جیسیہ ابن داہر اور بہت سے راجے ان کی برکت سے مسلمان ہو گئے اور اپنے نام بدل کر عربی نام رکھ لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جیسیہ کو برہمن آباد کی سیادت پر اور دوسرے

راجاؤں کو اپنی پہلی ریاست پر برقرار رکھا۔ یہ واقعہ تاریخ کامل ابن اثیر ص ۲۲۴ ج ۴ میں نیز دوسری تواریخ میں مذکور ہے۔

عام طور پر پورے خطۂ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئی کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے۔ ان میں سے جو بلاد صلح کے ساتھ فتح ہوئے ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط صلح کی پابندی کی۔ ان کی اراضی اور اموال پر کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک و متصرف رہا۔ البتہ شرعی قاعدہ کے موافق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کر دی گئی۔

اور جو بلاد عنوۃً (قہراً) جنگ کر کے فتح کئے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق میں شاہِ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عام اراضی عراق، شام و مصر کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔ جس کی تفصیل اور حوالہ رسالہ القول الماضی میں بضمن اراضی مملوکہ گذر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پورے سندھ کی اراضی مملوکہ پر باشندگان ملک کا قبضہ باقی رکھا گیا صرف وہ شاہی مقبوضات جو راجاؤں کی املاک خاص تھیں اور جنگ و جہاد کر کے ان کو عنوۃً فتح کیا گیا تو یہ زمینیں اور غیر مملوکہ اراضی کی جملہ اقسام اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں، انہی اراضی میں سے محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔

مضمون مذکور کا پورا ثبوت تو رسالہ فتح الہند ہی کے تفصیل سے دیکھنے سے مل سکے گا۔ اس میں سے چند حوالے بقدر ضرورت مثال کے طور پر یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

سندھ کا سب سے پہلا مقام جو فتح ہوا وہ بندرگاہ دیبل جو موجودہ کراچی کے قریب ① ایک شہر کا نام تھا اس کی فتح کا جنگ و جہاد کے ساتھ قہراً ہونا اور چار ہزار مسلمانوں کا اس جگہ اترنا اور محمد بن قاسم کا اس مقام پر جامع مسجد تعمیر کرنا تاریخ ابن اثیر جزری میں مذکور ہے۔ (ص ۲۰۵ ج ۴) اور مؤرخ

---

① ...... حال ہی میں کراچی سے چند میل کے فاصلے پر داب جی اسٹیشن کے قریب ایک قدیم شہر کا پتہ چلا ہے جس کی کھدائی جاری ہے ایک عظیم الشان قلعہ اور ایک بڑی مسجد اور کچھ رنگ سازی کے کارخانے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ بالکل ساحل سمندر پر ہے اس کے مشاہدے سے رجحان اسی کا ہوتا ہے کہ یہی جگہ دیبل ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا نام دیبل جی سے متغیر ہو کر داب جی ہو گیا ہو۔ ۱۲ محمد شفیع

بلاذری نے اس کے ساتھ کچھ لوگوں کو جاگیریں دینے کا بھی تذکرہ کیا ہے (فتوح البلدان ص ۴۲۵)

اور ''آئینہ حقیقت نما'' میں ہے

''جو شخص ہتھیار بند اور برسر مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان شہر کے لئے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا۔ بندرگاہ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ ایک ہندو پنڈت تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ محمد بن قاسم نے اسی کو دیبل کا حاکم اعلیٰ مقرر کر کے حمید بن ذراع کو اس کی ماتحتی میں دیبل کا شحنہ (پولیس افسر) مقرر کر دیا۔ نیز مقامی لوگ اور ان کی جائیداد و اموال بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ، شاہی اموال وخزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے۔ ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (آئینہ ص ۸۶ با اختصار)

شہر بیرون [1] امن وصلح کے ساتھ فتح ہوا۔ کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۵) اسی طرح شہر سربیدس کے امراء نے صلح وامان کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے درخواست قبول کر کے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا۔ (بلاذری وکامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

تنبیہ:

زمینوں پر خراج اسی وقت مقرر کیا جا سکتا ہے جب کہ ان پر مالکان کا قبضہ مالکانہ برقرار رکھا جائے۔ کیونکہ اگر ان کا قبضہ مالکانہ ہٹایا جائے تو اس کی صرف دو صورتیں ہیں یا تو غانمین میں تقسیم ہو کر ملک غانمین قرار پائے تو ان پر خراج عائد نہیں ہو سکتا بلکہ ان کی زمینوں پر عشر واجب ہو گا۔ (کمافی عامۃ کتب الفقہ) اور یا ان اراضی کو بیت المال میں داخل کیا جائے تو ان پر نہ تو عشر ہے نہ خراج۔ (کما صرح بہ الشامی ج ۳)

الغرض خراج مقرر کرنا اس کا ثبوت ہے کہ سابق مالکان اراضی غیر مسلمین کی ملکیت کو برقرار رکھا۔

اسی طرح سیوستان کے علاقہ میں ابتداً معمولی جنگ کے بعد باشندگان شہر نے صلح کے ساتھ قبضہ دے دیا۔ ان کی جان ومال اور زمینیں سب محفوظ رکھی گئیں۔

زمینوں پر حسب قاعدہ شرعیہ خراج مقرر کر دیا گیا (بلاذری ص ۴۲۵ و افظ لابن اثیر۔ تطلب

[1] ...... آج کل بیرون اور سربیدس نام کا کوئی شہر اس علاقہ میں معلوم نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حوادث کا شکار ہوئے ہوں اور یہ بھی کہ نام بھی بدل گئے ہوں، ۱۲ محمد شفیع۔

اهلها الامان و الصلح فامنهم ووظف علیهم الخراج (ص ۲۰۵ ج ۴)

مقام بدھیا کا حاکم کا کا نامی خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور امن کی درخواست کی محمد بن قاسم نے اس کو امن دیا اور بڑی عزت کے ساتھ استقبال کیا۔ پھر بطور مشیر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ امیر الہند کا خطاب اور لقب عطا کیا۔ ان کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا گیا وہ بھی کا کا کے مشورے سے عمل میں آیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۶ ج ۴)

راور (روہڑی) کا قلعہ جنگ کے ساتھ عنوۃً فتح کیا گیا (بلاذری ص ۴۲۶، ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

مقام ساوندری، سمد صلحاً فتح ہوئے (ابن اثیر ص ۲۰۶ ج ۴)

اسی طرح مقام اور بغرور[1] کے امراء سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ان کو اور ان کے مندروں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے یہ شرط قبول کر لی اور ان کی زمینیں انہی کے قبضہ و ملک میں رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔ (بلاذری ص ۴۲۷)

محمد بن قاسم کا اعلان امان وحفاظت اموال واراضی

محمد بن قاسمؒ نے اپنے احکام واعلان برہمن آباد اور سندھ کے ان تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے بھجوا دیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کر لے گا اور پر امن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہو گی۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۹۴)

نیز برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اعلان عام کر دیا ”جو لوگ امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی۔ جو اسلام قبول کر لے گا وہ اس جزیہ سے معاف کیا جائے گا۔ اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی۔ نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے۔ اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا وغیرہ۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۹۶ بلفظہ)

شہر ستھ، لوہانہ، قلعہ الور بھی صلحاً فتح ہوئے۔ باشندگان الور نے اپنے راجہ کے فرار ہو جانے

[1] ...... راور بغرور، غالباً روہڑی اور سکھر کے اصل نام ہیں۔ ۱۲ منہ

کے بعد محمد بن قاسم کے پاس امن کی درخواست بھیجی۔ محمد بن قاسم نے جواب لکھا۔

''میں نے ہر مقام پر خود لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کو جان و مال کی امن دی جائے گی۔ مگر تم نے میرے پیغام سے بھی پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے لہٰذا تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

اسی طرح قلعہ یابیہ کا حاکم کاکسا بن چندر خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس میں علم وفضل اور شرافت کے آثار محسوس کر کے اس کی عزت افزائی کی۔

کاکسا بن چندر کو اپنا مصاحب اور وزیر وسپہ سالار بنا دیا اور تمام فوجوں کو حکم دے دیا کہ میرے بعد کاکسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اپنی مہر اور خزانہ کا چارج بھی اس کے سپرد کر دیا۔ (آئینہ ص ۹۹)

مقام اسکندرہ اور قلعہ سکھ مقابلہ اور معرکہ آرائی کے بعد فتح ہوا۔ فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عتبہ بن سلمہ تمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

شہر ملتان اور اس کا علاقہ دو مہینہ تک سخت معرکہ آرائی کے بعد بزور شمشیر فتح ہوا۔ مگر محمد بن قاسم نے اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن وامان اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ ہی پر قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو سونے کی بنی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔

رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لئے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی امان کے متعلق لکھ دیا اور داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کرائی۔ (آئینہ ص ۱۰۰ ابلفظہ)

حجاج بن یوسف کے چند فرامین بنام محمد بن قاسم

سندھ کے اس جہاد کی طرف حجاج بن یوسف وائسرائے عراق اس طرف متوجہ تھا کہ گویا وہ خود اس جنگ کی کمان کر رہا ہے۔ تیسرے [1] روز بغداد کی ڈاک سندھ اور سندھ کی بغداد پہنچتی تھی (فتوح البلدان بلاذری) ہر موقع پر حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو ہدایتیں اور فرامین پہنچتے تھے

[1] ..... آج ہوائی سروس کے دور میں بھی تیسرے دن عراق تک ڈاک نہیں پہنچتی۔ ۱۲ منہ

ان میں چند فرامین جن کا تعلق ہمارے موضوع بحث سے ہے اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

فتح بیرون کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا:۔

''اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو، جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہونا چاہئے۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۴)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا فرمان آیا کہ

''جو کوئی تم سے جاگیر وریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو۔ امان وعفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت کرو۔ جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت قبول کرے اس کے مال واسباب اور ننگ وناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو شخص اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہوجائے۔'' (آئینہ حقیقت ص ۱۰۴)

تنبیہ

خراج ومالگذاری ان لوگوں پر عائد کرنا اس کی دلیل ہے کہ حجاج بن یوسف نے سندھ کے ہندو باشندوں کا ان کی اراضی پر بدستور مالک وقابض رہنا تسلیم کرلیا تھا۔ ورنہ تقسیم بین الغانمین کی صورت میں عشر ہوتا اور اراضی بیت المال میں داخل ہونے کی صورت میں نہ عشر نہ خراج۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد یہاں کے مندروں کے پجاری حاضر خدمت ہوئے اور مندروں کی رمت وتعمیر کے لئے درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے ایلچی بھیج کر حجاج سے استصواب کیا۔ حجاج کا ط آیا۔

''تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارات درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے لہٰذا ان کو اپنے معبود کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں۔'' (آئینہ ص ۱۰۶)

اس فرمان کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے تمام اکابر و امراء کو بلایا اور برہمنوں کے حقوق و مراسم جو سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے مقرر تھے ان کی تحقیق کی۔ اس کے بعد شہر میں یہ اعلان کرایا۔

''جو لوگ اپنے باپ دادا کی مراسم کے پابند ہیں ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کو بجالانے میں حاصل ہے، کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا۔ برہمنوں کے دان پُن دکشنا بھیٹ جس طرح پہلے دیتے تھے اب بھی دیں۔ اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں۔ محاصل ملکی یعنی سرکاری مالگذاری میں سے تین روپیہ فیصدی برہمنوں کے لئے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا۔ اس روپیہ کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے برآمد کرا سکتے ہیں'' (آئینہ ص ۱۰۶)

محمد بن قاسم نے ایک مقام کو فتح کر کے وہاں کے سب لوگوں کو امان دے دی اور ہر قسم کا محصول و لگان بھی ان کو معاف کر دیا اور یہ تمام کیفیت حجاج کو لکھ کر بھیج دی۔ حجاج نے اس کے جواب میں خط لکھا کہ

''جو لوگ اہل حرب ہیں ان کو قتل کر دو۔ جو مطیع ہیں ان کو امان دو۔ صناع اور تاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو۔ جو شخص زراعت میں زیادہ جانفشانی اور توجہ سے کام کرتا ہے اس کی مدد کرو اور اس کو تقاوی دو۔ جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو۔ اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ (آئینہ ۱۰۷ بلفظہ)

تنبیہ

حجاج بن یوسف کا یہ فرمان ایک عام قانون کی شکل رکھتا ہے جو پورے ملک سندھ کے لئے جاری ہوا ہے اس میں غیر مسلموں کے لئے خراج اور وہ بھی صرف اسی قدر جتنا وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے وصول کرنے کا حکم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پورے ملک کی اراضی مملوکہ کو بدستور ہندو مالکان سابق کی ملک میں برقرار رکھنا تسلیم کیا گیا ہے۔

سندھ میں عطاء جاگیر اور اس کی کیفیت

باب اول میں واضح ہو چکا ہے کہ سلطانِ مسلم کو اختیار ہے کہ غیر مملوکہ زمینوں میں سے یا ان

اراضی میں سے جو بیت المال کی اراضی کہلاتے ہیں۔ اسلامی خدمات کرنے والوں کو کوئی جا گیر عطا کرے اور عطاء جا گیر کی سات صورتیں امام کے زیر اختیار ہیں اوپر بحوالہ فتوح البلدان بلاذری میں یہ گذر چکا ہے کہ محمد بن قاسم نے بندرگاہ دیبل فتح کیا تھا تو وہاں کچھ مسلمانوں کو جا گیریں دیں اور مسجد تعمیر کی۔ بظاہر یہ جا گیر غیر مملوکہ ارض موات سے دی گئی تھی کیونکہ بلاذری کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں **واختطط محمد للمسلمین بھاو بنی مسجدا و انزلھا اربعہ الاف** (ص) اس میں جا گیر دینے کے لئے لفظ اختطاط استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا حقیقی مفہوم غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے گھیرنا ہے (قاموس) اور باب اول میں گذر چکا ہے کہ اس صورت میں آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے۔ پھر ملک سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی عربی اور شامی سرداروں کو جا گیریں دی گئیں مگر ان کی صورت حسب تحریر "آئینہ حقیقت نما" یہ ہے۔

"عربی اور شامی سرداروں اور سپاہیوں کو بھی کہیں کہیں جا گیریں اور قطعات زمین دیئے گئے مگر وہ تمام زمین اور قطعات ان کے اصل مالکوں کے پاس بدستور رہے جو زرمالگذاری سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا وہ ان جا گیرداروں کو مل جاتا تھا (آئینہ ص ۱۰۹) یہ عطا جا گیر کی صورت ہے جو باب اول میں چھٹی صورت کے ماتحت لکھی گئی ہے۔"

معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم نے شرعی اصول وقواعد کے موافق عطا جا گیر میں حسب موقع و مصلحت مختلف صورتوں کو اختیار کیا ہے کہیں ملک بنا کر دیدی کہیں صرف پیداوار سے نفع اٹھانے کی اجازت دے دی۔ کہیں صرف سرکاری محصول وخراج کو جا گیردار کا حق قرار دے دیا۔

خلاصہ احکام اراضی سندھ

مذکور الصدر شاہی فرامین اور محمد بن قاسم کے اعلانات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا ہے خواہ وہ شہر صلحاً فتح ہوئے یا عنوۃً وقہراً۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں اور یا وہ زمینیں جو اراضی بیت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے اور ان کے کسی وارث کا بھی پتہ نہ چلا۔ انہی زمینوں میں سے کچھ مسلمانوں کو جا گیریں دی گئیں۔ اب ملک سندھ کی اراضی جو مسلمانوں کی ملک میں آئی اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اراضی جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جا گیر مالکانہ صورت

دے دی گئی اور یا وہ جو ہندو مالکان اراضی سے خرید لی گئی۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

اراضی ہند

۹۵ ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی۔ باقی ممالک ہند کی فتوحات کا سلسلہ تقریباً تین سو سال کے بعد ۳۹۱ ھ میں سلطان محمود غزنویؒ کے ہاتھوں شروع ہوا۔ پھر ان کی اولاد میں جاری رہا۔ ۴۱۲ ھ تک ان کی جنگوں کا رخ صرف پنجاب اور سندھ کی طرف رہا۔ کیونکہ پنجاب تو ہندو راجاؤں کے قبضہ میں تھا ہی۔ ملک سندھ جو محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا اس تین سو سال کے عرصے میں خلافت بغداد کی کمزوری کے باعث اس کے بھی بہت سے علاقوں پر ہندو راجہ پھر قابض ہو گئے تھے۔ اور ملتان و دیبل وغیرہ پر قرامطہ نے قبضہ کر لیا تھا جو اصل سے کفار اور بے دین تھے مگر منافقانہ وملحدانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور ہندوستان کے ہندوؤں سے ان کا ساز باز تھا۔ سلطان محمود غزنویؒ اور ان کی اولاد کو اپنے پورے دور میں ایک طرف تو ہندوؤں کی یورشوں کا مقابلہ کرنا پڑا دوسری طرف ان قرامطہ کے استیصال کے فکر میں بڑی کوششیں کرنا پڑیں اور ملک سندھ و ملتان کو دوبارہ از سر نو فتح کرنا پڑا۔ پنجاب کے راجاؤں سے مقابلہ ہوا اور فتح پائی تو ابتداءً سلطان غزنوی نے یہ طریقہ رکھا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا اس سے اطاعت وخراج گذاری کا وعدہ لے کر معافی دے دی اور اس کا علاقہ اس کی سیادت میں قائم رکھا مگر ان راجاؤں نے عموماً غداری کی۔ جب بھی ذرا موقع پایا خراج دینا بند کر دیا اور خود مختار بن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے مقابلہ میں شکست کھائی۔ گرفتار ہو گئے پھر معافی دیدی گئی۔ اور علاقہ ان کے سپرد کر دیا۔ پھر وہی حرکت کی۔ راجہ لاہور جے پال اسی طرح کئی مرتبہ گرفتار ہوا تو معافی مانگی معافی دے دی گئی پھر بغاوت کی پھر گرفتار ہوا پھر معافی مانگی پھر معافی دے دی گئی اس کے بعد اس کے بیٹے انند پال نے یہی باپ کا طریقہ جاری رکھا تا آنکہ ۴۱۲ ھ میں جے پال ثانی سے مقابلہ ہوا۔ اس کو شکست دینے کے بعد راجاؤں کے مسلسل بدعہدی کے تجربہ نے اس پر مجبور کر دیا کہ صوبہ پنجاب کو براہ راست سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ اس وقت سے سندھ و پنجاب میں اپنے عمال و حکام مقرر کر دیئے گئے۔ جو ملک کا انتظام کرتے اور زمینوں کا خراج وصول کر کے دار السلطنت غزنی کو بھیجتے تھے۔

پہلی صورت کہ راجاؤں کو ان کی ریاست پر برقرار رکھ کر ان سے خراج مقرر کر لیا تھا اور دوسری

صورت کہ مالکان اراضی سے بلاواسطہ خود سلطانی حکام خراج وصول کرنے لگے۔ ملکیت اراضی کے متعلق ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مالکان اراضی دونوں حالتوں میں اپنی اپنی زمینوں پر برابر و بدستور مالک و قابض اور متصرف رہے۔ حکومت اسلامیہ کا تعلق صرف انکے خراج سے رہا کبھی راجاؤں کی معرفت اور کبھی اپنے مقرر کردہ حکام کی معرفت۔

پنجاب و سندھ کے بعد سلاطین غزنوی بقیہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کے آخر عہد ۵۶۵ھ تک دہلی، آگرہ و اودھ، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ بلاد کو فتح کر چکے۔ صوبہ جات ہند میں سے صرف بہار، بنگال، آسام اور جنوبی ہند دکن و مدراس رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ پورا ملک ہند زیر نگیں سلطنت غزنی آ چکا تھا۔ لیکن ان تمام ممالک کی فتوحات میں عہد غزنوی کے آخر تک وہی طریقہ رہا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا اسی کو وہاں کی امارت پر برقرار رکھا اس سے خراج مقرر کر لیا اور خود دارالسلطنت غزنی کو چلے گئے۔ ہندوستان میں اپنا کوئی دارالسلطنت نہیں بنایا۔ سلاطین غزنی کے بعد شہاب الدین غوری کا دور آیا۔ ان کے عہد میں جدید فتوحات صرف بہار بنگال، آسام، تبت کی عمل میں آئی باقی وقت تمام مفتوحہ ممالک کی بغاوتیں اور قرامطہ اور ملاحدہ کے فتنوں کے مقابلہ میں گذرا۔

شہاب الدین غوری کی فتوحات اور انتظام ملکی کا وہی دستور رہا جو سلاطین غزنی کے عہد سے چلا آتا تھا کہ ممالک مفتوحہ کے راجاؤں کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھ کر عہد اطاعت و خراج گذاری لے لیا اور خود غزنی کے دارالسلطنت میں رہے۔ مگر ہندو راجاؤں کی مسلسل بدعہدی اور سرکشی کا جو تلخ تجربہ سلطان محمود کو ہو چکا تھا اور مجبور ہو کر پنجاب و سندھ و ملتان کو براہ راست تخت غزنی کے ساتھ ملحق کر کے اپنے عمال و حکام مقرر کرنا پڑے تھے وہی صورت شہاب الدین کو بقیہ ممالک میں محسوس ہوئی۔ چنانچہ اپنے آخری عہد میں انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام قطب الدین ایبک کو قلعہ کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو تخت غزنی کے ساتھ ملحق کیا اور قطب الدین بحیثیت ایک گورنر کے ہندوستان میں رہے۔

قطب الدین ایبک کے سامنے بھی بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا پچھلے تجارب ان کے سامنے تھے اب ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ جو راجہ بغاوت پر آمادہ ہو اس کا علاقہ فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اپن جی پسر پرتھی راجہ دہلی نے بغاوت کی تو اس کو حکومت سے ہٹا کر دہلی کو بلاواسطہ سلطنت غزنی سے ملحق کر دیا اور ہندوستان میں اس کو دارالامارت بنا کر خود وہاں

قیام کیا۔ اسی طرح میرٹھ، علی گڑھ جس کا قدیم نام کول تھا، قنوج، کالپی، کالنجر، بنارس، گوالیار، بدایون، گجرات کے راجاؤں نے سرکشی اختیار کی تو ایک ایک کر کے سب کو ہٹا کر یہ مقامات بھی سلطنت اسلامی میں شامل کر لئے گئے۔

اس طرح شمالی ہند کا بڑا حصہ سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ پنجاب، ملتان، سندھ پہلے ہی اسلامی حکومت کے صوبے تھے۔ اب وہ ملک بھی جس کو آجکل صوبجات متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کی اہلیت و قابلیت کا اب تجربہ و مشاہدہ کر لیا تھا۔ اس لئے ۵۹۱ھ میں ان کو تمام مقبوضات ہندوستان کا وائسرائے بنا دیا۔

اب قطب الدین ایبک نے اودھ کے جاگیردار محمد بختیار خلجی کو فتح بہار و بنگال کے لئے مامور کیا۔ اس نے پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں یہ تمام علاقہ بہار، بنگال، آسام، تبت فتح کر کے اسلامی سلطنت کے ساتھ ملحق کر دیا۔ اور آجکل جس براعظم کو ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے وہ جنوبی ہند دکن اور مدراس و میسور کے سوا پوری سلطنت اسلامیہ دہلی کے زیر نگیں آ گئی۔

۶۰۲ھ میں شہاب الدین غوری شہید ہوئے اور قطب الدین ایبک جوان کی طرف سے ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ اب خود مختار سلطان بن گئے۔ سلطنت غزنی کی طرف سے ان کو ایک شقہ اور چتر شاہی بھیج کر خود مختار سلطان قرار دے دیا گیا۔ ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں لاہور میں استقلال سلطنت کا جشن منایا گیا۔

اس کے بعد دہلی کی مستقل سلطنت اسی غلاموں کی خاندان میں چھیاسی سال بڑے آب و تاب سے رہی مگر اس پورے دور میں نئی فتوحات نہیں ہو سکیں، بلکہ غلام خاندان کے سلاطین کو تاتاریوں کے فتنے اور اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے نیز رعایا کی رفاہیت و راحت کے انتظامات سے فرصت نہیں ملی۔

تا آنکہ ۶۸۸ھ میں یہ سلطنت خاندان خلجی کی طرف منتقل ہوئی۔ جلال الدین خلجی سلطنت اسلامیہ دہلی کے فرمانروا ہوئے۔ اس وقت ان کے بھتیجے اور داماد اور آئندہ ہندوستان کے ہونے والے بادشاہ علاؤالدین خلجی کے ہاتھ پر ہندوستان کے بقیہ حصص جنوبی ہند دکن، مدراس، میسور فتح ہو کر سلطنت اسلامی کے ماتحت آئے مگر ان کی فتوحات سب اس طرح ہوئی کہ ان علاقوں کے راجاؤں کو ان کی ریاستوں پر بحال رکھ کر ان سے خراج مقرر کر لیا گیا۔ الغرض ۶۹۴ھ تک ہندوستان کے پورے براعظم کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال واڑیسہ

تک اسلامی سلطنت دہلی میں داخل ہو گیا۔ اور ۶۹۶ھ میں علاؤالدین خلجی دہلی کے تخت سلطنت پر تخت نشین ہوا۔ فتوح الہند کا سلسلہ یہاں تمام ہو گیا اس کے بعد جو سلطنت دہلی پر مختلف دور اور مختلف خاندان کی حکومتیں آئیں وہ خود مسلمانوں کی باہمی آویزش اور اس کے ماتحت انقلابی صورتیں تھیں جن سے ہمارے موضوع بحث کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ان انقلابات سے احکام اراضی پر شرعاً کوئی اثر پڑتا ہے۔

خلاصہ کیفیت فتوح الہند مع احکام متعلقہ اراضی

باب اول میں بتفصیل مذکور ہوا ہے کہ ملک فتح ہونے کی تین صورتیں ہیں جن کے احکام متعلقہ اراضی جدا جدا ہیں، ایک یہ کہ اہل ملک بوقت فتح مسلمان ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان تو نہ ہوں مگر بدون مقابلہ کے صلح کے ساتھ اطاعت خراج گذاری قبول کر لیں۔ تیسرے یہ کہ مقابلہ اور جنگ کریں پھر مسلمان بزور شمشیر فتح کریں۔

فاتحین ہند، سلاطین غزنی وغوری وخلجی کے تمام غزوات وفتوحات پر تفصیلی نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ممالک ہندوستان کی فتوحات میں تینوں صورتیں پیش آئی ہیں۔ پہلی صورت شاذ و نادر ایک آدھ موقع میں پیش آئی بقیہ ممالک دوسری یا تیسری صورت سے فتح ہوئے۔ پہلی صورت کہ اہل ملک بوقت فتح مسلمان ہو جائیں اس کے دو واقعے مؤرخ ابن الاثیر جزری نے اپنی تاریخ کامل میں لکھے ہیں جس کا ترجمہ عربی سے اردو میں یہ ہے۔

"۴۰۷ھ میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا جب دروازہ کشمیر پر پہنچا تو راجۂ کشمیر خود حاضر خدمت ہوا اور بطوع ورغبت اسلام میں داخل ہو گیا۔" (ابن اثیر ص ۹۱ ج ۴)

اس کے بعد راجہ کشمیر نو مسلم کو ساتھ لے کر آگے بڑھے تو ۲۰ رجب ۴۰۷ھ کو قلعۂ ماجون پر پہنچے اس کو اس کے گرد و نواح کے قلعوں اور علاقوں کو فتح کرتے ہوئے قلعہ ہودب پر پہنچے جو ہندوستانی علاقے کا آخری قلعہ ہے۔ ہودب کے راجہ نے جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر سنی تو دس ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر استقبال کے لئے قلعہ سے باہر آئے اور کلمۂ اسلام پکارتے ہوئے آگے بڑھے۔ سلطان محمود نے ان کے کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللّٰہ کو سن کر لشکر کو ہاتھ اٹھانے سے روک دیا۔ (ابن اثیر ص ۹۱ ج ۴)

ممکن ہے فتوحاتِ ہند میں اور بھی کوئی واقعہ اس طرح کا پیش آیا ہو مگر وہ بہر حال نادر ہے۔

اس قسم کی فتح کا حکم باب اول میں معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کی تمام املاک منقولہ اور غیر منقولہ بدستور اس کی ملک میں رہیں گی امام اور غانمین کو ان میں سے کوئی تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔

بقیہ فتوحات میں قسم دوم یعنی صلح سے جو ممالک فتح ہوئے ان کا حکم بھی باب اول میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فاتح سلطان اور اسکے بعد ہر ایک مسلمان بادشاہ کو شرائطِ صلح کی پابندی لازمی ہے۔ اگر سلطان فاتح نے ان کو اپنی اراضی پر بدستور مالک ومتصرف رکھا ہے تو ہمیشہ وہی مالک ومتصرف رہیں گے۔ ان کو ہر قسم کے اختیارات مالکانہ حاصل ہوں گے۔ چنانچہ فتوحات ہند میں بے شمار مواقع پر یہ تصریحات ملتی ہیں کہ صلح وامان کے ساتھ جو ملک فتح ہوا وہاں کے لوگوں کو اپنی اپنی املاک پر بحال رکھا گیا جس کی چند مثالیں ذیل میں نقل بھی کی جائیں گی۔

اور فتح کی قسم سوم یعنی جو جنگ وجہاد کے ساتھ فتح کیا جائے اس میں حسب تفصیل باب اول سلطان مسلم کو تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اول یہ کہ تمام اموال غنیمت کی طرح مفتوح ملک کی اراضی مملوکہ کو بھی مالکان سابق کے قبضہ سے نکال کر غانمین میں تقسیم کردے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کردے۔ دوسرے یہ کہ اراضی مملوکہ کو تقسیم نہ کرے بلکہ تمام یا بعض اراضی کو بیت المال کے لئے مخصوص کرے اور بیت المال کی جانب سے ان زمینوں کی کاشت و کرایہ وغیرہ کا انتظام ہو اور تمام منافع و پیداوار بیت المال میں داخل ہوں۔ تیسرے یہ کہ مالکان سابق کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھ کر ان کی زمینوں پر خراج مقرر کردے جو سالانہ بیت المال میں جمع ہوا کرے۔

فتوحات ہند کی پوری تفاصیل میں پہلی صورت تو کسی ایک جگہ بھی نظر نہیں آتی کہ اراضی مفتوحہ کو غانمین میں تقسیم کیا گیا ہو۔ اور دوسری صورت بھی اس طرح تو کہیں پائی نہیں جاتی کہ مفتوح ملک کی پوری زمینوں کو مالکان سابق کی ملکیت سے نکال کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا ہو۔ البتہ جو زمینیں مفتوح راجاؤں کی ملک خاص اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو کہیں کہیں حکومت اسلامیہ کے قبضہ میں بحکم اراضی بیت المال رکھا گیا ہے۔ جس کی نظیر فتح عراق کے وقت حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل میں بھی پائی جاتی ہے اور فتوح سندھ میں محمد بن قاسم کے عمل میں بھی۔

باقی تمام اراضی مفتوحہ میں تیسری قسم کا اختیار فاتح سلاطین نے نافذ کیا ہے یعنی مالکان سابق کو ان کی ملکیت اراضی پر بدستور قائم رکھ کر زمینوں پر خراج مقرر کردیا گیا۔

مالکان سابق کے تمام مالکانہ تصرفات جائز و برقرار رکھے گئے۔ یہی وہ معاملہ ہے جو حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق، شام، مصر کی اراضی کے ساتھ بمشورہ صحابہ رضی اللہ عنہم اختیار فرمایا اور یہی صورت فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسمؒ نے تمام ممالک میں اختیار فرمائی۔

تاریخ سندھ وہند اس قسم کی تصریحات سے لبریز ہے کہ مالکان سابق کو ان کی اراضی پر بدستور قائم رکھا گیا اور اس کے خلاف کی ایک نظیر بھی کسی مفتوح ملک میں نظر نہیں آتی کہ وہاں کے عام باشندوں کو ان کی اراضی سے بیدخل یا مالکانہ قبضہ کو تبدیل کر کے اجارہ داری کا قبضہ قرار دیا گیا ہو۔ اور مالکانہ تصرفات بیع وشراء یا ہبہ ووقف سے روکا گیا ہو۔ ہاں کسی خاص قوم یا خاص بستی کے لوگوں کی زمینیں کسی وجہ سے ضبط کر کے مستحقین کو دے دی گئی ہوں اس کی کچھ نظائر ہیں جن کے متعلق حضرت جلال تھانیسریؒ نے ایک مستقل رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ یہ اراضی ان لوگوں کی ملک میں داخل ہو جائیں گی جن کو سلطان نے عطا کی ہیں۔ اس رسالہ کے مضامین مع توضیح کے انشاءاللہ تعالیٰ آخر رسالہ میں آئیں گے۔

ذیل میں بطور مثال کے چند تاریخی حوالے بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں بسلسلۂ واقعات ۴۰۷ھ سلطان محمود غزنویؒ کے غزوات ہند میں مذکور ہے۔

وعبر نهر سيحون و جيلوم وهما نهران عميقان شديد الجرية فوطى ارض الهند واتاه رسل ملوكها بالطاعة وبذل الاوتاده۔

ترجمہ: ''اور نہر سیحون (دریائے اٹک اور جہلم کو عبور کیا یہ دونوں بہت تیز چلنے والی اور بہت گہری نہریں ہیں۔ اور ہندوستان کی زمین کو طے کیا۔ اور ہندوستانی راجاؤں کے قاصد حاضر خدمت ہو کر فرمانبرداری اور خراج گذاری کا پیغام لائے۔'' (ص ۹۱ ج ۹)

پھر واقعات ۴۰۹ھ کے سلسلہ میں فتح قنوج اور بیداء راجہ کجوراہہ کے مقابلہ اور پھر شکست اور اسی طرح راجہ پروجے پال کے مقابلہ اور شکست کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فلما رأى ملوك الهند ذلك تابعوا رسلهم الىٰ يمين الدولة يبذلون له الطاعة والاوتاده۔

ترجمہ: ''جب ہندوستان کے بادشاہوں نے یہ حالات دیکھے تو پے در پے اپنے قاصد یمین الدولہ (یہ محمود غزنوی کا لقب ہے) کے پاس بھیجے کہ ہم سب فرمانبرداری اور خراج گذاری کے لئے تیار ہیں۔''

پھر سلسلہ واقعات ۴۱۴ھ ہندوستان کے ایک قطعہ پر محمود غزنوی کے حملہ اور محاصرہ کا ذکر

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فحصرهم يمين الدولة و ادام الحصار و ضيق عليهم و استمر لقتال فقتل منهم كثير۔ فلما رأوا ماحل بهم اذاعنوا له و طلبوا الامان فامنهم و اقر ملكهم فيما على خراج يأخذه منه۔(ص ۵۱۱ ج۹)

ترجمہ: ''سلطان محمود نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور محاصرہ پر قائم رہا اور گھیرے کو تنگ کرتا رہا۔ اور آپس میں قتال جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہنود کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ جب انہوں نے اپنے عجز و بے بسی کا مشاہدہ کرلیا تو ہتھیار ڈال دیئے اور امان طلب کیا۔ سلطان نے ان کو امان دے دیا اور ان کے راجہ ہی کو ان کے ملک پر بدستور قائم رکھ کر ان سے خراج مقرر کرلیا۔''

پھر ۴۳۵ھ کے وقائع میں سلطان مودود بن مسعود بن محمود غزنوی کا حملہ قلعہ دوپال ہرباتہ پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فطلب الهنود الامان على تسليم الحصن فامتنع المسلمون من اجابتهم الى ذلك الا بعد ان يضيفوا اليه باقى حصون ذلك الملك الذى لهم فحملهم الخوف و عدم الاقوات على اجابتهم الى ماطلبوا و تسلموا الجميع و غنم المسلمون الاموال و اطلقوا مافى الحصون من اسرى المسلمين و كافوا نحو خمسة الاف نفر۔(ص ۱۷۹ ج۹)

ترجمہ: ہندوؤں نے امان طلب کی اس شرط پر کہ ہم یہ قلعہ آپ کے حوالہ کردیں گے۔ مسلمانوں نے ان کو امان دینا اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ صرف یہی قلعہ نہیں بلکہ اپنے ملک کے باقی سب قلعے بھی ہمارے حوالے کردیں۔ ہندوؤں نے مجبور ہو کر اس کو تسلیم کیا تمام قلعے مسلمانوں کے سپرد کردیئے جن میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت بھی ملا۔ اور ان قلعوں میں جو تقریباً پندرہ ہزار مسلمان ہندوؤں نے قید کر رکھے تھے ان کو آزاد کرایا۔''

پھر اسی سال میں سلطان مذکور کا حملہ راجہ ثابت بالرائے پر اس کی شکست کا واقعہ لکھ کر لکھتے ہیں۔

وغنم المسلمون اموالهم و سلاحهم و دوابهم فلما رأى باقى

الملوك من الهند مالقى هؤلآء اذعنوا بالطاعة وحملوا الاموال وطلبوا الامان والاقرار على بلادهم فاجيبوا الى ذلك۔ (ص۱۷۹ ج۱)

ترجمہ: ''اور مسلمانوں نے ان کے اموال اور ہتھیار اور بار برداری کے جانور غنیمت میں حاصل کئے۔ جب ہندوستان کے باقی راجاؤں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو سب کے سب اطاعت وفرمانبرداری کے لئے تیار ہوگئے اور صلح کے لئے اپنے اموال پیش کئے اور درخواست کی کہ ہمیں امان دے دیا جائے اور اپنی زمینوں اور اپنے شہروں پر برقرار رکھا جائے۔ ان کی یہ درخواست قبول کی گئی۔''

اسی طرح ایک واقعہ میں فتح کے بعد ان لوگوں کو اپنی املاک پر برقرار رکھنا بایں الفاظ مذکور ہے۔

ثم انه من عليه ورده الى ولايته وقرر عليه مالا يحمله اليه كل سنة۔ (کامل ابن اثیر ص۲۲۸ ج۸)

ترجمہ: ''پھر سلطان نے اس راجہ پر احسان کیا اور اس کو اس کی ریاست پر لوٹا دیا اور اس کے ذمہ ایک رقم (بطور خراج) مقرر کردی جو سالانہ خزانہ شاہی میں جمع ہوا کرے۔''

اور بسلسلہ واقعات ۵۴۷ھ شہاب الدین غوری کے آگرہ پر حملہ اور ہندوؤں کی شکست کا مفصل تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وتمكن شهاب الدين بعد هذه الواقعة من بلاد الهند وامن معرة فسادهم والتزامواله بالاموال وسلموا اليه الرهائن وصالحوه۔

(ابن اثیر ص۶۰۶ ج۱۱)

ترجمہ: ''اس واقعہ کے بعد شہاب الدین نے بلاد ہند پر پورا قابو پالیا اور ہندوؤں کے غدر و فساد سے مامون ہوگیا۔ ان لوگوں نے اموال خراج کا پوری طرح التزام کرلیا اور اس کی پختگی کے لئے کچھ رہن رکھ دیئے اور مکمل صلح کرلی۔''

اس کے بعد قطب الدین ایبک کو دہلی کا علاقہ سپرد کرنے اور بختیار خلجی کا بہار، بنگال، آسام، تبت فتح کرنے کا تذکرہ بایں الفاظ فرماتے ہیں۔

واقطع مملوكة قطب الدين ايبك مدينة ذهلى وهى كرسى الممالك التى فتحها من الهند فارسل عسكراً من الخلج

محمد بختیار فملکوا من بلاد الهند مواضع ما وصل الیها مسلم قبله حتیٰ قاربوا حدود الصین من جهة المشرق۔ (ص۶۶ ج۱۱)

ترجمہ: ''اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو شہر دہلی بطور جاگیر دے دیا اور یہ شہر تمام ممالک مفتوحہ کا دارالسلطنت ہے۔ پھر قطب الدین ایبک نے خلجیوں کا ایک لشکر محمد بختیار خلجی کی قیادت میں (مشرق کی طرف) بھیجا۔ اس نے وہ مقامات فتح کر لئے جہاں ابھی تک کسی مسلمان کا قدم نہیں پہنچا تھا یہاں تک کہ مشرق کی سمت میں حدود چین کے قریب پہنچ چکے تھے۔''

تنبیہ

اس جگہ شہر دہلی کو بطور جاگیر دینے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی مراد یہ نہیں کہ دہلی کی تمام اراضی و مکانات کا مالک قطب الدین کو قرار دے دیا گیا اور نہ یہ ہے کہ باشندگان دہلی کو ان کی اراضی مملوکہ سے بے دخل کر کے ان کی پیداوار قطب الدین کا حق قرار دے دی گئی، بلکہ عطا جاگیر کی وہ قسم ہے جس کو باب اول میں چھٹی صورت قرار دیا ہے کہ اراضی بدستور مالکان اراضی کی ملک و تصرف میں رہیں ان کی پیداوار حسب سابق وہی حاصل کریں، جاگیردار کا حق صرف اس سالانہ خراج سے متعلق ہو جو سرکاری خزانہ بیت المال کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

اسی طرح محمد بختیار خلجی فاتح بہار و بنگال اور آسام کے متعلق تاریخ فرشتہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کو اودھ کا ایک پورا ضلع جاگیر میں دے دیا گیا تھا۔ اس عطاء جاگیر کی نوعیت بھی یہی تھی۔

پھر واقعات ۵۸۷ھ میں سلطان شہاب الدین کا راجہ اجمیر پر حملہ اور اس میں مسلمانوں کی شکست اور سلطان کا زخمی ہو جانا مذکور ہے (ابن اثیر ص۲۱۳ ج۱۱) اس کے بعد واقعات ۵۸۸ھ میں پھر سلطان شہاب الدین کی راجہ اجمیر پر حملہ کی تیاری اور یہ کہ جس روز سے وہ شکست کھا کر گئے تھے اب تک اپنے کپڑے نہ بدلے اور بیوی کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوئے اور عہد کیا کہ جب تک اس راجہ کو شکست نہ دیں آرام نہ کریں گے۔ پھر اس راجہ پر حملہ اور اس کو شکست دینا اور گرفتار کر لینا مفصل ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

فاخذه رای اجمیرا واخذ جمیع البلاد اللتی تقاربه واقطع جمیع البلاد لمملوکة قطب الدین ایبك وعاد الی غزنة وقتل ملك الهند۔ (ابن اثیر ص۳۷ ج۱۲)

''پس اجمیر اور اس کے علاقہ کے تمام شہروں پر قبضہ کیا اور یہ تمام بلاد مفتوحہ اپنے غلام قطب

الدین ایبک کو جاگیر میں دے دیئے اور خود غزنہ کی طرف لوٹ گئے اور راجۂ ہند کو قتل کر دیا۔

تنبیہ

ظاہر ہے کہ ان بلاد مفتوحہ کو قطب الدین ایبک کی جاگیر میں دے دینے کے یہ معنی نہیں تھے کہ یہاں کی اراضی کا ان کو مالک بنا دیا۔ یا پیداوار کا مالک بنا دیا بلکہ صورت وہی تھی کہ ان بلاد مفتوحہ کا خراج قطب الدین ایبک کے سپرد کر دیا۔ زمینوں پر بدستور مالکان سابق متصرف رہے۔ یہ کہیں منقول نہیں کہ ان بلاد کی اراضی مملوکہ سے ان کے مالکان سابق کو بے دخل کیا گیا ہو یا ان کو مالکانہ تصرفات بیع و شراء ہبہ و وقف سے روکا گیا ہو۔

پھر واقعات ۵۹۲ھ میں قلعہ بھکر پر حملہ اور اس کی فتح عنوۃً کا حال بایں الفاظ مذکور ہے۔

وحصر قعلة بهنكر وهى قعلة عظيمة منيعة فحصرها فطلب اهلها منه الامان على ان يسلموا اليه فامنهم وتسلمها واقام عندها عشرة ايام حتى رتب جندها واحوالها۔ (ابن اثیر ص ۴۷ ج ۱۲)

ترجمہ: ''اور قلعہ بھنکر کا محاصرہ کیا جو ایک بڑا محفوظ قلعہ ہے۔ پھر اہل قلعہ نے اپنی جانوں کی امان طلب کی۔ اس شرط پر کہ قلعہ سلطان کے سپرد کر دیں گے۔ سلطان نے ان کو امان دیا اور قلعہ پر قبضہ کیا دس روز یہاں قیام کر کے مقامی لشکر وغیرہ کا انتظام درست کیا۔''

اس کے بعد قلعہ گوالیار پر حملہ اور محاصرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فراسله من بهافى الصلح فاجابهم اليه على ان يقر القلعة بايديهم على مال يحملو نه اليه فحملوا اليه فيلا حمله ذهب۔ (ص ۴۷ ج ۱۲)

ترجمہ: ''اہل قلعہ نے سلطان سے صلح کے بارہ میں مراسلت کی۔ سلطان نے صلح قبول کر لی۔ شرائط صلح میں یہ طے ہوا کہ قلعہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں بدستور رہے وہ خراج ادا کرتے رہیں اور (بالفعل) ایک ہاتھی جس پر سونا لدا ہوا تھا سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔''

نہروالہ (انھلواڑہ) جس کو آج کل پٹن کہا جاتا ہے، ریاست جوناگڑھ میں ساحل بحر پر ایک قدیم شہر اور گجرات کا دارالسلطنت تھا آجکل معمولی سی بستی رہ گئی ہے، سلطان غزنوی نے اس کو فتح کیا تھا۔ پھر یہاں کے ہندوؤں نے تغلب کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان شہاب الدین نے ۵۹۶ھ میں قطب الدین ایبک کی قیادت میں اس کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ شدید

معرکہ کے بعد اس کو فتح کیا گیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

فملكها عنوة وهرب ملكها فجمع وحشد فكثر جمعه وعلم شهاب الدين انه لايقدر على حفظها الاباں يقيم هو فيها و يخليها من اهلها فتعذر عليه ذلك فان البلد عظيم واعظم بلاد الهند واكثرهم اهلا فصالح صاحبها على مال يؤديه اليه عاجلاواجلاواعاد عساكره عنها وسلمهاالى صاحبها۔(ص٦٦ج١٢)

''قطب الدین ایبک نے نہر والہ کو قہراً فتح کیا اور اس کا راجہ وہاں سے بھاگ گیا مگر باہر جا کر اس نے اپنے حمایتی راجاؤں کی اعانت سے پھر ایک جماعت اور لشکر جمع کر لیا۔ سلطان شہاب الدین نے محسوس کیا کہ اس صوبہ کی حفاظت بدون اس کے نہیں ہو سکتی کہ وہ خود یہاں قیام کریں اور یہاں کے باشندوں کو یہاں سے نکال دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر مشکل تھا، کیونکہ یہ شہر بلاد ہندوستان میں سب سے بڑا شہر تھا اور بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔ اس لئے سلطان نے اس کے راجہ سے اس پر صلح کر لی کہ بالفعل بھی کچھ مال دیں اور ہمیشہ خراج سالانہ ادا کرتے رہیں اور اپنے لشکر یہاں سے ہٹا لئے اور ملک اسی راجہ کے سپرد کر دیا۔''

تنبیہ

اس واقعہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ ملک کو قہراً فتح کرنے کی صورت میں سلطان کو جو یہ اختیار شرعاً حاصل تھا کہ پورے شہر کی اراضی سے اس کے باشندوں کو بیدخل کر کے ان کو غانمین میں تقسیم یا اراضی بیت المال (سرکاری زمینیں) قرار دے دے اس کو متعذر و مشکل سمجھ کر سلطان نے اس پر کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ مالکان اراضی سے بلا واسطہ اپنے حکام کے ذریعہ خراج وصول کرنے کو بھی دشواری سے خالی نہ پا کر وہیں کے راجہ کو ملک کا انتظام سپرد کر دیا اور خراج سالانہ اس سے مقرر کر لیا۔

یہ چند حوالے تاریخ ابن اثیر سے لئے گئے ہیں کہ اس کے مصنف ایک محقق عالم و زبردست محدث ہیں اور ساتھ ہی سلطان شہاب الدین غوریؒ کے ہم عصر بھی ہیں ان کے حالات و واقعات ان لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو خود سلطان شہاب الدین کی خدمت میں رہے تھے۔

اسی طرح دوسری تاریخیں بھی اس قسم کی تصریحات سے لبریز ہیں۔ مثلاً فرشتہ نے راجۂ لاہور جے پال کی گرفتاری اور پھر آزادی کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

''جے پال ودیگر اسیراں رابعد از قبول باج وخراج امان دادہ بگذاشت۔'' (ص ۱۴۱ ج ۱)

جامع التواریخ میں پشاور اور نگرکوٹ کی لڑائی کا حال لکھ کر تحریر کیا ہے۔

''ملوک ہند اطاعت وخراج قبول ساختہ دہ ہزار سوار ملازم سلطان (یعنی محمود غزنوی) گردانیدند'' (آئینہ ص ۱۸۲)

آئینہ حقیقت نما میں ایسی تصریحات بیشمار ملتی ہیں ان میں چند بطور مثال یہ ہیں۔

۴۶۳ھ میں ہندوؤں نے پھر زور پکڑ کر تھانیسر اور ہانسی پر قبضہ کرلیا۔ یہ حال سن کر ۴۶۵ھ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی نے حملہ کیا اور ہندوؤں سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنے عامل مقرر کر دیئے۔

ہردوار کا علاقہ بھی فتح کیا ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا ان سے خراج وصول کیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت وشوکت پھر ہندوستان میں قائم کر دی۔ (آئینہ ص ۲۱۹ ج ۱)

۵۹۲ھ قطب الدین ایبک نے ایک زبردست فوج لے کر گجرات کے راجہ بھیم دیو پر چڑھائی کی اور فتح پا کر اس سے اقرار اطاعت وخراج لیکر واپس ہوا۔ (ص ۲۵۳)

خلجی قبیلہ کا ایک شخص محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج میں ایک جاگیر حاصل کر سکا۔ جب محمد محمود کا انتقال ہوا تو اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو وہ جاگیر مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں اپنے لئے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر اس جاگیر کو چھوڑ دیا اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین اغلبک کے پاس پہنچا اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصہ میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار خلجی نے ملک حسام الدین کو کئی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اس قدر مہربان کر لیا کہ اس نے ایک چھوٹی سے جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ (آئینہ ۲۵۶)

تنبیہ

مذکور الصدر جاگیر کی کیفیت سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ یہ عطاء جاگیر بطور تملیک نہ تھی اور نہ اس طرح کہ مالکان اراضی کو بے دخل کر کے ان کی پیداوار جاگیردار کو دی جائے، بلکہ وہی چھٹی صورت کی جاگیر تھی کہ سرکاری محصول (خراج) جو بیت المال میں داخل ہوتا اس کا کوئی حصہ ان کے لئے مقرر کر دیا گیا اور اس علاقہ کی حکومت وانتظام بھی جاگیردار کو سپرد کر دیا گیا۔

علاؤالدین خلجی نے چوتھی مرتبہ ۷۱۲ھ میں ملک کافور کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایلچ پور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ ہے اور اب تک ریاست دیوگیر کے زیر اہتمام رہا ہے پہنچ کر قیام کرو اور دیو اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمہارا کام ہوگا اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو تو اس کو قتل یا گرفتار کر کے تم دیوگیر کو اپنا قیام گاہ بناؤ اور اپنی طرف سے امراء اور صوبہ دار مقرر کردو۔

ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعی منحرف ہو چکا تھا جاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ ہرہٹ میں گلبرگہ اور رائچور تک اپنے اہل کار اور امراء مقرر کر دیئے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں ہر جگہ شاہی تھانے مقرر کر دیئے۔ (آئینہ ص ۲۱۹)

تنبیہ

مذکور الصدر بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کسی راجہ کو اپنی ریاست پر بوعدۂ باج وخراج باقی رکھنے یا بلاواسطہ شاہی مقبوضات میں داخل کر لینے میں صرف اتنا فرق تھا کہ پہلی صورت میں مالکان اراضی سے خراج وصول کرنا راجہ کا کام تھا۔ سلطنت اسلامیہ پورے علاقہ کا خراج اس راجہ سے مقرر کر کے وصول کرتی تھی۔ اور دوسری صورت میں حکومت اسلامیہ کو یہ کام اور پورے ملکی انتظام اپنے امراء اور صوبہ داروں کے ذریعہ کروانے پڑتے تھے۔ مالکان اراضی دونوں صورتوں میں اپنی اپنی زمینوں پر بدستور مالک ومتصرف رہتے تھے۔ پوری فتوحات ہند میں کسی ایک جگہ بھی یہ کہیں مذکور نہیں کہ مالکان اراضی کو ان کی ملکیت یا تصرف سے بے دخل کیا گیا ہو۔ چنانچہ خاندان خلجی کی تباہی اور خسرو خاں نمک حرام کی کمینہ حرکات سے جب کہ سلطنت دہلی متزلزل ہوئی اور دکن، جونپور، بنگال کے راجہ باغی ہو گئے تو سلطان غیاث الدین تغلق نے تخت دہلی پر بیٹھتے ہی ان بغاوتوں کو فرو کرنے کا انتظام کیا۔ اپنے بیٹے محمد تغلق کو دکن فتح کرنے پر مامور کیا اور محمد تغلق پہلی مرتبہ اپنی فوج میں تفرقہ پڑ جانے کے سبب ناکام رہنے کے بعد دوسرے حملہ میں کامیاب ہوا اور قلعہ ورنگل کو فتح کر کے اس علاقہ کو براہ راست اسلامی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا تو اس الحاق اور جدید انتظام کا حال ''آئینہ حقیقت نما'' میں بایں الفاظ مذکور ہے۔'' محمد تغلق نے ورنگل میں قیام کر کے تلنگانہ کا انتظام کیا اور اس کے علاقہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے شقہ دار اور جاگیردار اپنی طرف سے مقرر کئے۔ رعایا کو کسی قسم کی زحمت اور اذیت نہیں پہنچائی بلکہ ان ملکوں کی ہندو رعایا براہ راست اسلامی حکومت اور سلطانی انتظام میں آ کر زیادہ آزاد اور

خوش نظر آنے لگی۔'' (آئینہ حصہ دوم ص ۱۱)

(ف) ظاہر کہ اگر اسلامی سلطنت کے ساتھ الحاق اس طرح ہوتا کہ مالکان اراضی کی ملکیت اور تصرفات ختم کر دیئے جاتے تو اس سے زیادہ کون سی اذیت رعایا کو پہنچ سکتی تھی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت جاگیرداری کی عام صورت وہی چھٹی صورت تھی کہ خراج (سرکاری محصول) کا کوئی حصہ جاگیردار کو دیا جاتا تھا۔ زمینوں کی ملکیت سے انکا کوئی تعلق نہ تھا اور پیداوار سے بھی ان کا تعلق صرف اس صورت میں تھا کہ خراج مقاسمہ (بٹائی) کی صورت مقرر ہو ورنہ ان کا حصہ صرف خراج میں ہوگا۔

خلاصہ۔ فتح اراضیٔ ہند کی تکمیل علاؤالدین خلجی پر

فتوحات ہند کے تفصیلی مطالعہ اور تصریحات منقولہ بالا کے اجمالی استحضار سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ مسلم فاتحین سندھ و ہند نے باشندگان ملک کی عام اراضی مملوکہ پر نہ بیت المال کا مالکانہ قبضہ کیا اور نہ غانمین و مجاہدین میں تقسیم کیں بلکہ باشندگان ملک اپنی اپنی مملوکہ زمینوں پر بدستور مالک و متصرف رہے جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک عراق، شام، مصر کی زمینوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا اور یہ سلسلۂ فتوحات ہند محمود غزنوی سے شروع ہو کر سلطان علاؤالدین خلجی پر تمام ہوا۔ اور ابتداء فتح میں جو احکام و معاملات اراضی کے متعلق نافذ ہونا تھے وہ اس وقت تک ہو چکے۔ اس کے بعد اراضی مملوکہ کی ملکیت میں سرکاری تغیر و تبدل کا حق خود سلطان فاتح کو بھی نہیں رہا۔ بعد کے آنے والے سلاطین کو تو کیا ہوتا، امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ہے

ان یخرج شیئا من یداحداً الا بالحق ثابت معروف (شامی، اشباہ، رسائل حنفیہ وغیرہ)

اس لئے تاریخ ہند کا وہ حصہ جس پر عام احکام اراضی موقوف ہیں وہ علاؤالدین خلجی کے عہد پر ختم ہو جاتا ہے بعد کے سلاطین کا عمل و تعامل ملکیت اراضی کے بارہ میں نہ کوئی شرعی حجت ہے اور نہ اراضی کے احکام شرعیہ پر اس کا کوئی معتد بہ اثر ہے۔

البتہ غیر مملوکہ اراضی میں سے اقطاع یعنی جاگیر دینے اور اس میں امام کو سات قسم کے اختیارات جس کی تفصیل رسالہ القول الماضی میں آ چکی ہے وہ ہر سلطان وقت کے لئے باقی

رہتے ہیں۔ جس کا اثر ملکیت اراضی پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان میں سلاطین کی دی ہوئی جاگیروں کی کیفیت پر ایک نظر ڈالی جائے کہ وہ جاگیریں کس قسم میں داخل ہیں اور ان کی اراضی پر ملکیت کس کی ہے۔

جاگیرداری اور تعلقہ داری

اقطاعات یعنی عطاء جاگیر کا دستور جو زمانۂ نبوت سے جاری تھا اس کی اصلی صورت یہ تھی کہ اسلامی خدمات کرنے والے مجاہدین، علماء، قضاۃ، مفتیین، عباد و زہاد وغیرہم جو اپنے اپنے کام محض اللہ کے لئے انجام دیتے تھے، اسلامی سلطنت ان کی ضروریات کی کفالت کرتی تھی۔ کبھی نقد عطیات سے جو بیت المال کے شعبۂ خراج (مالگذاری) سے دیئے جاتے تھے اور کبھی جاگیروں کی صورت میں۔ پھر کبھی یہ جاگیریں ان کی ملک بنا کر دیدی جاتی تھیں اور کہیں صرف پیداوار منافع حاصل کرنے کا اختیار جاگیردار کو ہوتا۔ رقبہ زمین بدستور بیت المال کی ملک میں رہتا تھا۔ پھر یہ منافع کی بخشش کہیں تاحیات جاگیردار اور کہیں نسلاً بعد نسل اور کہیں صرف تا حکم ثانی ہوتی تھی اور اس قسم کی جاگیر میں ردوبدل اور منسوخ کرنے کا اختیار امام کو حاصل رہتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے عام اقطاعات تملیک کی صورت میں تھے اور صحابۂ کرام ؓ اور خلفاء راشدین کے اقطاعات میں مذکور الصدر صورتیں بھی پائی جاتی ہیں جن کے کچھ آثار رسالہ القول الماضی میں بھی نقل ہوئے ہیں اور ابوعبید کی کتاب الاموال اور امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔

خلفاءِ مابعد کے زمانہ میں مذکورہ صورتوں کے سوا ایک اور صورت بھی پائی گئی جس کا اختیار امام کو حاصل ہے وہ یہ کہ جاگیردار کو نہ رقبۂ زمین کا مالک بنایا جائے اور نہ زمین کی پیداوار و منافع کا، بلکہ اس زمین سے جو خراج بیت المال کو حاصل ہوتا ہو۔ اس کا کوئی جزو یا کل کسی شخص کو بطور جاگیر دے دیا جائے جیسا کہ اس کی تفصیل رسالہ ''القول الماضی'' میں آچکی ہے۔ سلاطین ہند کے اقطاعات عموماً اسی قسم میں داخل ہیں بلکہ سلطان محمود غزنویؒ سے لے کر شہاب الدین غوریؒ کے آخری عہد تک تو ہندوستان کا نظام سلطنت اکثر و بیشتر اسی قسم کی جاگیرداری پر قائم تھا کہ جس راجہ کا ملک فتح کیا اسی کو ریاست کا جاگیردار قرار دے کر اس سے کچھ باج و خراج بیت المال کے لئے مقرر کر لیا گیا۔ باقی کا وہ مالک و مختار رہا۔

پھر غوریوں کے عہد میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں کی مسلسل سرکشی و بد عہدی سے مجبور ہو کر شہاب الدین غوریؒ کے آخری عہد میں یہ سلسلہ شروع ہوا کہ جس راجہ نے باج گذاری سے انکار کیا یا بغاوت و سرکشی کی اس کو ریاست سے علیحدہ کر کے خود سرکاری حکام خراج وصول کرنے کے لئے مامور کر دیئے گئے۔ اس میں یہ صورتیں بھی پیدا ہوئیں کہ ایک ریاست کے چھوٹے چھوٹے حصے کر کے مسلمان سرداروں کو بطور جاگیر دے دیئے کہ خراج اپنے اپنے علاقہ کا وہ وصول کریں اور اس کا کوئی حصہ بیت المال میں داخل کریں۔ باقی وہ اپنے مصارف میں صرف کریں۔ یہی ان سرداروں کی خدمات کا صلہ یا تنخواہ ہوتی تھی۔ شدہ شدہ اکثر فوج کی تنخواہوں کی یہی صورت ہوگئی کہ جاگیروں کی صورت میں دی جانے لگی۔ افسران فوج کو پنج ہزاری، دوازدہ ہزاری کے منصب عطا ہوتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ پنج ہزاری جاگیردار کے ماتحت پانچ ہزار ہفت ہزاری کے ماتحت سات ہزار فوج رہتی تھی جنکے مصارف کے مطابق جاگیر منصب دار کو دی جاتی تھی۔ جاگیرداروں کے علاوہ کچھ سپاہ براہ راست بھی سرکاری انتظام میں رہتی تھی۔

صولت۔ شیر شاہی مصنفہ سید احمد مرتضیٰ ٹونکی میں ہے۔ "پرگنات میں جو افواج حفاظتی مقرر تھی اس کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار تھی۔ جاگیرداروں اور منصب داروں کے پاس جو فوج تھی وہ اس کے علاوہ ہے۔ جاگیرداروں کے سپاہ کی جمعیت کا یہ طریقہ تھا کہ کسی کو پانچ سو سواروں کسی کو ہزار سواروں کسی کو بارہ ہزار سواروں تک کا بادشاہ کی طرف سے منصب عطا کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی سواروں کی تنخواہ اور منصب داروں کی امیرانہ حیثیت کے مصارف کے لائق پرگنات جاگیر میں دیئے جاتے تھے کہ اس کی آمدنی سے سواروں کا صرفہ ادا کرتے رہیں اس طرح وہ فوج شاہی فوج سمجھی جاتی تھی۔ لڑائی کے وقت اس سے کام لیا جاتا۔ سالانہ اس فوج کی جانچ ہوتی تھی۔ (صولت ص ۱۰۳)

اراضی ہند کا جدید انتظام بزمانہ علاؤ الدین خلجی پر

علاؤ الدین خلجی جب فتوحات سے فارغ ہوئے اور ہندوستان کا پورا برا عظم دہلی کی اسلامی سلطنت کے ماتحت آگیا اور اندرونی اصلاحات اور رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہوئے تو اس وقت منجملہ دیگر انتظامات جدید کے انہوں نے فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دینے کے قاعدہ کو منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا۔ نیز ایک تغیر یہ بھی کر ڈالا کہ مالکان اراضی سے جو نقد خراج (لگان) مقرر تھا اس کی بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا اور بجائے نقد خراج کے غلہ کا ایک مقررہ حصہ مالکان اراضی سے وصول ہونے لگا۔ اسی غلہ کی بٹوارہ کے لئے تحصیلدار اور

پٹواری (جو غالباً اصل میں بٹواری تھا) مقرر کئے گئے۔

فقہاء کے اصطلاحی لفظوں میں اس تغیر کا عنوان یہ ہے کہ خراج موظف (مقررہ لگان) کے بجائے خراج مقاسمہ (بٹائی) کردی گئی۔ (آئینۂ حقیقت نما و نزہتہ الخواطر ص ۵۰)

علاؤالدین خلجی نے اگر یہ تصرف وتغیر بلا رضائے مالکان جبری طور پر کیا تھا تو شرعاً جائز نہیں تھا کیونکہ اول فتح میں جو صورت معاملہ اراضی کے متعلق طے ہو جائے اس کو بغیر رضائے مالکان بدلنے کا بعد میں کسی کو اختیار نہیں کیونکہ یہ ایک قسم کا نقض عہد ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔ ردالمحتار کتاب الخراج میں بحوالہ کافی مذکور ہے۔

وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف الی خراج المقاسمة۔ اقول و کذالك عکسه فیما یظهر من تعلیلة لانه قال فیه نقض العهد وهو حرام۔ (شامی ج۳)

ترجمہ: ''کافی میں ہے کہ امام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ خراج مؤظف (نقد لگان) کو خراج مقاسمہ (بٹائی) میں تبدیل کردے اور میں کہتا ہوں کہ اس کا عکس بھی یعنی خراج مقاسمہ کو خراج مؤظف میں تبدیل کرنا بھی ایسا ہی ناجائز ہے کیونکہ عدم جواز کی علت دونوں میں مشترک ہے۔ وہ یہ کہ اس تبدیلی میں عہد سابق کو توڑنا لازم آتا ہے اور نقض عہد حرام ہے۔''

بہر حال علاؤالدین خلجی نے نقد خراج کے بجائے بٹائی کا قانون بنادیا۔ جاگیروں کی صورت میں فوج کی تنخواہوں کا قاعدہ منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا یہ طریقہ بعد کے سلاطین غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کے نزدیک بھی مفید ثابت ہوا تھا اس لئے ان کے عہد تک یہی قانون جاری رہا۔ (آئینہ ص ۱۱۲ ج ۲)

محکمہ زراعت کا قیام زراعت کو ترقی بعہد سلطان محمد تغلق

سلطان محمد تغلق نے علاؤالدین خلجی کے جاری کردہ قانون بٹائی اور فوج کی نقد تنخواہوں کو خصوصیت سے اس لئے مفید پایا کہ ان کے زمانہ میں سات سال مسلسل قحط پڑا۔ اس وقت اس بٹائی کے غلہ سے خلق خدا کی جان بچانے میں بڑی مدد ملی۔ محمد تغلق جو نہایت رعایا پرور عادل بادشاہ تھا اس کو رفاہ عام کے لئے پیداوار بڑھانے کا بیحد خیال تھا۔ پھر اس قحط عظیم نے اس کی تمام تر توجہ اس طرف پھیر دی۔ ۷۳۷ھ کا پورا سال زراعت کو ترقی دینے میں صرف کیا۔ زراعت کا ایک خاص

محکمہ قائم کیا۔ دریاؤں سے نہریں نکالنے کے لئے اہلکار مامور کئے۔ ملک تاتار خاں حاکم پنجاب کے نام احکام صادر کئے کہ اپنے صوبہ میں بذریعہ چاہات آبپاشی اور زراعت کے کام کو ترقی دے۔

ہر ضلع اور تحصیل میں تخمینے تیار کر دیئے کہ آبپاشی کے ایک کنویں میں کس قدر لاگت بیٹھتی ہے اور کتنی دور پانی نکلتا ہے۔ نہریں کن کن راستوں میں ہو کر بہ سکتی ہیں۔ پنجاب اور صوبجات متحدہ کے اضلاع میں سفر کرنے والوں کو جا بجا کھیتوں میں کنویں نظر آتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے کہ یہ سلطان محمد تغلق کی یادگار ہفت سالہ قحط کی نشانی ہیں۔

نہروں کی اسکیم تو محمد تغلق تیار کر چکے تھے۔ مگر اس کے عمل میں لانے کی ان کو مہلت نہ ملی اس کے اکثر حصہ پر عمل سلطان فیروز تغلق کے عہد میں ہوا۔ (آئینہ ص ۹۷ ج ۲ بحوالہ ضیاء برنی)

سلطان محمد تغلق نے میاں دوآب کے تمام قابل زراعت رقبہ کو سو مساوی مربعوں میں تقسیم کیا ایک مربع کو ایک ضلع سمجھنا چاہیئے۔ ہر مربع کی لمبائی چوڑائی تیس تیس کوس تھی۔ اس تیس کوس مربع رقبہ کے لئے ایک افسر نہایت وسیع اختیارات کے ساتھ مامور کیا گیا۔ اس طرح سو افسر مامور ہوئے ان کو حکم دیا گیا کہ بنجر زمینوں کو مزروعہ اور جو مزروعہ ہیں ان میں ادنیٰ ادنیٰ جنس کی جگہ اعلیٰ جنس کاشت کریں۔ (تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی از آئینہ ص ۱۰۶)

سلطان موصوف کے عہد میں تحصیل خراج کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ایک گاؤں میں ایک مقدم (نمبر دار) ہوتا تھا۔ کئی کئی گاؤں کے ذیلدار جو فوطہ دار کہلاتے تھے اپنے حلقہ کے دیہات کا زر مالگذاری فراہم کر کے خزانہ شاہی میں داخل کرتے تھے۔ کئی کئی فوطہ داروں کے علاقے ملا کر پرگنے اور عملے کہلاتے تھے۔ ان پرگنوں یا عملوں کا تعلق اگر براہ راست دفتر وزارت سے ہوتا تو ان پر شاہی اہل کار عامل یا شقہ دار وغیرہ ناموں سے مامور و منصوب ہوتے تھے اور اگر یہ پرگنے کسی شخص کی جاگیر ہوتے تو وہ جاگیردار امیر یا مُقْطَع کہلاتا تھا۔ اس پرگنہ کے مرکزی مقام میں ایک مسلمان قاضی جو شاہی ملازم ہوتا انفصالِ خصومات اور مسلمانوں پر حدود شرعیہ جاری کرنے کے لئے رہتا۔ (آئینہ ص ۲ ج ۳)

الغرض سلطان محمد تغلق نے زراعت کو ترقی دینے میں بڑی جدوجہد کی اور فوج کی تنخواہیں بجائے جاگیروں کے خزانہ شاہی سے نقد دینے کا دستور جو علاؤالدین خلجی نے جاری کیا تھا اس کو مفید سمجھ کر جاری رکھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ علاؤالدین خلجی یا محمد تغلق نے عطاء جاگیر کا سلسلہ بند کر دیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تنخواہوں کے بجائے جاگیریں دینے کا دستور ختم کر دیا تھا۔ ویسے

اسلامی اور ملکی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کرنے کا سلسلہ ہر زمانہ میں جاری رہا۔ سلطان محمد تغلق نے جو جاگیریں صرف ہندوؤں کو عطا کیں ان کی تفصیل ''آئینہ حقیقت نما'' میں حسب ذیل ہے۔

سلطان محمد تغلق کی ہندو نوازی

کستانا یک ابن رڈ ردیو کو اس کے آبائی علاقہ کا حاکم بنا کر دہلی سے رخصت کیا۔ کرناٹک کا علاقہ بھی باج وخراج کا اقرار لے کر وہاں کے قدیمی ہندورایوں اور راجاؤں کے سپرد کر دیا۔ خیبر کا علاقہ ناگدیو کو سپرد کیا۔ پنجاب کے دوآبہ رچنا کا بڑا حصہ تلک چند گھگڑ کی حکومت میں دے دیا۔ اودھ اور بہار کے بعض اضلاع میں بھی اس نے وہاں کے ہندوؤں کو سند حکومت عطا کر دی۔ صوبہ گجرات کا بہت بڑا حصہ ہندورایوں اور راجاؤں میں تقسیم کر کے وہاں ایک سلطانی امیر مقرر کیا کہ وہ باج وخراج کی وصولی اور ہندو راجاؤں کی نگرانی کرتا رہے۔ ماندیو کو بکلانہ کا حاکم بنا دیا۔ رائے مہاروپ کو بھی گجرات ہی کے علاقہ میں ایک تعلقہ عطا کیا۔ نہر والہ میں حوض سہسلنگ کے مہنتوں کو بھی عاملانہ اختیارات اور جاگیریں عطا کیں۔ ٹھٹھہ کی حکومت بھی ایک ہندو مسمی رائے انر کو عطا کی۔ مقام گونڈل متصل ٹھٹھہ میں بھی ایک ہندو حکمران تھا۔ گلبرگہ کی حکومت پر بھی ایک ہندو کو مامور کیا تھا۔ گورکھ پور کا علاقہ بھی ایک ہندو کی حکومت میں دے دیا گیا تھا۔ میوات کی حکومت بھی ایک ہندو کو عطا کی گئی۔ سامانہ کی نظامت میں چوہان اور دوسرے ہندوؤں کو حکومتیں عطا کی گئیں۔ کوہ پایہ کا علاقہ (موجودہ ضلع سہارنپور دہرہ دون) راجپوتوں اور گوجروں کے سپرد کر دیا گیا۔ سالورہ کا علاقہ (موجودہ ضلع انبالہ) پرداری راجپوتوں کو عطا ہوا۔ کیتھل اور سنام میں منڈاہر اور بھٹی راجپوتوں کو برسر اقتدار بنایا گیا۔ برن (بلند شہر) کی نظامت میں بھی ہندو ریاستیں موجود تھیں۔ (مستفاد از تاریخ فرشتہ و تاریخ فیروز شاہی و طبقات اکبری و منتخب التواریخ وغیرہ)

(آئینہ حقیقت نما حصہ دوم ص ۳۲)

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم زمانہ سے جو یہ دستور چل گیا تھا کہ فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دی جائیں۔ یہ قانون علاؤالدین خلجی نے منسوخ کیا اور سلطان محمد تغلق کے عہد تک اسی طرح رہا کہ فوج کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے نقد دی جاتی تھیں۔

سلطان محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق تخت نشین ہوئے تو انہوں نے پھر وہی پرانا قاعدہ جاگیروں کے صورت میں فوج کی تنخواہوں کا جاری کر دیا۔ (آئینہ ص ۱۱۲ ج ۲) اور شاید یہی سبب بعد میں سلطنت

کی بربادی کا ہوا کہ مرکزی حکومت میں ضعف آیا۔ جاگیردار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن گئے اور خاندان تغلق کے بعد سیدوں کی حکومت ۸۱۷ھ سے ۸۸۳ھ تک باسٹھ سال۔ اس کے بعد لودھی خاندان کی حکومت ۸۹۴ھ تک پھر سوری پٹھانوں کی حکومت ۹۶۰ھ تک اسی طرح رہی کہ مرکزی سلطنت کے حصے بخرے ہو کر علیحدہ ہو چکے تھے پھر اس کے بعد تو ایسی طوائف الملوکی شروع ہوئی کہ ایک ایک شہر، ایک ایک قصبہ کا ایک امیر و سلطان خود مختار ہو گیا۔ ۸۱۷ھ سے ۹۶۲ھ تک تو ڈیڑھ سو سال یہی طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ تا آنکہ ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے پھر ایران سے واپس ہو کر ہندوستان فتح کر کے متحدہ اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کی اور خاندان مغلیہ کا دور آیا۔

اس ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور جنگ و جدال کا بازار گرم رہا۔ کوئی تعمیری کام ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ اس پورے دور میں قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق کام ہوا تو شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہوا جس نے اپنے مختصر سے پنج سالہ دور حکومت میں اپنی جنگی اور انتظامی قابلیت سے ایک طرف تو ہندوستان کے اکثر علاقہ کو فتح کر لیا، دوسری طرف بہت سے تعمیری کام رفاہ خلق کے انجام دیئے۔ اراضی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ محقق مؤرخین لکھتے ہیں کہ آئین اکبری اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے، جسے ابو الفضل نے اپنی ادبی قابلیت سے مزین کر کے پیش کر دیا۔

شیر شاہ کے جدید انتظامات و قوانین کی تفصیل صولت شیر شاہی مصنفہ منشی سید احمد مرتضٰی وکیل عدالت ریاست ٹونک میں مذکور ہے۔ اس کا کچھ حصہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے اراضی کے انتظام کی صورت اور عہدہ داروں کی تفصیل اور نام معلوم ہوں گے نیز دوسری معلومات بھی ذیل میں آ جائیں گی۔

شیر شاہ کے عہد میں ملکی اور مالی انتظام

سلطان شیر شاہ نے اپنے ممالک محروسہ کو (۴۷) قسمت اور ایک لاکھ انیس ہزار پرگنوں پر تقسیم کیا تھا (پرگنات کو آج کل کی تحصیلات سمجھنا چاہئے) ہر پرگنہ میں حسب ذیل عہدہ دار مقرر کئے۔

عامل، شقہ دار، فوطہ دار (خزانچی) کارکن فارسی نویس، کارکن ہندی نویس، چوہدری قانونگو، امین (زمین کی پیمائش کرنے والا) چند پرگنوں کو ملا کر ایک سرکار (ضلع) اور اضلاع کو صوبہ کے ماتحت کیا۔ ہر ضلع میں عہدہ داروں کی تفصیل یہ تھی۔

صدر شقہ دار، صدر منصف، صدر قانونگو اور ان کے ماتحت بقدر ضرورت عملہ اور زمین زرعی کی

پیمائش سالانہ مقرر کی ۔ سوتی جریب (۵۵) گز فی گز (۳۳) انچ کی ایجاد کی ۔ پیمائش کرنے والوں کا مستقل عملہ ملازم تھا۔ ہر جدید پیمائش کی رو سے افراد جمع بندی تیار ہوتیں اور ان کی رو سے خراج بحق دیوان (سلطنت) وصول ہوتا۔ پیداوار زرعی کا نصف حصہ کاشتکاروں کا حق ہوتا اور نصف میں سے آدھا مقدم (زمیندار) کو ملتا اور آدھا بحق دیوان وصول ہوتا۔ مقدم کا استحقاق اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ گاؤں کا نگران ہوتا۔ کاشتکاروں کی ضروریات کا مہیا کرنا ان کے خانگی تنازعات کا تصفیہ کرنا۔ وصولی میں شاہی ملازموں کو مدد دینا ہر قابل انتظام امور کی حاکم پرگنہ کو اطلاع دینا یہ سب کام اسی کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔

خراج کا تعین اجناس کی نوعیت پر رکھا گیا تھا جس کی وصولی کے وقت خاص طور پر نگرانی اس لئے کی جاتی تھی کہ مقدم (چودھری) محصل وغیرہ کاشتکاروں سے مقدار معین سے زیادہ وصول نہ کر سکیں اور نہ حقوق شاہی میں تصرف کرنے کا ان کو موقع مل سکے۔ قانونگو اور صدر قانونگو، ایک بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ سرحدی تنازعات کا تصفیہ، افراد جمع بندی کی پڑتال، لگان میں کمی بیشی کا اختیار، سال کے ختم پر جمع خرچ پرگنہ کا مرتب کر کے ضلع میں روانہ کرتا، اور ہر رطب و یابس کی تحریری اطلاع دیوان شاہی میں بھیجنا خاص ان کے فرائض تھے۔ قانون گو اور چودھری کے وہ جدید عہدے خاص شیر شاہ نے مقرر کئے جن پر استحقاق موروثی قرار دیا گیا۔ اور جو لوگ ان عہدوں پر مقرر کئے گئے ان میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی۔ دیگر ملکی عہدوں پر بھی ہندو سرفراز تھے۔ مال کے مقدمات میں قانون گو کو ایسے وسیع اختیار تھے جو اس زمانہ میں کلکٹر کو بھی حاصل نہیں۔

تبادلہ حکام

شیر شاہ اپنے اس اصول پر بھی سختی سے پابند رہا کہ ہر سال یا زیادہ سے زیادہ دوسرے سال کے بعد عاملان پرگنات و اضلاع کو تبدیل کر دیتا۔ اس کا یہ قول تھا کہ ان کا اختلاط ماتحت اہلکاروں اور رعیت سے اس قدر عمیق اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ وہ سرکاری آمدنی کے تصرف کرنے اور خود مختاری کا اثر قائم کرنے میں دلیر ہو جاتے ہیں اس لئے جلد جلد تبدیل کرنے میں مصلحت دیکھتا ہوں۔

رفاہ عام

رفاہیہ امور کی تنظیم اور اس کے اجراء میں شیر شاہ نے بہت زیادہ حصہ لیا اور سڑکوں اور سڑکوں کے کنارے ہر دو کوس کے فاصلہ سے بکثرت سرائیں بنوائیں اور قریب قریب چاہت کندہ

کرائے۔ سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار اور پھل دار درخت نصب کرائے تا کہ مسافروں کو آرام و آسائش نصیب ہو۔ ایک سڑک دریائے سندھ کے کنارہ سے خلیج بنگال تک دو ہزار کوس کے طول میں تھی۔ اور یہ طول اس قدر تھا کہ پیدل چلنے والے مسافرین چار ماہ میں طے کر سکتے تھے۔ دوسری سڑک آگرہ سے مانڈو ہوتی ہوئی برہانپور (سرحد ملک دکن) تک تقریباً چھ سو کوس۔ تیسری سڑک آگرہ سے جودھ پور ہوتی ہوئی چتوڑ (راجپوتانہ) تک۔ چوتھی سڑک لاہور سے ملتان تک ہر ایک کوس پر ایک بلند مینار بطور نشان کوس قائم تھا۔ ان تمام سڑکوں پر سترہ سو سرائیں تھیں۔ ہر سرائے میں مسلمانوں کے قیام کا جدا اور ہندوؤں کے آرام کے لئے جدا مکان تھے۔ اسی طرح ہر سرائے میں دو دروازے رکھے تھے ایک دروازے پر مسلمانوں کے لئے، دوسرے پر ہندوؤں کے لئے پانی کی سبیلیں قائم تھیں۔ اس سے زیادہ آرام کی بات یہ تھی کہ مسلمان مسافرین کے کھانے پکانے باورچی اور ہندوؤں کے لئے برہمن ملازم تھے۔ گرم و سرد پانی ہر وقت موجود رہتا جو نہانے اور پینے کا کام آتا۔

برہمنوں کے متعلق ہندو مسافرین کے لئے بستر کرنا، رسوئی (کھانا) بنانا اور گھوڑوں کے لئے دانہ لانے کا کام سپرد تھا۔ اس طرح مسلمان مسافرین کی خدمات کے لئے علیحدہ ملازم مقرر تھے۔

مسافرین پر سرائے کے قیام کا کوئی ٹیکس نہ تھا۔ چارہ، دانہ جانوروں کے لئے اور ہر طرح کا ضروری سامان مثل اجناس، ترکاری، گھی، لکڑی وغیرہ آدمیوں کیلئے مفت ملتا تھا۔

سب سے زیادہ خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر سرائے کے وسط میں ایک پختہ مسجد اور اس کے متصل کنواں تھا ہر مسجد میں ایک مؤذن ایک خادم اور ایک پیش امام بھی مقرر تھا جن کو دیوان شاہی سے تنخواہیں ملتی۔ ان تمام آسائشی سروسامان کے علاوہ سرائے اور مسافرین کی حفاظت کیلئے ایک شحنہ (افسر پولیس) اور کئی چوکیدار مقرر تھے جن کو معاوضۂ خدمت کے صلہ میں سرائے کے متصل قابل کاشت بطور معافی ملی ہوئی تھیں۔

خبر رسانی کے سلسلہ میں دو گھوڑے مع سوار ہر سرائے میں مقرر تھے۔ تاریخ فرشتہ کی عبارت اس سلسلہ میں یہ ہے۔

> ''شیر شاہ پانزدہ سال در امارت گذرانید و پنج سال بادشاہی بلاد ہند کرد، بہ عقل و تدبیر صائب امتیاز تمام داشت و آثار پسندیدہ بسیار گذاشت۔ چنانچہ از بنگالہ و سنار گاؤں تا آب سندھ کہ بہ آب نیلاب اشتہار دارد و یک ہزار پانصد کردہ ہست۔

ودر ہر کردہ سرائے ساختہ چاہ ومسجد از خشت پختہ وگچ پرداختہ۔ مؤذن ومقری و امامے مقرر نمودہ آنہارا وظیفہ معین کردودر ہر سرائے یک دروازہ طعام پختہ وخام برائے مسلمانان و دروازۂ دیگر کذلک برائے ہندوواں مقرر نمودہ کہ دائم مے رسانیدندتا مسافراں عسرت نکشیدہ باشندودر ہر سرائے دواسپ بنام کہ بزبان ہندی ڈاک چوکی گویند نگاہ داشتہ کہ ہرروز خبر نیلاب واقصائے بنگالہ باومی رسید۔ دریں راہ از ہر دو جانب خیابان از درختان میوہ دار ازقسم کھرنی و جامون وغیرہ نہال نشایندہ بود کہ خلائق درسایہ اش آمد وشدمی کردند ہمیں طریق از آگرہ تا سندھ کہ سی صد کردہ است درختاں میوہ ابر پا کردہ بودو سرائے ومسجد ساختہ۔"

ضروری تنبیہ عہدہ مقدم کی تشریح

پرگنات و دیہات سے خراج وصول کرنے کے لئے جو حکام مقرر کئے جاتے تھے ان میں علاؤالدین خلجی کے زمانہ سے ایک عہدہ مقدم کا بھی تھا۔ تغلق اور پھر شیر شاہی عہد میں بھی یہ عہدہ اسی طرح قائم چلا آیا۔ مگر صولت شیر شاہی مصنفہ سید احمد مرتضٰی کے مذکور الصدر مضمون میں مقدم کا ترجمہ ایک جگہ زمیندار سے اور دوسری جگہ چودھری سے کیا گیا ہے۔ لیکن خود کتاب مذکور کے دوسرے ترجمہ سے نیز "آئینہ حقیقت نما" وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ مقدم کا ترجمہ زمیندار صحیح نہیں بلکہ اس کا ترجمہ نمبردار کرنا چاہئے جیسا کہ "آئینہ حقیقت نما" مصنفہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی ص ۳۱۱ میں مقدموں کا ترجمہ نمبرداروں سے کیا ہے۔ نیز اسی کتاب کے حصہ دوم ص ۲ میں ہے ہر ایک گاؤں کا مقدم یا نمبردار بھی ہندو ہوتا تھا۔" خود صولت شیر شاہی کے اسی مضمون میں دوسری جگہ مقدم کا ترجمہ چودھری سے کیا ہے یہی صحیح ہے۔ اور آجکل بھی دیہات میں اس کو مکھیا کہا جاتا ہے عجب نہیں کہ یہ لفظ مقدم ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔ صولتِ شیر شاہی میں مقدم کے جو فرائض لکھے ہیں وہ بھی نمبردار ہی کے فرائض ہیں زمیندار کے نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ زمیندار کوئی سرکاری عہدہ نہیں تھا، مالک زمین کو زمیندار کہا جاتا تھا جس کو صولت شیر شاہی میں کاشتکار کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس زمانہ میں زمیندار و کاشتکار کی یہ تفریق وتقسیم نہیں تھی جو آجکل ہوگئی ہے۔ کیونکہ مالکان اراضی عموماً اپنی اپنی زمینوں کی خود کاشت کرتے تھے اور جن کاشتکاروں سے کام لیتے تھے وہ ایک مزدور وملازم کی حیثیت میں تھے۔ سرکاری کاغذات میں ان کا کوئی اندراج نہیں تھا۔

عہد شیر شاہی میں جاگیروں کی صورت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دینے کا قاعدہ منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا گیا تھا اس کو فیروز تغلق نے باقی نہ رکھا بلکہ قدیم دستور کے موافق جاگیروں کی صورت سے تنخواہ فوج کا قانون جاری کر دیا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں بھی یہی دستور جاری رہا جس کی تصریح بحوالہ صولت شیر شاہی ص ۱۰۳ اوپر نقل ہو چکی ہے۔

اس قسم کی جاگیروں کا قانون کیا تھا اس کے متعلق خود سلطان شیر شاہ کا مندرجہ ذیل بیان کافی ہے جو اس نے اس وقت لکھا تھا جب وہ تخت ہندوستان کا بادشاہ ہونے سے پہلے شیر شاہ کے بجائے صرف شیر خاں نامی ایک جاگیردار کی حیثیت میں تھا۔ اس کی جاگیر کو بھائیوں میں تقسیم کرنے کے لئے خان اعظم نے ان کو کہا تو شیر خاں نے اس کا یہ جواب دیا۔

> ''خان اعظم کو سوچنا چاہئے کہ یہ ملک ہندوستان ہے۔ ملک رودہ (افغانستان) نہیں ہے کہ ریاست اور حکومت وارثوں میں تقسیم ہو۔ ہندوستان کا دستور یہ ہے جسے سکندر لودھی نے بطور قانون جاری کیا تھا کہ افغانی امراء جب وفات پا جائیں تو ان کا خزانہ اور تمام اثاث البیت وارثوں میں بطور میراث تقسیم ہو۔ جاگیر اور سپاہ صرف بڑے بیٹے کا حق ہے'' (صولت شیر شاہی ص ۲۵)

سکندر لودھی کا بنایا ہوا قانون جاگیر جو شیر شاہ کے عہد تک قائم تھا اس سے معلوم ہوا کہ فوجی افسروں اور ہفت ہزاری، پنج ہزاری منصب داروں کو جو جاگیریں ان کی خدمات کے صلہ اور ان کی ماتحت فوج کے مصارف کے لئے دی جاتی تھیں یہ جاگیریں ان کی املاک نہیں تھیں اس لئے وراثت میں تقسیم نہ ہوئیں بلکہ ایک افسر کے فوت ہو جانے کے بعد اگر اس کی اولاد میں اس منصب کا اہل کوئی لڑکا ہوتا تو جدید اذن سلطانی سے اس کو منصب دار بنا کر جاگیر اور سپاہ اس کے سپرد کی جاتی تھیں۔

عطاء جاگیر و جائیداد بصورت ملکیت

اس کے ساتھ ہی شیر شاہ کے دوسرے فرامین سے یہ بھی ثابت ہے کہ عطاء جاگیر کی جو صورت فوجی افسران کے لئے جاری تھی، علماء و مشائخ اور قضاۃ و ارباب فتویٰ وغیرہم کے لئے جو

جاگیریں دی جاتی تھیں وہ اس صورت سے مختلف تھیں جنکا عطیہ بظاہر بصورت تملیک اراضی ہوتا تھا۔صولت شیر شاہی میں اس کا بیان مع ایک فرمان شیر شاہی بصورت ذیل منقول ہے۔

''شیر شاہ متبع شریعت اور متبع آثار صحابہؓ سلطان تھا اس لئے دیوانی اور فوجداری عدالتوں کو اس نے شرعی بنیادوں پر قائم کیا۔فصل خصومات کے لئے اس نے ہر ایسے پرگنات میں قضاۃ مقرر کئے جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی۔قاضیوں کو صدر الصدور امور مذہبی کے ماتحت کیا،جس کا دار القضاء دار الخلافہ میں تھا۔عام انتظامی امور کے لئے ضلع کے صدر قاضیوں سے اس کا تعلق رکھا۔قاضیوں کو ان کی خدمات کے معاوضہ میں تنخواہیں کم اور اراضیات معافی اس قدر تعداد کی دی جاتی جن کی آمدنی سے ان کے متعلقین کی گذر ہو سکے۔شعری خصومات کی جس قدر اقسام ہیں ان کی رجوعات بھی قاضیوں کی عدالت میں ہوتی۔اس زمانہ میں قاضیوں کی عدالتیں رجسٹراری کا کام بھی انجام دیتی تھیں یعنی جائیداد غیر منقولہ کے انتقال کی دستاویزیں اس وقت مکمل سمجھی جاتی جب ان پر عدالت کی مہریں ثبت ہو جاتیں۔''

شیر شاہ کی طرف سے قضاۃ کی تقرری کی جو اسناد دی جاتیں ان میں اس امر کی اجازت ہوتی کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے اور نماز ظہر کے بعد یہ عمل لازم قرار دیا گیا کہ خود قاضی اور تمام مقتدی دس دس تیر پھینکنے کی مشق کیا کریں۔مالوہ کے پرگنوں میں مؤلف نے خاندان قضاۃ میں شیر شاہی عہد کی سندیں دیکھی ہیں جن کے ذریعہ اب تک خاندانی افراد معافیات سے مستفیض ہیں نمونہ کے طور پر سرونج کے قدیم خاندان قضاۃ کی سند نقل کی جاتی ہے۔

مرقوم غرہ ماہ رمضان المبارک ۹۴۹ھ سنہ تسعۃ واربعین وتسمأتہ۔

آنکہ عہدہ داران حال وہمہ جاگیرداران وکرد ریان وشقہ داران وکارکنان استقبال پرگنہ سرنج۔سرکار چندیری،مضاف رائسین،بدانکہ سی صد ونود بیگہ شیر شاہی منجملہ بعض محال پرگنہ سرونج دروجہ مدد معاش فضائل مآب،امانت آیات تقوی شعار، قاضی رکن الدین محمد وبعض الحی ائمہ عظام دادہ شد،باید کہ زمین مذکور چنانچہ مسطور است ہمیں دانستہ وپیوستہ تسلیم نمایند واز جمیع ابواب دیوان معاف وبے طلب دانند ۔۔۔۔مشار الیہ مذکورین درقصبہ مذکور آبادان ومتوطن باشند وطلب علم بکنند ودر مسجد جامع نماز بجماعت بگذارند وده تیر بعد ادائے نماز ظہر بیندازند۔دریں باب تاکید

زیادہ نہ طلبند ،فقط۔

اس کے بعد ناموں اور رقبہ کی تفصیل درج ہے۔ (صولت شیر شاہی ص ۱۰۰)

اسی طرح شیخ بایزید اس زمانہ کے کوئی بزرگ تھے ان کو دو ہزار بیگھہ اراضی معافی دینا ص ۱۱۱ میں مذکور ہے۔

تنبیہ

فرمان مذکور سے ظاہر یہ ہے کہ یہ اراضی ان حضرات کو بطور تملیک دی جاتی تھی اور ان کی وراثت میں تقسیم ہوتی تھی، جیسا کہ خاندان قضاۃ سرونج میں نسلاً بعد نسل ان کا منتقل ہونا۔ نیز فرامین عالمگیری کے ماتحت جن لوگوں کو یہ اراضی دی گئی ان کی نسل میں منتقل ہونا مشہور و معروف ہے البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ رقبۂ اراضی ان لوگوں کی ملک میں نہ کیا جاتا ہو، پیداوار سے انتفاع نسلاً بعد نسل کا اختیار دیا جاتا ہو۔ سو اگر پہلی صورت یعنی تملیک ہے تب تو عطاء جاگیر کی صورت مندرجۂ القول الماضی کی قسم اول ہوئی اور دوسری صورت ہے تو قسم دوم۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے فتاویٰ سے اسی قسم دوم کی ترجیح معلوم ہوتی ہے جن کا بیان آگے مفصل آتا ہے۔ الغرض ان مختلف فرامین اور قوانین جاگیر سے اتنی بات ثابت ہے کہ عطاء جاگیر کے سلسلہ میں شاہان ہند کا طریق عمل مختلف احوال و اشخاص کے لئے مختلف اختیارات کے ماتحت رہا ہے جو اراضی بیت المال میں سلطانِ مسلم کو حاصل ہیں۔

اراضی کے انتظام تحصیل کے طریقے، عطاء جاگیر و معافیٔ اراضی اور دیگر امور سیاسیہ ملکیہ کے متعلقہ قوانین جو شیر شاہ نے بڑی قابلیت سے تجویز اور نافذ کئے تھے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہی قوانین اور امور سلطنت مغلیہ میں اکبر کے میر منشی ابوالفضل نے ادبی قابلیت کے ساتھ بنا سنوار کر بنام آئین اکبری پیش کئے ہیں، اس کے لئے ایک غیر متعلق یوروپی مؤرخ مارشین کا بیان کافی ہے۔ اپنی تاریخ ہسٹری آف انڈیا میں جو ۱۸۴۲ء کی تصنیف ہے، لکھتا ہے۔

> ''کوئی شبہ نہیں کہ شیر شاہ نہایت درجہ نیک طبیعت، ذکی، فہیم، مدبر اور قابل ترین انسان تھا جس طرح کہ وہ جنگی مہمات میں مشہور تھا اسی طرح ملکی انتظام میں بھی قابل تھا، باوجودیکہ اس کو میدان جنگ سے مہلت نہیں ملی تاہم انتظامی سلسلہ میں اس نے سلطنت کے ہر شعبہ کو مکمل طور سے ترمیم کر کے صورت نما دیا تھا اور اس کی وفات کے بعد وہی قانون و قواعد اس کے خاندان میں جاری رہے یہاں تک کہ

اکبر کے واسطے اس کے نظامیہ اصول و آئین نمونہ بن گئے جو بعد میں آئین اکبری کے نام سے مشہور ہوئے۔" (از صولت ص ۸۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت مغلیہ جو ہندوستان کی آخری اسلامی سلطنت تھی اس کے عہد میں بھی اکثر قوانین و آئین وہی نافذ رہے جو شیر شاہ کے عہد میں تھے۔

چنانچہ عطاء جاگیر واراضی معافی بصورت تملیک رقبہ یا تملیک منافع نسلاً بعد نسل عطا ہوئی اور بعض کو بمعاوضہ خدمت اس طرح پر کہ زمین کا جو سرکاری خراج وصول ہوا اس کا کوئی جز یا کل اس کو دیا گیا۔ رقبۂ زمین یا منافع زمین سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

تزک جہانگیری میں پہلی قسم کے عطیۂ جاگیر کو آل تمغا کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

محلہ سرائے پیرزادگان دیوبند میں ایک مزار سید محمد ابراہیم نامی ایک بزرگ کا اور اس کے گرد خانقاہ کے آثار آج تک موجود ہیں۔ سلطان جہانگیر کے عہد سے اس کے نام پر ایک جاگیر وقف تھی سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دو فرمان اسی جائیداد کے متعلق آج تک موصوف کے خاندان میں موجود ہیں۔ پہلا ۲۷ شوال ۱۰۹۳ھ کا اور دوسرا ۱۱ر شعبان ۱۰۹۷ھ کا۔ اسی طرح سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے صدہا فرامین مشائخ وقضاۃ وعلماء وغیرہم کے نام اراضی معافی کے آج تک ان کے خاندانوں میں موجود ہیں، جن سے ان کی اولادیں نسلاً بعد نسل منتفع ہوتی چلی آئی ہیں۔

خلاصہ احکام جاگیر و معافیات اراضی ہند

مذکور الصدر واقعات و حالات سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے عہد میں اول سے آخر تک عطاء جاگیر وغیرہ کا جو دستور جاری رہا اس کی مختلف صورتیں تھیں اکثر جاگیریں جو فوجی افسروں اور فوج کو دی جاتی تھیں ان کی نوعیت یہ تھی کہ رقبۂ زمین اور پیداوار زمین سے جاگیردار کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ انکا سرکاری خراج جو بیت المال کا حق تھا اس کا کوئی جز یا کل ان کو دیدیا جاتا تھا اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ جاگیرداران اراضی کے مالک نہیں تھے بلکہ اراضی انہیں زمینداروں کی ملک میں رہتی تھیں جن کے قبضہ وتصرف میں پہلے سے تھیں اور بہت سی جاگیریں اور اراضی کی معافی ایسی بھی تھیں جن میں جاگیردار کو رقبہ زمین کا مالک بنادیا گیا تھا اور وہ زمینیں ان کے وارثوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا فتویٰ

محدث الہند حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے ان جاگیروں کے متعلق سوال ہوا تو جواب میں یہی ارشاد فرمایا کہ یہ اراضی ان لوگوں کی ملک نہیں بلکہ وہ صرف ان زمینوں کا سرکاری خراج حاصل کرنے کے مستحق ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے قسم اول کی جاگیروں کے متعلق سوال ہوا تھا جس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے:۔

سوال: ...... اراضی مدد معاش کہ در عرف ہندوستان ملک می گویند حکم آں در باب جواز بیع وشراء چیست۔

جواب: ...... دراراضی خراجیہ ❶ عشر واجب نمی شود فی عالمگیریہ والنوع الثانی من شرائط وجوب العشر شرط المحلیۃ وھو ان یکون الارض العشریۃ فلا عشر فی الخارج من ارض الخراج ھکذا فی البحر الرائق۔ واملاک وباغات کہ ازطرف حکام بمردم می رسد رقبۂ زمین مملوک آنہا نمی گردد بلکہ خراج آں زمین بآنہا می دہند ورقبۂ آں زمیں بر ملک مالک مے ماند ودر رقبۂ زمین در اکثر بلاد ہند علماء را اختلاف است علماء متقدمین بآں رفتہ اند کہ مالک رقبۃ الارض در اراضی ہند زمینداران اند کہ خود را بسوہ دار می نامند۔ وحضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ العزیز رسالہ در احکام اراضی ہند قلمی فرمودہ اند دراں رسالہ ایں مذہب را بشواہد ودلائل بسیار ابطال فرمودہ تحقیق نمودہ اند کہ اراضی ہند بدستور عراق موقوف بر ملک عامہ مسلمین بے تخصیص است یعنی در ملک بیت المال است و زمینداراں را بیش از قیم نابودن ❷ دخلے نیست۔ وقاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ نیز دریں باب رسالہ نوشتہ وہمیں مسلک را ترجیح دادہ۔ پس اگر مالک اراضی ہند زمینداران باشند و زمیندارے را از حضور سلطنت بنا بر استحقاق خراج معاف کنند دراں صورت ہم عشر واجب نیست زیرا کہ زمین خراجی عشری نیست چہ جائے شقوق دیگر فقط۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۴ ج ۲)

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے اس فتویٰ میں مذکور ہے کہ اراضی مدد معاش مدد جاگیرداروں کی ملک نہیں اور حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس سرہ کا رسالہ جس کا حوالہ بھی فتویٰ مذکور میں درج ہے اس میں عطیات سلطانی کو ملک معطیٰ لہم قرار دیا گیا ہے بلکہ رسالہ کا اصلی

❶ ...... معلوم ہوتا ہے کہ سوال اس جگہ پورا نقل نہیں ہوا۔ سوال میں عشر کے متعلق بھی دریافت کیا گیا ہوگا جس کے جواب میں ذکر ہے۔ نیز آخر جواب میں چہ جائے شقوق دیگر کے الفاظ سے بھی معلوم ہوا کہ سوال میں کچھ اور شقوق بھی مذکور تھیں۔ ۱۲

❷ ...... اصل کتاب میں اسی طرح ''نابودن'' لکھا ہے۔ بظاہر لفظ نا اس جگہ غلط ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

موضوع بحث یہی ہے کہ جن لوگوں کو سلاطین اسلام نے کچھ زمینیں دیدیں ان کے متعلق حضرت شیخ کے زمانہ میں بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اراضی ان کی ملک میں داخل نہیں ہوئی اور ان کی بیع وشراء جائز نہیں۔ اس کے رد کرنے کے لئے حضرت شیخ جلال تھانیسری نے یہ رسالہ لکھا جس میں یہ ثابت کیا کہ جو اراضی بصورت تملیک سلطان کی طرف سے کسی کو دیدی گئیں وہ اس کی ملک ہو گئیں اس کے مالکانہ تصرفات بیع وہبہ اور وقف وغیرہ سب درست ہیں۔

حضرت شیخؒ کے چند جملے جو ابتداء رسالہ میں مرقوم ہیں یہ ہیں۔

وبعد فقد سبق الی ذهن بعض العلماء ان الامام اذا اعطی ارضاً لمستحق بوجه الملك لاتدخل فی ملكه (الی قوله) فاردت ان اكتب لدفع شبهتهم شیئاًمماسنح لی۔

''بعض علماء کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ سلطان مسلم اگر کوئی زمین کسی مستحق کو بصورت ملک دیدے تو وہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان کا شبہ دور کرنے کے لئے اپنے علم کے مطابق کچھ لکھوں۔''

لیکن ہمارے مذکورہ بیان اور رسالہ القول الماضی کی تفصیل دیکھنے کے بعد یہ شبہ نہیں رہ سکتا کہ حضرت شاہ صاحب اور شیخ جلال قدس سرہ کے فتووں میں تناقض یا تعارض ہے کیونکہ اس میں معلوم ہو چکا ہے کہ عطاء جاگیر کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں کہ بدون تملیک اور کہیں بصورت تملیک حضرت شاہ صاحب نے پہلی قسم کا حکم تحریر فرمایا ہے اور لفظ خراج آں زمین بآنہا می دہند'' میں اس کی طرف اشارہ بھی موجود ہے اور حضرت شیخ جلالؒ نے قسم دوم کی جاگیروں پر کلام فرمایا ہے اور لفظ بوجه الملك سے اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اب غور طلب یہ بات رہ جاتی ہے کہ جاگیروں کے علاوہ باقی عام اراضی ہند ملک ملک مالکان اراضی ہے یا ملک حکومت۔ اس کے متعلق حضرت صاحب قدس سرہ نے تو صرف علماء کا اختلاف اور ان میں سے متقدمین کا فیصلہ بر ملکیت زمینداراں اور حضرت شیخ جلال وغیرہم کا بر عدم ملکیت نقل فرما کر خود کسی جانب کے اختیار وترجیح کی تصریح نہیں فرمائی۔ البتہ حکم مسئلہ جو بیان فرمایا اس سے ملکیت اصلی مالکان کی مستفاد ہوتی ہے جس کی طرف فتویٰ کے الفاظ ذیل مشیر ہیں۔

''ورقبہ آں زمین بر ملک مالک می ماند''۔

پھر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے حضرت شیخ جلال قدس سرہ کے مسلک کی توجیہ میں جو

ارشاد فرمایا۔''

''اراضی ہند بدستور اراضی عراق موقوف بر ملک عامہ مسلمین بے تخصیص است۔'' یہ بھی غور طلب ہے کیونکہ اس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اراضی ہند کا حکم ملکیت کے بارہ میں حضرت شیخ جلالؒ کے نزدیک وہی ہے جو اراضی عراق کا حکم ہے اور یہ معلوم و معروف ہے کہ اراضی عراق کے متعلق تحقیق ائمہ حنفیہؒ کی یہ ہے کہ وہ سب ملک زمینداران ہیں جیسا کہ رسالہ القول الماضی میں اس کے شواہد نقل کئے گئے ہیں اور ہدایہ کی عبارت اس کے متعلق خود رسالہ حضرت شیخ جلال میں اس طرح مذکور ہے:۔

وان شاء اقر اهله عليه و وضع عليهم الجزية و على اراضيهم الخراج كذلك فعل عمر ﷺ بسواد العراق بموافقة من الصحابة ولم يحمد من خالفه۔

ترجمہ: ''اور امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو مالکان اراضی ہی کو ان پر برقرار و بدستور رکھے اور ان پر جزیہ اور ان کی اراضی پر خراج مقرر کر دے۔ حضرت عمر ﷺ نے سواد عراق کے ساتھ بموافقت صحابہ یہی عمل فرمایا اور جس کسی نے اس میں اختلاف کیا اس کا اختلاف پسند نہیں کیا گیا۔''

البتہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اراضیٔ عراق وقف ہیں ملک نہیں۔ اور حنفیہ کی طرف جو بعض حضرات نے ان زمینوں کا وقف ہونا منسوب کیا ہے جیسے ابن حزم نے محلی میں لکھا ہے اس میں ساتھ ہی اس کا اظہار بھی کر دیا گیا ہے جو ملک کے منافی نہیں۔ اور بمنزلۂ وقف اس بنا پر ہے کہ ان اراضی کا خراج عامہ مسلمین کے لئے ہمیشہ ہمیشہ مثل اوقاف کے قائم و دائم رہے گا جیسا کہ باب اول القول الماضی میں اس کی تفصیل و توضیح گذر چکی ہے۔

الغرض اراضی ہند کو اگر اراضی عراق کے مثل قرار دیا جائے تو اس کا مطلب حنفیہ کے مذہب پر یہی ہوتا ہے کہ یہ اراضی اصل مالکان اراضی کی ملک، ان کو وقف کہنا حنفیہ کے نزدیک توسعاً و مجازاً ہے۔ اس صورت میں تو اراضی ہند کے بارے میں پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حضرت شیخ جلال قدس سرہ کے رسالہ پر غور کیا جائے کہ ان کا محصل کلام کیا ہے۔

حضرت شیخ جلال تھانیسری کی تحقیق دربارہ اراضی ہند

جیسا اوپر مذکور ہوا کہ حضرت شیخ جلال قدس سرہ کی تصنیف کا محرک ایک حادثہ ہے جو ان کے

زمانہ میں پیش آیا وہ یہ کہ وہ اراضی جو پہلے ہندوؤں کے قبضہ اور ملک میں تھی، اسلامی فتوحات کے بعد سلاطین اسلام نے ان میں سے کچھ زمینیں بعض اہل استحقاق مسلمانوں کو بطور ملک عطاء کر دیں اس زمانہ کے بعض علماء نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ اس بناء پر دیا کہ اسلامی فتح کے بعد جبکہ مالکان اراضی ہندوؤں کو ان کی زمینوں پر فاتحین اسلام نے قائم و برقرار رکھا تو وہ ہی اپنی زمینوں کے مالک رہے۔ اب سلاطین کو یہ حق حاصل نہیں کہ یہ زمینیں عطیہ میں مسلمانوں کو دے دیں۔ اس لئے جن لوگوں کو یہ زمینیں دی گئی ہیں وہ ان کے مالک نہیں ہوئے۔ ان کی بیع و شراء اور جملہ مالکانہ تصرفات غلط اور ناجائز ہیں۔ اس پر حضرت شیخ جلال تھانیسریؒ نے یہ رسالہ ان لوگوں کے رد میں تحریر فرما کر یہ ثابت کیا کہ سلاطین اسلام کا یہ تصرف جائز و نافذ ہے اور اصحاب عطیات ان اراضی کے مالک ہیں ان کے مالکانہ تصرفات درست ہیں۔

دوسرے، علماء کے فتویٰ کا مدار اس پر تھا کہ جب مالکان سابق برقرار رکھے گئے تو اراضی ان کے ملک میں تھیں ان کو ملک سے نکال کر مسلمانوں کے عطیات میں دے دینا درست نہیں اس لئے حضرت شیخؒ نے اس پر مختلف وجوہ سے کلام فرمایا۔

اوّل:...... یہ کہ فتح کے بعد جو ہندو ان اراضی پر قابض ہوئے یہ درحقیقت اصل مالکان اراضی یا ان کی اولاد نہیں تھے بلکہ مالکان اراضی جنگ کے وقت کچھ ہلاک ہو گئے تھے کچھ منتشر ہو گئے دوسرے ہندوؤں نے ان کی اراضی پر ناجائز قبضہ جمالیا۔ ظاہر ہے کہ یہ قبضہ کسی مذہب میں جائز اور مفید ملک نہیں ہو سکتا۔ اسلئے یہ زمینیں لاوارث زمینوں میں داخل ہو کر بیت المال کا حق قرار پائیں جس میں امام کو اختیار ہے کہ مستحقین کو جاگیر میں بطور ملک یا محض انتفاع دے دے۔ حضرت شیخؒ کے الفاظ اس بارہ میں یہ ہیں۔

فاذا ثبت هذا ثبت كون الاراضى عارية لايعرف لها مالك لعامة المسلمين۔ (ص ۲)

ترجمہ: ''اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اصل مالکان اراضی ان کو چھوڑ کر ہلاک یا لاپتہ ہو گئے تو ثابت ہوا کہ یہ اراضی لاوارث رہی جو عامۃ المسلمین (بیت المال) کا حق ہیں''

دوم:...... اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ لوگ مالکان اراضی کی اولاد اور انکے وارث بھی ہیں تو صورت ان کے قبضہ کی یہ رہی ہے کہ جنگ کے وقت مالکان اراضی ان زمینوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے پھر سکون کے وقت ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ کہیں کچھ کہیں آباد ہوئے ان میں کچھ

اپنی زمینوں پر بھی آ گئے۔ تو ظاہر ہے یہ صورت وہ نہیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار اھلھا علیھا کہا جاتا ہے یعنی من جانب سلطان مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھنے کا حکم، بلکہ یہ ایک قسم کے سکوت و اہمال کی صورت ہے جس سے ملک ان لوگوں کی زمینوں پر ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت شیخؒ کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں۔

ولو سلم فی بعض المحال علی وجه الاحتمال کون بعض هؤلاء الکفار من اولاد الکفرة التی کانت قبل عهد الاسلام فی ذلك الموضع مع انه غیر معلوم لنا لما اعلم ولا یُسمع ولا یری صورة الاقرار لتلك الکفرة اذ کفرة البلاد الهند لتجادیهم فی الکفر وتعنتهم فی الشریعة قلما یمیلون الی الانقیاد وقبول الجزیة بل یقاتلون مکابرة مع اهل الاسلام فیقتل بعضهم ویوسر البعض وینهزم الباقون فبقیت الاراضی مهملة متروکة غیر مقسومة علی الغانمین ولا مقررة علی الکفار ثم یجئ بعد مدة مدیدة من بقی منهم فیسکن بعض منهم فی مسکنه والبعض فی قریة اخری ومعلوم ان هذا الصورة لیست بصورة التقریر فلا یدخل الاراضی فی ملك الکفار عندابی حنیفة واصحابه ایضاً۔

"اور اگر بعض مواقع میں بطور احتمال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قابضین اراضی میں سے بعض انہیں کفار کی اولاد ہیں جو عہد اسلام سے پہلے ان زمینوں کے مالک تھے حالانکہ ایسا ہونا ہمیں معلوم نہیں اور یہ بات نہ سنی گئی نہ دیکھی گئی کہ ان کفار کو منجانب سلطان ان کی زمینوں پر قائم و برقرار رکھا گیا ہو کیونکہ (یہ صورت قبول اطاعت و جزیہ پر موقوف ہے اور) کفار بلاد ہند نے اپنے کفر میں سخت ہونے اور اسلام سے مخالف ہونے کا سبب اطاعت اور قبول جزیہ کی طرف بہت کم مائل ہوتے ہیں جبکہ عناداً اہل اسلام کے ساتھ جنگ و جدال جاری رکھتے ہیں تو ان میں سے کچھ قتل ہو جاتے ہیں کچھ قید کر لئے جاتے ہیں کچھ بھاگ جاتے ہیں پھر ان کی زمینیں ابہام و اہمال کی حالت میں رہ جاتی ہیں نہ وہ غانمین میں تقسیم ہوتی ہیں اور نہ ملکیت کفار کے بحال و بدستور رہنے کا کوئی اعلان ہوتا ہے۔ پھر بعد مدت مدیدہ کے ان میں سے باقیماندہ

لوگ آتے ہیں اور بعض اپنے گھروں میں آ کر آباد ہو جاتے ہیں بعض دوسری بستیوں میں بس جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صورت تقریر علی الارض کی نہیں ہے اس لئے یہ اراضی ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب پر بھی کفار کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔''

سوم:......اور اگر بالفرض منجانب سلطان و امام ان کفار کو ان کی زمینوں پر بحال و برقرار رکھنا بھی تسلیم کر لیا جائے اور یہ بھی بطور احتمال کے مان لیا جائے کہ قابضان اراضی انہی کفار کی اولاد و وارث ہیں جن کو منجانب امام برقرار رکھا گیا تھا تو اب مسئلہ مختلف فیہا ہو جاتا جس میں حنفیہ کے نزدیک اراضی ان کفار کی ملک میں داخل ہوتی ہیں اور شافعیہؒ کے نزدیک داخل نہیں ہوتیں جیسا کہ عام کتب فقہ میں یہ اختلاف منقول و معروف اور جانبین کے دلائل مذکور ہیں (جن میں سے بعض کو حضرت شیخؒ نے بھی اس جگہ نقل فرمایا ہے اور پھر فرمایا کہ بہر حال) یہ مسئلہ اجتہادیہ مختلف فیہا ہے۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں اگر قاضی یا امام کسی ایک جانب فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اور اگر یہ فیصلہ کسی عالم شافعی محقق کے فتویٰ پر کیا گیا ہے تو یہ فیصلہ اب متفق علیہ ہو جاتا ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں جب امام نے ان زمینوں کو عطیات مستحقین میں دینے کا حکم صادر کر دیا تو زمینیں ان کی ملک میں باتفاق داخل ہو گئیں۔ حضرت شیخؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

فاذا اعطى الامام من جنس هذه الاراضى مستحقاً بوجه الملك حاكماً بقوله يصير متفقا عليه و تدخل الارض فى ملكه و يكون الخراج بتسويغ الامام مسوّغاًله ايضاً۔ (ص ٤)

''پس جب اس قسم کی اراضی امام نے کسی مستحق کو امام شافعی کے قول پر فیصلہ کر کے بطور ملک دے دیں تو یہ حکم دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہو گیا اور زمین اس شخص کی ملک میں داخل ہو گئی جسکو دی گئی ہے اور امام نے اگر اس کا خراج بھی اس کے لئے معاف کر دیا ہے تو وہ بھی شرعاً معاف ہو گیا۔''

اس کے بعد حضرت شیخ نے اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل پیش فرمائے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہا بین الائمہ میں جب قاضی یا امام کسی ایک جانب پر فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ متفق علیہ اور نافذ ہو جاتا ہے۔

چہارم:...... یہ کہ اگر یہ سب باتیں تسلیم اور فرض کر لی جائیں کہ امام نے اول فتح میں کفار مالکان اراضی سے اقرار اطاعت و خراج لے کر ان کی زمینوں پر بحال و برقرار رکھا اور یہ بھی مان لیا جائے کہ فی الحال جو لوگ قابض ہیں یہ انہی کے وارث ہیں اور حکم بر مذہب شافعی سے بھی قطع نظر

کی جائے تو کفار ہند کے عام حالات کا مشاہدہ یہ ہے کہ یہ لوگ عہد واقرار پر قائم نہیں رہتے اور جو شرائط اہل ذمہ کے لئے ہیں ان کو بجانہیں لاتے۔ اس لئے ان کے عہد کو پورا کرنا بھی امام کے ذمہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت شیخ کے الفاظ یہ ہیں۔

ان کفرة الهند موصوفة بهذاه الصفات القبيحة من الطعن في الاسلام واهله والشتم والاهانة وغير ذلك فماهم الابخارجين (۱) من الذمة۔(ص ۸)

''کفار ہندان صفات ذمیمہ کے ساتھ موصوف ہیں یعنی اسلام اور اہل اسلام پر طعن کرنا اور ان کو برا کہنا اور توہین کرنا وغیرہ۔ اس لئے وہ عہد ذمہ سے خارج ہیں۔''

اس کے بعد حضرت شیخؒ نے اپنے زمانہ کے چند اکابر علماء ارباب فتویٰ کے فتاویٰ اس امر کی تائید میں نقل فرمائے ہیں کہ امام نے جب کسی مستحق کو یہ زمینیں بطور عطیہ دے دیں تو اس کی ملک میں داخل ہو گئیں۔ ان سب حضرات نے اپنے فتاویٰ کا مبنی صرف وجہ سوم کو قرار دیا ہے۔ یعنی اگرچہ مذہب حنفیہ پر یہ اراضی کفار مالکان سابق کی ملک تھیں اور اس لئے ان کا عطیہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہونا چاہئے لیکن امام شافعی کے مذہب پر ملک ان کفار کی نہیں بلکہ ان کے مستحق غانمین اسلام ہیں اور مسئلہ مجتہد فیہا میں جب قاضی یا امام کسی ایک جانب پر فیصلہ کر دے تو وہ نافذ ہے۔ یہی فتویٰ اس دلیل کے ساتھ حضرت شیخ نے اپنے استاذ اور عم محترم سے نقل کیا ہے اور بعینہ یہی مضمون مولانا شیخ الہداد جونپوریؒ سے اور یہی مضمون ایک مبسوط کلام کے ساتھ شیخ طیبؒ سے نقل فرمایا ہے ان میں سے آخر الذکر فتویٰ زیادہ مدلل اور بہت سے فوائد پر مبنی ہے اس لئے اس کو اس جگہ پورا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ وھو ھذا:۔

فتویٰ استاذ مشائخ الہند شیخ محمد طیب رحمہ اللہ

استفتاء:...... چہ میفر مایند علماء دیندار ومفتیان شرع شعار کثرہم اللہ تعالیٰ اندر آنچہ امام من له الولايه الكامله بعض اراضی خراجیہ بعد تقریر امام سابق علی اهلها لمصلحة راها انتزاع عن اهلها میکند ومستحقاں را میدہد۔ من حیث الشرع الشریف امام مذکور لما انتزاع ارض موصوفة عن اہلہا۔ ازیں جہت کہ مسئلہ تقریر ارض

---

(۱)...... شاہ جلالؒ کا مطبوعہ رسالہ بے حد اغلاط سے پر ہے اس لئے جہاں عربیت کی غلطی نظر آتی ہے وہ بظاہر غلطی کاتب ہے مگر احقر نے احتیاطاً انہی الفاظ کو باقی رکھا ہے یہاں بھی ''بخارجین'' کے بجائے ''خارجین'' صحیح ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

موصوفہ بعد فتح ارض دار الحرب قہراً وغلبۃً مجتہد فیہا است جائز باشد یا نے، وارض موصوفہ بعد اعطاء درملک معطیٰ لہ درآید یا نہ بکرم جواب فرمایند۔

الجواب:......درملک معطیٰ لہ۔ درآید۔ کتبہ طیب بیدہ۔ فی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف وھو ماقرالی المقاسمة وھو اخذ بعض الخراج نصفاً او ثلثاً الابرضا اھله لان فیه نقض العھد وھو حرام۔ فان فعله جبراً فعزل و وُلّی اخریٰ خلافه۔ ان کانوا قوماً قبلوا الذمة طوعاً ابطل الثانی حکم الاول لانھم قبلوا الذمة بشرط فیجب مراعاته ولایصح تغییره۔ وان کانوا قوما قبلوا الذمة قھراً قرّره لانه مجتھد فیه فبین العلماء اختلاف فی ارض فتحت عنوةً قال بعضھم عبیدالمسلمین والاراضی مملوکة لھم وما وضع علیھم کضریبة یضربھاالسید علیٰ عبدہٖ فان شاء زاد علیه وان شاء نقض وھکذاقالوا فی سواد العراق وعندنا ھم احرار واراضیھم مملوکة لھم فان کان الامر کماقال فللامام ان یزید اویحول من وظیفة الیٰ وظیفةٍ والافقضاء الاول صادف موضع الاجتھاد فنفذ فلایکون لغیره ابطاله۔

وفیه ایضاً فی باب الغنائم وقسمتھا واذافتح الامام بلدة عنوة ای قھراً فھو بالخیاران شاء خمسھا وقسم الباقی بین الغانمین کمافعل رسول اللّٰهﷺ بخیبروان شاء من بھا علیٰ اھلھا وترکھم احراراًالیٰ الاصل ذمة للمسلمین والاراضی مملوکة لھم وجعل الجزیة علیھم والخراج علیٰ اراضیھم وقال الشافعیؒ له ذلك فی الرقاب ولکنه یقسم الاراضی ولایترکھا فی ایدیھم بالخراج لان الاراضی صارت حقًا للغانمین عندکم وملکالھم عندی

بالاستیلاء فلایجوز ابطال ملکھم او حقھم اصلا بالقتل فبالعوض القلیل اولی انتھی۔

خلاصہ تحقیق حضرت شیخ جلالؒ

آخر میں حضرت شیخ جلالؒ نے اپنی تحقیق کا خلاصہ یہ بیان فرمایا کہ اراضی ہند کسی ایک قسم کی نہیں بلکہ مختلف انواع واقسام پر ہیں جن کے آٹھ نمبر تحریر فرمائے۔

۱) اصل مالک زمین لاوارث مر گیا کسی دوسرے نے قبضہ کرلیا پھر اس دوسرے شخص قابض کے وارث ملکیت کے مدعی ہو گئے ظاہر ہے کہ یہ اراضی ان کی ملک نہیں ہوسکتی۔

۲) سلطنت اسلامیہ کے ضعف کے وقت میں بعض ظالم و غاصب لوگوں نے اصل مالکان اراضی کو جبراً ان کی زمینوں سے نکال کر خود قبضہ کرلیا جیسے علاقہ تھانیسر میں چوہان اور تو درانہ قوموں نے دوسری قوموں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ظاہر ہے کہ یہ اراضی بھی ان غاصبین کی ملک نہیں قرار پاسکتی۔

۳) وہ زمینیں جو امام نے اول فتح میں بعض غانمین یا مستحقین کو دے دیں تو اس قسم کی اراضی بیشک ان کی ملک میں داخل ہو جائیں گی۔ اور عشری ہوں گی جیسا کہ بہت سے دیہات و قصبات میں ایسی صورتوں کا واقع ہونا معروف ومشہور ہے۔

۴) افتادہ غیر آباد زمین جس پر کوئی متصرف نہیں۔ مگر اس کا قابض سابق معلوم ہے سو اس پر اگر کوئی دوسرا شخص قبضہ کرلے گا تو قابض ثانی کی ملک ہو جائے گی۔

۵) غیر آباد زمین جس کا کوئی قابض سابق معلوم نہیں اس پر اگر کسی نے باجازت امام قبضہ کر کے آباد کرلیا تو وہ اس کی ملک میں داخل ہو جائے گی اور بلا اجازت امام آباد کیا تو صاحبین کے نزدیک پھر بھی ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملک نہیں ہوگی۔

۶) وہ زمین جو اصل سے معطل غیر مزروع غیر آباد ہے اور کوئی مالک معروف نہیں تو اگر یہ زمین امام نے کسی شخص کو دے دی اور اسکا خراج بھی اس کو معاف کر دیا تو یہ زمین اس شخص کی ملک ہو جائے گی، خراج بھی معاف ہوگا۔

۷) وہ زمین جو مزروع اور قابل کاشت ہے مگر بعد فتح کے اس کا کوئی مالک معلوم نہیں تو اگر یہ زمین امام نے کسی شخص کو بطور ملک دے دی تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور بدون تملیک

کے محض اس کا خراج دے دیا تو وہ زمین کا مالک نہ ہوگا بلکہ صرف وہ خراج کا مستحق ہوگا۔

۸) وہ مزروع یا غیر مزروع زمین جس کا کوئی مالک معلوم و معروف ہے اگر امام نے کسی شخص کو اس زمین کی کاشت کی اجازت دے دی تو یہ زمین اس کی ملک میں داخل ہوگی۔

حضرت شیخ جلال قدس سرہ نے اراضی ہند کی اقسام مذکورہ کی تفصیل لکھ کر بطور خلاصہ کلام ارشاد فرمایا۔

ثم اعلم ان الاراضی اذا کانت علی هذه الانواع المختلفة التی سبق ذکرها لا یجوز الحکم بملکیتها او بعدم ملکیتها مالم یعلم انها من ای الانواع فاذا علم وجه الیقین علی نوع معین من الانواع حکم علی ذلك النوع المعین واما قبل العلم بذلك فلا یبادر الی الفتوی فان ذلك منهی عنه (ص ۱۳)

پھر سمجھئے کہ جب اراضی ہند انہی مختلف انواع و اقسام پر ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے تو ان کی ملکیت یا عدم ملکیت کا حکم علی الاطلاق جائز نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس نوع میں داخل ہے اور جب کسی زمین کے متعلق کسی خاص نوع میں داخل ہونا یقینی طریقہ سے معلوم ہو جائے اس وقت بھی خاص اس نوع معین پر حکم کیا جائے (علی الاطلاق نہیں) اور اس کا علم ہونے سے پہلے فتویٰ دینے میں جلدی نہ کی جائے کہ یہ ممنوع ہے۔"

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کا اصل منشاء اور مقصود کلام اس رسالہ میں یہ نہیں کہ ہندوستان کی زمینوں کو مطلقاً غیر مملوک ثابت کریں بلکہ ایسے حکم سے شیخ نے خود منع فرمایا ہے۔ شیخ کی غرض اصلی اس جگہ یہ ہے کہ امام نے اگر کچھ اراضی مستحقین کو بطور ملک دے دیں تو وہ ان کی ملک میں داخل ہو جائیں گی۔ امام کے اس فیصلہ پر مالکان سابق کی ملکیت کی بناء پر اعتراض اور فیصلہ کو غیر نافذ قرار دینا درست نہیں ہے اور یہ فیصلہ اپنی جگہ پر بلاشبہ صحیح اور درست ہے جس کو حضرت شیخ کے زمانے میں اس وقت کے مشاہیر علماء ارباب فتویٰ شیخ الہداد جونپوری۔ شیخ طیب۔ مولانا محمد مفتی وغیرہم نے بھی قبول فرمایا۔ فرق صرف یہ رہا کہ ان علماء نے اس فیصلہ کی بنیاد اس پر رکھی کہ ان اراضی پر بتقریر امام مالکان سابق کی ملکیت تسلیم ہونے کے باوجود امام کا یہ فیصلہ اس لئے درست ہے کہ مالکان سابق کی ملکیت بتقریر امام مسئلہ مجتہد فیہا ہے۔ اور قضاء قاضی و حکم امام مسئلہ مجتہد فیہا میں بہر دو جانب نافذ ہو جاتے ہیں۔

اور حضرت شیخ جلالؒ نے اس پر مزید یہ بھی اضافہ کیا کہ مالکان سابق کی ملکیت بھی اراضی ہند میں متیقن طریق سے ثابت نہیں بلکہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں جنکی رو سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر اس کی بھی تصریح فرمادی کہ ہم عدم ملکیت کا فیصلہ بھی علی الاطلاق نہیں کرتے۔

جس سے واضح ہوگیا کہ جمہور علماء ہند اور حضرت شیخ جلال قدس سرہ کے فیصلہ میں درحقیقت کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ کیونکہ حضرت شیخ بھی تمام اراضیٔ ہندوستان کے متعلق نہ علی الاطلاق ملکیت کا حکم فرماتے اور نہ عدم ملکیت کا بلکہ مختلف انواع پر تقسیم کرکے بعض میں ملکیت بعض میں عدم ملکیت ان کی تحقیق ہے اور یہی فیصلہ جمہور علماء ہند کا ہے۔ تفصیلات میں البتہ کچھ اختلاف رہے گا جس کی تشریح یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے بیان [1] کے موافق اقسام مذکورہ میں سے زیادہ تر دو قسمیں عام اراضیٔ ہند میں پائی جاتی ہیں اول یہ کہ مالکان سابق ہلاک یا لاپتہ ہوگئے تو باتفاق علماء یہ زمینیں اراضی بیت المال میں داخل اور غیر مملوک قرار پائیں گی۔ دوسری یہ کہ ابتداء فتح میں مالکان اراضی اپنی اراضی چھوڑ کر منتشر ہوگئے پھر مدتوں کے بعد بعض آئے اور اپنی زمینوں پر قابض ہوگئے۔ اور تصرف کرنے لگے۔ یہ صورت حضرت شیخ کے نزدیک تقریر امام میں داخل نہیں جس سے ان کی ملکیت برقرار سمجھی جائے، بلکہ حضرت شیخ نے اس کو اہمال و ابہام کی صورت قرار دی ہے۔ دوسرے علماء اس کو تقریر عملی قرار دے کر ملکیت کے قائل ہیں۔ بالخصوص اگر ان لوگوں نے ان زمینوں میں مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ کے کرلئے یا ان کے مرنے پر ان کی میراث میں تقسیم ہوئی اور حکومت اسلامیہ نے ان کے ان تصرفات کو جائز و برقرار رکھا۔ تو اگرچہ حضرت شیخ کے کلام میں اس کی تصریح نہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ اس کو حضرت شیخؒ بھی تقریر امام میں داخل اور موجب ملکیت قرار دیں گے جیسا کہ علامہ شامی کی تحقیق جو عنقریب آتی ہے اس سے بوضاحت ثابت ہوگا۔

الحمدللہ کہ مذکور الصدر بیان میں حضرت شیخ جلال قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے رسالہ اراضی کے پورے مضامین بھی مع مختصر شرح و توضیح کے اپنے علم و فہم کے موافق آگئے جس کی ضرورت تھی کیونکہ یہ رسالہ اس قدر غلط اور مسخ شدہ چھپا تھا کہ اس سے محصل کلام کا پتہ چلانا آسان نہ تھا۔ اس ناکارہ نے دوسری کتابوں کی طرف مراجعت کرکے حسب استطاعت س کی تصحیح کرلی جس سے مضمون کلام معلوم ہوسکا۔ وباللہ التوفیق۔

[1] ...... قال شیخؒ فی آخر الرسالۃ ص۴ وان اکثر اراضی الھند علی الصورتین المذکورتین فی اول الرسالہ۱۲

علامہ شامی کی تحقیق اراضی مصر و شام کے متعلق

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار باب **العشر والخراج** میں اس مسئلہ پر نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ بحث فرما کر ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی اراضی جن میں اصحاب اراضی مدت دراز سے مالکانہ تصرفات کرتے چلے آئے ہیں۔ اگرچہ ان کی سند ملکیت وسبب ملکیت معلوم نہیں تو ان کا یہ قبضہ وتصرف ہی دلیل سمجھا جائے گا باتفاق مذاہب اربعہ کسی امام وامیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ بلا کسی حجت شرعیہ کے یہ اراضی ان کے قبضہ سے نکال دے یا بیت المال میں داخل کرلے اور کسی امام وامیر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ ان لوگوں سے ملکیت کی سندوں اور ثبوت کا مطالبہ کرے۔ بلکہ ثبوت اس شخص کے ذمہ ہے جو ان کی عدم ملکیت کا دعویٰ کرے اور ان کی ملک سے نکالنا چاہے علامہ شامی کے کلام سے ضروری اجزاء اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔ درمختار میں بحوالہ فتح القدیر اراضی مصر وشام وغیرہ کے متعلق یہ نقل کیا گیا کہ وہ زمینداروں کی ملک نہیں اور درمختار نے اس کا سبب بطور احتمال یہ بیان کیا کہ شاید ان اراضی کے اصلی مالکان لاوارث فوت ہوگئے اس لئے ان کی زمینیں اراضی بیت المال میں داخل ہوگئیں۔ درمختار کے الفاظ یہ ہیں۔

وفی الفتح الماخوذ الآن من اراضی مصر اجرة لاخراج الاتری انها لیست مملوكة للزراع كانه لموت المالكين شيئا فشيئا بلاوارث فصارت لبيت المال۔

علامہ شامیؒ نے اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ رد بلیغ فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

لكن عدم ملك الزراع فی الاراضی الشامية غير معلوم لنا الا فی نحو القریٰ والمزارع الموقوفه او المعلوم كونها لبيت المال اماغيرها فنراهم يتوارثونها ويبيعونها جيلا بعد جيل۔

''اراضی شامیہ کا غیر مملوکہ زمینداران ہونا ہمیں معلوم نہیں بجز خاص مزارع موقوفہ یا ان اراضی کے جنکے متعلق اراضی بیت المال ہونا معلوم ومعروف۔ باقی عام اراضی کو ہم دیکھتے ہیں کہ برابر لوگوں کی میراث میں تقسیم ہوتی ہیں اور نسلاً بعد نسل بیع وشراء کرتے چلے آئے ہیں۔''

اس کے بعد ثبوت میں علامہ شامی نے فتاویٰ خیریہ سے بحوالہ تتارخانیہ نقل فرمایا

ففی التتارخانيه وكثير من كتب المذهب وارض الخراج

مملوكة وكذلك ارض العشر يجوز بيعها وايقانها وتكون ميراثاً كسائرا ملاكه (الى قوله)فاذا ادعى واضع اليدالذى تلقاها شراءً اوارثاً اوغيرهما من اسباب الملك انها ملكه وان يؤدى خراجها فالقول له وعلى من يخاصمه فى الملك البرهان۔

''تتارخانیہ اور بہت سی کتب مذہب میں ہے کہ خراجی زمین اور اسی طرح جو عشری مملوک ہے ان کی بیع وشراء اور وقف بھی جائز ہے اور وہ تمام املاک کی طرح وراثت میں تقسیم ہوتی ہے۔ تو جب کوئی قابض زمین جس نے اس کو خریدا ہے یا وراثت وغیرہ اسباب ملک سے حاصل کیا ہے یہ دعوی کرے کہ وہ میری ملک ہے اور میں اس کا خراج ادا کرتا ہوں تو اس کا قول معتبر ہے اور بارِ ثبوت اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کی ملکیت میں جھگڑا کرے۔''

اس کے بعد علامہ شامی فتاویٰ خیریہ کی تقریر کی مزید تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولايخفى انه كلام حسن جارعلى القواعد الفقهية وقد قالوا ان وضع اليد والتصرف من اقوى مايستدل به على الملك ولذاتصح الشهادة انها ملكه۔

''پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ کلام درست وصحیح قواعد فقہیہ پر منطبق ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ قبضہ اور تصرف سب سے زیادہ قوی دلیل ملکیت کی ہے اور اسی لئے (قابض متصرف کے حق میں گواہی دینا درست ہے کہ وہ اسکی ملک ہے۔''

اس کے بعد صاحب درمختار کے اس قول پر کہ یہ زمینیں مالکوں کے لاوارث مرجانے کے سبب اراضیٔ بیت المال میں داخل ہوگئی رد کرتے ہوئے فرمایا۔

فاذاكانت مملوكة لاهلها فمن اين يقال انها صارت لبيت المال باحتمال ان اهلها كلهم ماتوابلا وارث فان هذا الاحتمال لا ينفى الملك الذى كان ثابتاً۔

''پس جب یہ اراضی مملوک ہوئی تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بیت المال کی ہوگئی اس احتمال پر کہ ان کے مالک سب کے سب لاوارث مرگئے کیونکہ یہ احتمال اس ملک کو زائل نہیں کرسکتا جو پہلے سے ثابت تھی۔''

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے بتلایا کہ اگرچہ اراضیٔ مصر وشام کی ملکیت اور وقفیت میں ائمہ کا

اختلاف ہے لیکن جن اراضی پر لوگوں کا قبضہ وتصرف مالکانہ مدت دراز سے ثابت ومتوارث ہے ان کے متعلق علماء مذاہب اربعہ سب متفق ہیں کہ وہ اراضی ان کے قبضہ سے نکالنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ اس پر امام تقی الدین سبکیؒ کا فتویٰ بالفاظ ذیل نقل فرمایا۔

وهذا على مذهبنا ظاهر و كذا عند من يقول انها وقف على المسلمين فقد قال الامام السبكيؒ ان الواقع فی هذه البلاد الشامية والمصرية انها فی ایدی المسلمین فلاشك انهالهم اما وقفا وهو الاظهر من جهة عمرؓ واما ملكاً وان لم يعرف من انتقل منه الی بيت المال فان من بيده شئ لم يعرف من انتقل منه اليه يبقى فی يده ولا يكلف بينه ثم قال من وجدنا فی يده او ملكه مكاناً منها فيحتمل انه احی او وصل اليه وصولا صحيحا۔

''یہ بات ہمارے (یعنی حنفیہ کے) مذہب پر ظاہر ہی ہے (کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو اراضی مصر وشام اہل اراضی کی ملک ہی ہیں) اور جو لوگ ان کو وقف کہتے ہیں ان کے مذہب پر بھی یہ امر مسلم ہے جیسا کہ امام سبکیؒ نے فرمایا کہ بلاد مصر وشام کی اراضی میں جو صورت واقع ہے وہ یہ کہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ انہی کی اراضی ہیں خواہ وہ بطور وقف کے (ان کے قبضہ وتصرف میں ہیں) اور یہی زیادہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو وقف کر دیا تھا اور یا بحیثیت ملک کے۔ اگرچہ بات معروف نہ ہو کہ ان کی ملک میں کب اور کہاں سے منتقل ہوئی کیونکہ جو چیز کسی کے قبضہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے پاس کہاں سے آئی ہے تو بلا وجہ شرعی وہ اس کے قبضہ سے نہیں نکالی جا سکتی۔ اور نہ اس کو ثبوت پیش کرنے کی تکلیف دی جا سکتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم جس شخص کے قبضہ یا ملک میں ان اراضی کا کوئی مکان پائیں اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ اصل سے ارض موات ہو یہ شخص اس کو آباد کر کے مالک ہو گیا ہو یا اور کسی جائز طریقہ سے اس کی ملک میں آئی ہو۔''

اس کے بعد امام سبکیؒ کے قول مذکور پر محقق ابن حجر مکی شافعیؒ کی مزید توضیح وتائید بالفاظ ذیل منقول ہے۔

فهذا صريح فی انا نحكم لذوی الاملاك والاوقاف ببقاء ايديهم على ماهی عليه ولا يضرنا كون اصل الاراضی ملكا

لبیت المال او وقفا علی المسلمین لان کل ارض نظرنا الیها بخصوصها لم یتحقق فیها انها من ذلك الوقف ولا الملك لاحتمال انها کانت مواتا فاحییت وعلی فرض تحقق انها من بیت المال فان استمرارًا لید علیها والتصرف فیها تصرف الملاك فی املاکهم أو النظار فیما تحت ایدیهم الازمان المتطاولة قرائن ظاهرة اوقطعیة علی الید المفیدة لعدم التعرض لمن هی تحت یده وعدم انتزاعها منه۔

"امام سبکیؒ کا یہ قول صریح ہے کہ ہم اصحاب ملک اور اصحاب وقف کے لئے ان کا قبضہ بدستور باقی رہنے کا حکم کریں گے اور اس حکم میں یہ بات مضر نہیں کہ اصل سے اراضی شام وقف یا ملک بیت المال ہوں۔ کیونکہ کسی خاص زمین کے متعلق یہ بات متحقق نہیں کہ یہ اسی وقف یا ملک بیت المال سے ہے۔ بوجہ اس احتمال کے کہ شاید یہ زمین ارض موات ہو۔ جس کو آباد کر کے اپنی ملک میں لایا گیا ہو۔ اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ خاص زمین بیت المال ہی کی زمین ہے تو پھر بھی اس پر زمانہ دراز سے قبضہ وتصرف اور ان میں مالکانہ یا متولیانہ تصرفات اس کے قرائن ظاہرہ یا قطعیہ ہیں کہ ان کا قبضہ ثابت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ (بدرجۂ ثبوت شرعی کے) ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور جس کے قبضہ میں ہے اس سے نہ نکالا جائے۔"

شیخ محقق ابن حجر مکیؒ کے زمانہ میں بعض سلاطین مصر نے ارادہ کیا تھا کہ ایسی زمینیں جن کی ملکیت کی کوئی سند قابضان اراضی کے پاس نہیں ہے ان کو ان کے قبضہ سے نکال کر اراضی بیت المال میں شامل کر لیں۔

یہ تقریباً وہی صورت تھی جس کو حضرت شیخ جلال تھانیسریؒ نے ابہام واہمال کی صورت سے تعبیر فرمایا ہے۔ محقق ابن حجرؒ نے اس کی مخالفت کی کہ یہ قبضہ متوارث دلیل ملک ہے ان کے قبضہ سے نکالنا جائز نہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا تقرر ذلك بان لك واتضح اتضاحاً لا یبقی معه ریبة ان الاراضی التی فی ایدی الناس بمصر والشام والمجهول انتقالها الیهم تقرفی ایدی اربابها ولا یتعرض لهم فیها بشئ اصلا لان الائمة اذاقالوا فی الکنائس المبنیة للکفر انها تبقی

ولا یعترض لها عملا بذلك للاحتمال الضعیف ای کونها فی
بریة فاتصلت بها عمارة المصر فاولٰی ان یقولوا ببقاء تلك
الاراضی بید من هی تحت ایدیهم باحتمال انها کانت مواتاً
فَاُحْیِیَتْ او انها انتقلت الیهم بوجه صحیح۔

''جب تقریر مذکور ثابت ہوگئی تو حکم ذیل ایسا واضح ہوگیا کہ اس کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی وہ یہ کہ مصر وشام میں جو اراضی لوگوں کے قبضہ میں ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ ان کی طرف کب اور کہاں سے منتقل ہوئی تو ان اصحاب اراضی کو انکی اراضی پر برقرار رکھا جائے گا اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا کیونکہ ائمہ فقہاء نے کفار کے (معابد) گرجا اور مندروں کے بارہ میں جو شہر کے اندر واقع ہیں یہ حکم دیا کہ ان کو بدستور باقی رکھا جائے محض اس احتمال پر کہ اول وہ کسی قریہ یا جنگل میں ہوں پھر شہر کی آبادی متصل ہو کر وسط شہر میں آگئے ہوں تو یہ بدرجہ اولیٰ قابل قبول ہے کہ جو اراضی لوگوں کے قبضہ وتصرف میں ہیں ان کو بدستور باقی رکھا جائے۔
اس احتمال پر کہ وہ اصل سے ارض موات ہوں ان کو آباد کرلیا گیا ہو اور کسی جائز طریقہ سے ان کی طرف منتقل ہوئی ہوں''۔

اور محقق ابن حجرؒ سے پہلے اسی قسم کا ایک واقعہ ملک ظاہر بیبرس کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ اس نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں مصر کی زمینیں ہیں وہ اپنی ملکیت کا ثبوت بذریعہ اسناد پیش کریں ورنہ ہم یہ زمینیں ان کے قبضہ سے نکال کر اراضی بیت المال میں شامل کر لیں گے تو اس زمانہ کے شیخ الاسلام امام نوویؒ اس ظلم کے ازالہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اس کو بتلایا کہ ایسا کرنا غایت جہل وعناد اور ظلم ہے۔ علماء اسلام میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ان ذلك غایة الجهل والعنادو انه لایحل عند احد من علماء
المسلمین بل من فی یده شیٔ فهو ملکه لایحل لاحد
الاعتراض علیه ولا یکلف اثباته ببیّنة۔

''یہ بات انتہائی جہل اور عناد ہے اور یہ علماء اسلام میں سے کسی کے نزدیک حلال نہیں بلکہ جس شخص کے قبضہ مالکانہ میں جو چیز ہے وہ اس کی ملک ہے کسی کو (بلاوجہ شرعی) اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں اور اس کو ملکیت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے مکلّف نہیں بنایا جاسکتا''

شیخ الاسلام امام نوویؒ برابر سلطان ظاہر بیبرس کو اس بارہ میں وعظ ونصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ سلطان نے یہ فرمان واپس لے لیا۔

محقق ابن حجرؒ نے ملک ظاہر بیبرس اور شیخ الاسلام نوویؒ کا یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس مسئلہ کے اجماعی اور مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہونے کو بالفاظ ذیل بیان فرمایا۔

فهذاالخبر الذی اتفقت علماء المذاهب علیٰ قبول نقله والاعتراف بتحقیقه وفضله نقل اجماع العلماء علی عدم المطالبة بمستند عملاً بالید الظاهر فیها انها وضعت بحق۔

''یہ خبر جس کے قبول کرنے اور اس کے نضیلت کا اعتراف کرنے پر تمام مذاہب کے علماء متفق ہیں۔ یہ اجماع علماء کی نقل ہے اس بات پر کہ ان لوگوں سے ملکیت کا ثبوت طلب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ قبضۂ ظاہر ومتوارث کو جائز قبضہ قرار دیا جائے گا۔''

ان تمام وقائع اور تحقیقات امام سبکیؒ وابن حجر مکیؒ شافعی وشیخ الاسلام نووی شافعیؒ کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں۔

قلت فاذا کان مذهب هؤلآء الاعلام ان الاراضی المصرية والشامية اصلها وقف علی المسلمین اولبیت المال ومع ذلك لم یجیزوا مطالبة احد یدعی شیئاً انه ملکه بمستند یشهدله بناء علی احتمال انتقاله الیه بوجه صحیح فکیف یصح علی مذهبنابانها مملوکة لاهلها اقروا علیها بالخراج کماقد مناه۔

''میں کہتا ہوں کہ جب ان (شافعی المذہب) بزرگوں کا مذہب اصل سے یہ ہے کہ مصر وشام کی اراضی اصل میں مسلمانوں پر وقف یا ملک بیت المال ہیں اور اس کے باوجود یہ حضرات قابضین اراضی سے ملکیت کا ثبوت مانگنا بھی جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کا قبضہ بحال رکھنے کا حکم اس احتمال پر کرتے ہیں کہ ان کی طرف کسی جائز طریقہ سے منتقل ہوئی ہوگی۔ تو ہمارے مذہب پر جس میں اصل یہی ہے کہ اراضی مصر وشام ان کے زمینداروں کی ملک ہیں کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔''

آخر میں علامہ شامیؒ نے تمام اقوال فقہاء اور اپنی تحقیق کا خلاصہ اراضی مصر وشام کے متعلق

الفاظ ذیل میں تحریر فرمایا۔

والحاصل فی الارضی الشامیة والمصریة ونحوها ان ماعلم منها کونه لبیت المال بوجه شرعی فحکمه ماذکره الشارح عن الفتح ومالم یعلم فهو ملك لاربابه(الی)فاغتنم هذا التحریر فانه صریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ وانما اطلت فی ذلك لانی لم ارمن تعرض لذلك هنابل تبعوا المحقق الکمال فی ذلك والحق احق ان یتبع ولعل مرادالمحقق ومن تبعه الاراضی اللتی علم کونها لبیت المال۔ واللّٰه اعلم۔

''خلاصہ حکم اراضی شام ومصر وغیرہ کے متعلق یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں کسی وجہ شرعی سے ملک بیت المال ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو شارح (صاحب درمختار نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے (یعنی یہ زمین زمینداروں کی ملک نہیں) اور جس زمین کے متعلق کوئی ایسا ثبوت بہم نہ پہنچے تو وہ اصحاب اراضی کی ملک ہے۔(اس کے بعد فرماتے ہیں کہ) اس تحریر کو غنیمت سمجھو کہ یہی صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے۔ میں نے اس بیان میں اس لئے تطویل کی کہ کسی نے اس بحث کو مفصل نہ لکھا تھا بلکہ عام لوگ صاحب فتح القدیر کے لکھے ہوئے مضمون کے ظاہر کا اتباع کرنے لگے حالانکہ حق زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور شاید محقق صاحب فتح کی مراد بھی (ہمارے بیان سے مختلف نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ وہ زمینیں مملوک زمینداران نہیں جن کے متعلقِ ملک بیت المال ہونے کا ثبوت موجود ہو۔ واللہ اعلم

یہ پوری تحقیق اور اس کے متعلقہ عبارات، ردالمحتار (شامی) کے باب العشر والخراج ص۳۵۶، لغایت ص۳۵۶ جلد سوم سے ماخوذ ہے۔

خلاصہ اقسام واحکام اراضی ہند

اتنی بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ ہندوستان کی اراضی اپنے اقسام واحکام میں مثل اراضی شام، عراق، مصر کے ہیں کہ غانمین میں تقسیم نہیں کی گئی۔ پھر ان میں حسب اختیاراتِ امام مختلف صورتیں جاری ہوئیں۔ بعض اراضی بیت المال میں داخل ہوئیں بعض پر سابق مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھی گئی اور ان پر خراج مقرر کر دیا گیا پھر جو بیت المال میں داخل ہوئیں ان میں

سے بھی بعض مستحقین کو بطورِ ملک دیدی گئیں بعض اقسام میں بعض مشائخ وعلماء کا اختلاف ہے۔

رسالہ ہذا میں جو تاریخی روایات ونقول پیش کی گئی ہیں ان کے پیش نظر اراضی ہند مندرجہ ذیل اقسام پر ہیں۔ ہرایک قسم کا حکم بھی اس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱) وہ اراضی جن کے مالک اوّل فتح کے وقت مسلمان ہو گئے یا بلا مقابلہ صلح کے ساتھ ملک مسلمانوں کے حوالہ کردیا اور صلح نامہ میں اراضی پر ان کی ملکیت بدستور رہنا طے ہوا تو یہ اراضی باجماع واتفاق علماء مالکان سابق کی ملکیت میں رہیں گی۔ جیسا کہ سندھ و ہند کے بہت سے بلاد میں ایسی صورتوں کا وقوع مستند کتب تاریخ کے حوالوں سے اس رسالہ میں نقل کیا گیا ہے۔

۲) وہ زمینیں جن پر فتح کے بعد ان کے مالکانِ سابق کی ملکیت برقرار رکھنے کی تشریحات شاہی فرامین یا مستند کتب تاریخ میں موجود ہیں اور قابضان مال کا قبضہ ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت نہیں جیسے سندھ میں محمد بن قاسم کے فرامین اور بہت سے بلادِ ہند میں سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری، علاؤ الدین خلجی وغیرہم فاتحان ہند کی تصریحات بحوالۂ تاریخ کامل ابن اثیر وغیرہ شروع رسالہ میں نقل کی گئی ہیں۔

یہ اراضی باتفاق و باجماع علماء زمینداران مالکان سابق کی ملکیت ہیں۔ حضرت شیخ جلال تھانیسریؒ کو بھی اس میں اختلاف نہیں۔

۳) وہ اراضی جن کا اصل سے کوئی مالک معروف نہیں تھا۔ یا مالک تھے پھر وہ لاوارث مر گئے ان میں سے جو زمینیں سلطان نے لوگوں کو بطور ملک دے دیں وہ باجماع و اتفاق ان اشخاص کی ملک ہوگئی۔ اسی طرح وہ زمینیں جو پہلے کفار مالکان اراضی کے قبضہ میں تھیں پھر کسی وجہ سے شرعی حکومت (اسلامیہ) نے ان کو ضبط کرکے مسلمان مستحقین کو دے دیں وہ بھی ان کے ملک میں داخل ہوگئیں۔ (کما حققہ الشیخ الجلال فی رسالتہ)

۴) وہ غیر آباد بیکار زمینیں جن کو ارض موات کہا جاتا ہے ان کو اگر کسی مسلم یا غیر مسلم مستحق نے باجازت سلطان آباد اور قابل انتفاع بنالیا وہ بھی باجماع واتفاق اس کی ملک ہوگئیں۔

۵) وہ اراضی جن پر فتح اسلامی کے بعد کفار مالکانِ سابق قابض ومتصرف رہے مگر کوئی سرکاری اعلان وفرمان ان کی ملکیت برقرار رکھنے کا ہمیں معلوم نہیں، ان میں حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس سرہٗ ان کی ملکیت تسلیم نہیں فرماتے۔ اور جمہور علماء ان کے متواتر قبضہ اور

حکام اسلام کے سکوت ہی کو عملی تقریر قرار دے کر انہیں مالکان سابق کی ملکیت قرار دیتے ہیں اور حضرت شیخ کا اختلاف بھی بظاہر اسی وقت تک ہے جب تک ان کی ملکیت ابہام و اہمال کے درجہ میں رہے اور جب یہ زمینیں ان کے وارثوں میں تقسیم ہو جائیں یا یہ لوگ ان میں مالکانہ تصرفات بیع وغیرہ کے کرلیں اور حکومت اسلامیہ ان پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے تصرفات اور تقسیم وراثت کو برقرار رکھے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ صورت حضرت شیخ کے نزدیک بھی اہمال میں داخل نہیں رہے گی بلکہ باتفاق ملکیت کا حکم کیا جائے گا۔

۶) وہ اراضی جو کسی مشترک اور عام ضروریات کے لئے وقف ہیں جیسا کہ قبرستان، چراگاہ، گھوڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔ یہ زمینیں کسی کی ملک خاص نہیں ہوسکتیں نہ امام کو ان میں سے کسی کو بطور عطیہ و جاگیر دینے کا حق حاصل ہے۔

۷) وہ زمینیں جن میں ضروریات عامہ کی چیزیں نمک یا مٹی کا تیل پٹرول وغیرہ پیدا ہوتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی کی ملک شخصی نہیں اور نہ سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کو اپنی ملک میں داخل کرے یا کسی دوسرے شخص کو مالک بنا دے بلکہ وہ منفعت عامہ کے لئے وقف عام رہیں گی۔

۸) وہ زمینیں جن کا پہلے سے کوئی مالک معروف نہیں تھا یا بعد میں مالک لاوارث مر گیا اور سلطان نے وہ کسی مستحق کو بطور ملک دی بھی نہیں تو یہ اراضی بھی کسی شخص کی ملک نہیں بیت المال (سرکاری خزانہ) کا حق ہیں ان کی آمدنی بیت المال میں جمع ہوگی اسی طرح غیر آباد غیر مملوک جنگلات اور پہاڑی زمینیں بھی بیت المال کے ماتحت رہیں گی ان سے انتفاع کا ہر شخص کو حق ہوگا۔

۹) وہ اراضی جو سابق راجاؤں کی ذاتی املاک تھیں اور اہل اسلام نے ان کو بزور شمشیر فتح کیا تو راجاؤں کی ذاتی املاک و مقبوضات بھی بیت المال کا حق ہیں کسی کی شخصی ملک نہیں۔ مگر یہ کہ سلطان ان میں سے کسی کو کوئی زمین بطور ملک دے دے۔

۱۰) وہ اراضی جن پر کفار مالکان سابق قابض و متصرف تھے پھر ان سے قوت و غلبہ کے ساتھ ملک فتح کیا گیا اور اول فتح کے وقت مالکان سابق کو ان کی اراضی سے نکال کر امام نے بیت المال کے لئے خاص کرلیا تو وہ بھی کسی کی ملک نہیں رہیں گی۔ بجز اس کے کہ سلطان حسب صوابدید ان میں سے کوئی زمین کسی مستحق کو بطور ملک دے دے مگر یہ صورت صرفِ

اول فتح میں اس وقت تک ہو سکتی ہے جب تک سلطان کی طرف سے مالکانِ سابق کو ملکیت پر برقرار رکھنے کا اعلان واقرار نہ ہو۔ بعد میں سلطان کو بھی یہ اختیار نہیں رہتا کہ جن کی ملکیت برقرار رکھنے کا وعدہ کر لیا گیا ہے ان کو ان کی اراضی سے بے دخل کرے۔

مذکور الصدر اقسام دہگانہ میں سے ملک کی عام زمینیں تو ابتدائی پانچ قسموں میں آ چکیں اور ان کا یہ حکم معلوم ہو چکا کہ ملک زمینداران ہیں۔ آخری پانچ قسمیں حکومت اسلامیہ (بیت المال) کی ملک ہیں ان میں سے بھی آخری تین قسموں میں سے جو زمین کسی مستحق کو باذن سلطانی دے دی جائے وہ اس کی ملک شخصی ہو جائے گی۔

ف: اور جس زمین کا محض خراج کسی جاگیردار کو دیا گیا ہے وہ زمین اس کی ملک میں داخل نہ ہو گی بلکہ اگر وہ کسی شخص کی مملوک ہے تو اس کی ملک خاص میں اور اگر بیت المال کی زمین ہے تو بیت المال کے لئے بدستور باقی رہے گی صرف خراج جاگیردار کا حق ہو گا۔ اس میں بھی امام کو ردوبدل کا اختیار رہے گا۔

تعیین قسم زمین

مذکورہ بالا تفصیل سے اراضی ہند کی اقسام اور ان کے احکام معلوم ہو چکے۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ ہر بلدہ میں کون سی زمین کس قسم میں داخل ہے اس کے متعلق علامہ شامیؒ کا فیصلہ اراضی شام کے متعلق جو درحقیقت تمام مذاہب اربعہ کے علماء کا فیصلہ ہے ابھی مذکور ہوا ہے سہل اور صاف ہے۔ یعنی

'جس زمین کے متعلق کسی حجت ودلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ بیت المال کے لئے رہے گی اس پر کوئی ناجائز قبضہ کرے گا تو ہٹایا جائے گا اور جس زمین کے متعلق کوئی ثبوت ملکِ بیت المال ہونے کا نہیں ہے اور لوگ ان پر قابض و متصرف مدعی ملکیت ہیں اور ان کے مالکانہ تصرفات اور وراثت میں تقسیم متوارث چلی آتی ہے تو وہ لوگ ان اراضی کے مالک قرار پائیں گے (شامی ص ۳۵۶ ج ۳) واللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اعلم و قدتم ھذا الباب بحمد اللّٰہ تعالٰی یوم السبت لمنتصف جمادی الاولٰی ۱۳۶۷ھ۔
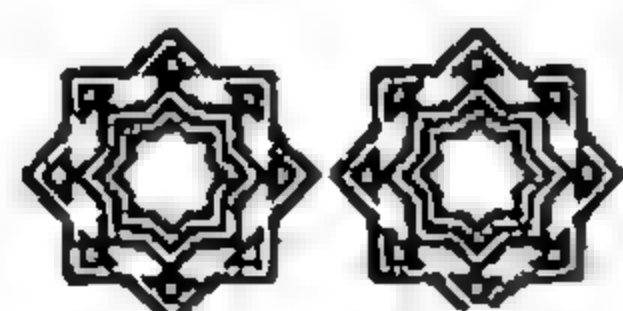
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب سوم

انگریزی عہد میں اراضی ہند کی ملکیت وغیرہ سے متعلقہ احکام

رسالہ ہذا کے دوسرے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں اکثر سلاطین اسلام نے اراضی کا خراج (سرکاری مالگذاری) وصول کرنے اور فوج کا نظم ہر علاقہ میں قائم رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ ایک ایک دو دو یا زیادہ تحصیلوں کا کسی شخص کو جاگیردار بنادیا، جس کی جاگیرداری کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اراضی کا خراج وصول کر کے اس کا کوئی جزو تہائی چوتھائی حصہ خود لے لے جس سے اپنے اور اپنی متعلقہ فوج کے مصارف پورے کرے باقی بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع کردے۔

اس قسم کے جاگیردار ظاہر ہے کہ زمینوں کے مالک نہ تھے بلکہ مالک وہی زمیندار تھے جو پہلے سے مالک چلے آتے تھے اور فتح اسلامی کے بعد بھی اپنی ملکیت پر برقرار رہے۔ جاگیردار کی حیثیت ایک ٹھیکہ دار سے زائد نہ تھی، کہ وصولی مالگذاری اور متعلقہ فوج کا انتظام اس کا فرض اور مالگذاری کوئی جزو معین اس کا حق خدمت ہوتا تھا۔ اس طرح سلطنت کے ماتحت وصولی مالگذاری کے ذمہ دار جاگیردار تھے اور مالکان اراضی زمیندار اور زمیندار چونکہ اس وقت عموماً خود ہی کاشت کرتے کراتے تھے تو وہی کاشتکار بھی کہلا سکتے ہیں زمیندار و کاشتکار کی یہ تقسیم وتفریق جو آج کے قانون اور عمل میں مشاہد ہے اس وقت نہ تھی۔

سلاطین اسلام کے اس طرز عمل کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ جب بھی سلطنت کے نظام میں ذرا ڈھیلا پن پیدا ہوتو یہ جاگیردار خود مختار سرکار بن جائیں۔ چنانچہ سلاطین ہند میں سے خاندان تغلق کے بعد طوائف الملو کی ہندوستان میں پیدا ہوئی اس کا بڑا سبب یہ بڑے بڑے جاگیردار اور تعلقہ دار بھی تھے۔

پھر عہد مغلیہ میں بہت سی کوششوں کے بعد یہ طوائف الملو کی ختم ہو کر سلطنت پھر اپنے آب وتاب سے قائم ہوئی۔ لیکن وہ بھی اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد نہ چل سکی۔ اور پھر وہی طوائف الملو کی شروع ہو کر ملک وسلطنت کے حصے بخرے لگ گئے یہاں تک کہ ''بادشاہی شاہ عالم از دہلی

تا پالم'' کا مقولہ زبان زد عام ہو گیا۔ اس وقت پھر یہ جاگیردار اکثر مواقع میں خود مختار بن گئے اور اراضی کا پورا اخراج وصول کرنے لگے۔ اور کہیں ایسا بھی ہوا ہو تو بعید نہیں کہ چھوٹے جاگیرداروں نے مالکان اراضی زمینداروں پر ظلم و تعدی کر کے خود ہی مالک بن بیٹھے ہوں جیسا کہ بنگال میں ایسا واقعہ ہونا آئندہ معلوم ہوگا اور شاید اسی وجہ سے بعض علاقوں میں جاگیردار ہی کو زمیندار کہنے لگے۔ لفظ زمیندار کا ان مختلف عنوانوں میں استعمال ہی عموماً شبہات کا موجب ہوا۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جمایا تو رائج شدہ قانون و طریق کار کو یکسر بدلنا مشکلات سے خالی نہ پا کر ابتدائی عہد سلطنت میں انہوں نے بھی بہت جگہ تحصیل مالگذاری کا پرانا جاگیرداری یا بالفاظ دیگر ٹھیکہ داری کی صورت میں جاری رکھا۔ بعض علاقوں میں یہ جاگیردار انگریزی عہد میں بھی خود مالک زمین بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو مالک تسلیم کرنے لگا۔

اس سلسلہ میں ہم جناب محمد الیاس صاحب برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کی کتاب ''معیشت الہند'' کے کچھ اقتباسات پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں کیونکہ فاضل موصوف نے بڑی تحقیق و تنقید کے ساتھ سرکاری دفاتر اور ذمہ دار انگریز ماہرین کی تحریرات سے اس کو مرتب کیا ہے۔

> ''قدیم زمانہ سے ہندوستان میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ محاصل کا بڑا حصہ زمین سے وصول کیا جاتا ہے منوجی کے شاستروں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک معین حصہ سلطنت کا حق شمار ہوتا ہے مثلاً کل پیداوار کا ایک تہائی یا چوتھائی حصہ پہلے مالگذاری میں صرف وصول کیا جاتا تھا (الیٰ قولہ) شاہان مغلیہ کے عہد مین لگان کا طریق باقاعدہ بن گیا۔ اکبر اور اس کے ہندو وزیر ٹوڈرمل نے ایک ایسی زبردست حکومت قائم کرنے کی کوشش کی کہ ملک کے تمام حصوں میں اس کے اختیارات نافذ ہوں۔ اور اسی غرض سے ایک موثر مالی انتظام کی بنا ڈالی۔ کیونکہ تمام حکومتوں کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت رہتی ہے اول تو لگان میں پیداوار کے بجائے نقد رقم وصول ہونے لگی دوسرے بندوبست کی رو سے یہ قرار پایا کہ اتنی مدت تک اس قدر معین رقم بطور لگان ہر سال ادا کرنا ہوگی چنانچہ گذشتہ دس سال کے نرخوں کا حساب لگا کر حکومت کا واجبی حق ایک ثلث قرار دیا گیا''۔

جب مسلمانوں کی سلطنت کو زوال ہوا تو مالگذاری کی حالت بھی ابتر ہوئی۔ تحصیل کا ٹھیکہ دینے کا برا طریقہ عام طور پر رائج ہو گیا۔ مالگذاری کے ٹھیکہ دار یا تو ہندو سرگروہ ہوتے تھے جن کی

دلجوئی مسلمان حکمرانوں کو مقصود تھی یا ایسے لوگ جو اپنے رتبہ یا سابق خدمات کی وجہ سے سلطنت پر کوئی حق رکھتے تھے بنگال میں تو وہ زمیندار کہلاتے تھے اودھ و گجرات میں ان کو تعلقہ دار کہتے تھے جوں جوں زمانہ گذرتا گیا زمیندار خودرائے ہوتے گئے جس قدر چاہا کاشتکاروں سے لگان طلب کیا اور جس قدر ہوسکا وصول کر لیا رہی مالگذاری سو جتنی طے ہوتی تھی خزانہ میں داخل کر دی باقی رکھ لی۔ (معیشۃ الہند باب ۱۱)

نیز اسی کتاب کے ص ۲۶۴ میں ہے۔

"اودھ ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ اول اول تعلقہ داروں سے بدگمانی تھی اس وجہ سے ان کو برطرف کر کے کاشتکاروں سے براہ راست معاملہ کرنے کا خیال تھا لیکن ۱۸۵۷ء کی شورش میں تعلقہ داروں نے سرکار کا ساتھ دیا بدگمانی رفع ہو کر خوشنودی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ لارڈ کیننگ نے ان کی جائیدادوں پر ان کو بحال رکھ کر انہی سے مالگذاری مقرر کر لی۔"

۱۸۶۱ء اور ۱۸۸۶ء میں قانون لگان اودھ پاس ہوا جن سے کاشتکاروں کے حقوق کی کچھ حفاظت ہوگئی۔ ایک جماعت دخیل کار کاشتکاروں کی بھی پیدا ہوگئی تاہم تعلقہ داروں کو کاشتکاروں پر بہت زیادہ اقتدار رہا۔ سیاسی تحریکوں کی اعانت سے بالآخر اودھ کے کاشتکاروں نے ۱۹۲۰ء میں جابجا کسان سبھا قائم کر کے متحدہ طور پر حقوق کا مطالبہ کیا۔ حسن اتفاق سے سرکورٹ بٹلر صوبہ کے گورنر تھے۔ وقت شناس ہونے کے علاوہ اودھ کے تعلقہ داروں پر ان کا خاص ذاتی اثر تھا۔ انہوں نے بیچ میں پڑ کر اور تعلقہ داروں کو سمجھا بجھا کر کچھ رعایتوں پر رضامند کر لیا۔

چنانچہ اسی سال یعنی ۱۹۲۲ء میں ایک جدید قانون لگان اودھ پاس ہوا جس کی رو سے کاشتکار مدت العمر زمین پر قابض رہے گا دس دس سال کے وقفہ سے بقدر مناسب لگان کا اضافہ ہو سکے گا۔ خاص خاص عطاؤں اور فروگذاشتوں کی پاداش میں وہ البتہ بے دخل کر دیا جائے گا اور اس کو کسی صورت میں حق وراثت حاصل نہ ہو سکے گا۔ (معیشۃ الہند ص ۲۶۱)

نیز اسی کتاب کے گیارھویں باب میں ہے۔

حقیت اراضی زمینداری اور رعیت داری

مالگذاری کے بندوبست اور تحصیل کا طریق بیان کرنے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں حقیت اراضی کی کیا کیا صورتیں موجود ہیں۔ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اٹھارویں صدی کے ختم پر مالگذاری کی تحصیل ٹھیکہ داروں کے سپرد تھی بعض مقامات مثلاً بنگال میں یہ لوگ زمین کے مالک بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو مالک تسلیم کرنے لگا۔ دیگر مقامات مثلاً بمبئی اور جنوبی ہندوستان میں بیشتر یہ لوگ باقی نہیں رہے، یا کچھ باقی ہیں بھی تو صرف چند فرائض ان کے ذمہ رہ گئے ہیں۔ سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ صوبہ بمبئی اور مدراس میں بیشتر اراضی کاشتکاروں کی ملک ہے اور سرکار ہر ایک سے جدا جدا مالگذاری مقرر کرتی ہے اس طریق ملک کو رعیت داری کہتے ہیں۔

نتائج وفوائد معیشتہ الہند کے مذکورہ بالا اقتباسات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱)......انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا۔ اور یہ مالکان اراضی زمیندار کہلاتے ہیں۔

(۲)......تحصیل مالگذاری میں بھی بہت سے علاقوں میں پرانا طریقہ جاگیرداری یا بالفاظ دیگر ٹھیکہ داری کا جاری رکھا۔

(۳)......بعض صوبوں مثل بنگال میں یہ تعلقہ دار جو درحقیقت مالکان اراضی نہیں بلکہ ٹھیکہ دار تھے سلطنت کی ابتدائی گڑبڑ میں خود مالک زمین بن بیٹھے اور قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا۔ اسی لئے بنگال میں تعلقہ داروں کو زمیندار کہنے لگے۔

(۴)......اس عہد میں خود کاشتکار زمینداروں کے بجائے ایک دوسرے طریقہ نے زیادہ رواج پایا جس کو زمیندار و کاشتکار کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زمیندار و کاشتکار کی اس تفریق نے کاشتکاروں کی طرف سے مطالبہ حقوق کے جھگڑے اور کسان سبھا وغیرہ پیدا کیں اور کاشتکاروں کے حقوق کے لئے قانون بنے۔ انگریزی عہد سے پہلے حقیت اراضی زمیندار اور پھر سرکار کے لئے مخصوص تھی اور چونکہ عموماً دستور خود کاشت کا تھا اس لئے زمیندار ہی کاشتکار بھی تھے اور کہیں لگان پر زمین دینے کا طریقہ رائج بھی ہو۔ جب بھی سرکاری کاغذات میں کاشتکار کا زمیندار سے علیحدہ کوئی منصب حقیت اراضی میں نہیں تھا۔ انگریزی عہد ۱۹۲۲ء میں نئے قانون نے حقیت اراضی میں کاشتکار کا درجہ بھی مثل سہیم و شریک کے قائم کر دیا۔ اور اب اس سلسلہ میں سرکار نے زمیندار کے ساتھ ایک تیسرا درجہ کاشتکار کا بھی قائم ہو گیا۔ کاشتکار کے مستقل حقوق اور ان کے تحفظ ابتداءً اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ جب خود کاشت کے بجائے لگان پر اراضی دینے

کارواج بڑھا تو زمین کی پیداوار پر اس کا ایک ناگوار اثر پڑا کیونکہ کاشتکار اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے زمین کے درست کرنے اور پیداوار بڑھانے میں محنت ومشقت وہ صرف نہیں کرتے تھے جیسی خود مالک زمین کرتا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ زمیندار جس وقت چاہے گا زمین مجھ سے چھڑا لے گا اور اس کی ہمواری وقابل کاشت بنانے پر جو میرا روپیہ اور محنت صرف ہوگی اس کا صلہ مجھ کو نہ مل سکے گا۔ حکومت نے پیداوار کے اس نقصان کی تلافی اور ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق قائم کئے۔ علم المعیشۃ میں ہے۔

''ملک اور کاشت کی موجودہ علیحدگی سے زراعت کی ترقی میں بڑی رکاوٹیں پیش آرہی ہیں جن کو رفع کرنے میں قانون بہت سرگرمی سے مصروف نظر آتا ہے چنانچہ کاشتکار کا تعلق زمین سے محض چند روز ہوتا ہے اور اضافہ لگان کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے وہ کھیت کی درستی اور کاشت کی ترقی میں ایسی جان توڑ کوشش نہیں کرتا جیسی خود مالک ہونے کی حالت میں کرتا۔ اور سچ پوچھو تو ایسا کرنا محض اقتضائے فطرت ہے (الیٰ قولہ) قانون ان موانع کو توڑنے کی بہت کوشش کر رہا ہے۔ زمیندار کو خود اس کے ذاتی نفع کے دباؤ سے زیادہ سے زیادہ عرصہ کے لئے کاشتکار کو حق کاشت دینے کی بدرجۂ مجبوری ترغیب دیتا ہے۔ اضافہ لگان پر طرح طرح سے حدود اور بندشیں قائم کرتا ہے اور بیدخلی کے وقت کاشتکار کو زمیندار سے ان تمام ترقیات کا معاوضہ دلاتا ہے جو کاشتکار نے اپنے صرف سے کھیت میں پیدا کی ہوں۔ بعض صورتوں میں کاشتکار کو تقریباً نیم ملک کی حد تک حقوق دے دیئے جاتے ہیں (الیٰ قولہ) ایسے خاص حقوق والے کاشتکار دخیل کار اور باقی عام غیر دخیل کار کہلاتے ہیں۔ (ص ۱۵۳)

اس کے بعد اسی کتاب میں ہے۔

''زمیندار و کاشتکار اور خود کاشت زمیندار دو طریق مروج ہیں۔ اول بہت عام ہے لیکن دوم بدرجہا بہتر ہے۔ ملک اور کاشت کی جدائی جس قدر ترقی زراعت کے منافی ہے ان کی یک جائی اسی قدر معاون ہے چنانچہ قانون کا خاص منشاء طریق اول کو طریق دوم کے مشابہ بنانا قرار پا چکا ہے۔ معاشیین کا ایک گروہ سرکار کاشتکار کا طریق تجویز کرتا ہے گویا قوم اور گورنمنٹ کو زمیندار کا جانشین بنانا چاہتا ہے۔ اس جدید طریق پر بہت کچھ اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔ حامی اس کو طریق دوم پر قابل ترجیح بناتے ہیں۔ معترض خلاف انصاف اور ناقابل عمل ثابت کرتے ہیں۔ (علم المعیشۃ ص ۱۵۴)

الغرض انگریزی عہد کے نئے قانون نے ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق کی حفاظت کے نام سے زمیندار کے حقوق غصب کرنا شروع کر دیئے۔ قوانین کی جکڑ بند سے اس کو اول معطل کر دیا گیا پھر آہستہ آہستہ اس کے ختم کرنے کے منصوبے زیر بحث آنے لگے اور اس طرح ظالم کو ظلم سے روکنے کے بجائے مظلوم بنا دیا۔ اور علم المعیشتہ باب نو کے آخر میں ان منصوبوں اور بحثوں پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ زمین کی قیمت جو روز بروز بڑھ رہی ہے اور جس کی زیادتی قدرتی اسباب کے ماتحت ہے زمیندار کے عمل و اختیار کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اس زیادتی کو عقلاء روزگار (معاشیین) زمیندار کا حق تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو حکومت کا حق قرار دیتے ہیں۔ فاضل مصنف علم المعیشتہ برنی صاحب بھی اس کے ہم آہنگ ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''اضافہ ماحصل زائد پر گورنمنٹ کا قبضہ کرنے کی چند ترکیبیں پیش کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ گورنمنٹ کل زمینوں کو مالکوں سے خود خریدے۔ لیکن اول تو اس کے واسطے کافی رقم مہیا ہونی دشوار، دوسرے بحیثیت ملک سرکار لاتعداد قطعات کا انتظام بہت طوالت طلب اور بیش خرچ ہو گا۔ زیادہ آسان ترکیب یہ کہ سرکار مالگذاری اور ہاؤس ٹیکس اس قدر بڑھا دے کہ مالک زمین کو اس کی اصل اور محنت کا جو خرید زمین اور اس کی ترقیات میں صرف ہوئی پورا پورا معاوضہ مل کر باقی کل اضافہ داخل خزانہ ہو اس صورت میں گورنمنٹ بہت کچھ دردسری سے بچی رہے گی اور مقصد اصلی بھی حاصل ہو جائے گا۔ (ص ۱۶۲)

الغرض انگریزی راج میں زمیندار کی خوش نصیبی آہستہ آہستہ ترقی کرتی رہی اضافہ لگان کا اختیار ختم ہوا پھر دوسری قیود وحدود کی جکڑ بندی ہوئی یہاں تک کہ ۱۹۲۲ء میں موروثیت کے نئے قوانین جاری ہوئے جب سے زمیندار کو تقریباً معطل کر دیا گیا۔ اور کاشتکار کو مالک کی حیثیت دے دی گئی۔ زمیندار کی یہ معکوس ترقی یہاں تک پہنچی کہ اب یہ بحث نکل آئی کہ زمیندار کو کوئی حق تھا بھی یا نہیں اور اس کا وجود اول ہی سے بے معنی تھا اور اس سے زمین خرید کر حکومت کی ملک میں داخل کرنے کا سوال ہی غلط تھا۔ معیشتہ الہند میں ہے۔

''اگرچہ شمالی ہند میں زمیندار اور دکن میں رعیت زمین کی مالک شمار ہوتی ہے اور ان کو اس پر مالکانہ تصرف حاصل ہے تاہم سرکار بھی زمین پر خاص حق رکھتی ہے اسی کا نتیجہ ہے ہندوستان کے معاشیات میں اس مسئلہ پر تین گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ دراصل زمین کی مالک سرکار ہی تھی اور ہونی بھی چاہئے۔ محض اتفاق

سے زمیندار جس کا اصلی کام مالگذاری فراہم کرنا تھا مالک تسلیم کر لئے گئے۔
دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان میں زمیندار ہمیشہ سے زمین کا مالک چلے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اوران کے مالک ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ انتظام میں سہولت ہے۔ تیسرا گروہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ پہلے زمانہ میں زمیندار خواہ کچھ بھی ہوں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اب وہ پورے مالک ہیں۔ پس تاریخی بحث کا ان کی موجودہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (معیشۃ الہند)

نیز اسی کتاب میں ہے۔

''ہندوستان کی بیشتر مزروعہ زمین از روئے قانون سرکار کی ملک نہیں بلکہ لوگوں کی ملک ہے۔ یعنی وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں، رہن رکھ سکتے ہیں ہبہ کر سکتے ہیں اور ورثہ میں پا سکتے ہیں۔ یہ لوگ شمالی ہند میں حسب حیثیت تعلقہ دار۔ زمیندار خود کاشت زمیندار کہلاتے ہیں۔ اور دکن میں ان کو رعیت کہتے ہیں۔'' (ص ۲۴۵)

معاشیین کا جو گروہ زمینوں کا مالک بجائے زمینداروں کے سرکار کو ٹھہراتا ہے اس کی یہ اپنی تجویز یا تمنا ہو کہ زمیندار مالک نہ ہوتے سرکار ہی سب اراضی کی مالک ہوتی تو یہ درست بات ہے لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ملکیت اراضی کا سرکار کے لئے ثبوت اور زمینداروں سے نفی کوئی اصلیت نہیں رکھتی۔ جاگیردار یا ٹھیکہ دار جو مالکان اراضی اور زمیندار نہیں تھے اگر کسی خاص علاقہ ملک میں انہوں نے جبراً تعدی سے زمینداروں کو برطرف کر کے خود ان کی جگہ لے لی اور زمیندار بن گئے تو اولاً یہ صورت پورے ملک پر حاوی نہیں اس کی وجہ سے سارے ہندوستان کے زمینداروں کو غاصب قرار دے دینا قرین عقل وانصاف نہیں۔ ثانیاً جب اصل مالکان اراضی کے لاپتہ یا لاوارث ہو جانے کے سبب سرکار نے خود انہیں ٹھیکہ داروں کو زمیندار مالک زمین تسلیم کر لیا تو اب یہ زمیندار خواہ پہلے کچھ بھی تھے اور اپنے سابق ظلم وغضب کی وجہ سے وہ کتنے ہی مجرم ہوں مگر اب سرکار کے اس تسلیم وتفویض سے زمین کے مالک بن گئے۔ ثالثاً اگر بالفرض ان لوگوں کو مالک نہ قرار دیں تو اصلی مالکان یعنی زمینداران سابق کی ملکیت ماننی پڑے گی اور جب تک سب مالکان سابق کا لاوارث مر جانا ثابت نہ ہو جائے ملکیت سرکار نہیں ہو سکتی۔ الغرض بعض علاقوں میں زمیندار غیر مالک کے زبردستی زمیندار بن جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ پورے ملک میں زمیندار غیر مالک ہے عقل وانصاف کا خون کرنا ہے۔ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اصل

سے مالک نہیں تھے ان کو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمیندار نہیں مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مطلق زمیندار مالک زمین نہیں۔

ترقی زراعت کے لئے انگریزی قوانین ظالمانہ تھے اسی لئے بے نتیجہ ثابت ہوئے اسلامی قانون عدل ہی ہر فریق کا کفیل ہے۔

اسلامی قانون تمام معاملات میں یہ ہے کہ اگر کوئی فرد یا جماعت دوسرے فرد یا جماعت پر ظلم کرے تو حکومت کا فرض یہ ہے کہ عدل وانصاف کر کے ظالم کو ظلم سے روکے۔ نہ یہ کہ حکومت خود ظالم کی جگہ لے لے۔ اور ظلم کرنے والے پر ظلم وتعدی شروع کر دے۔ نیز اسلامی قانون یہ ہے کہ حکومت چونکہ پورے ملک کے نظام اور مرفہ الحالی کی ذمہ دار ہے وہ اگر بعض اشخاص وافراد کے عمل کو عوام کے لئے مضر سمجھے اگر چہ اس کا عمل اپنی ملک ہی تک محدود ہو۔ پھر بھی حکومت اس کے اس عمل میں دست اندازی کر سکتی ہے اور اس کو اپنی ملک میں بھی ایسے تصرفات سے روک سکتی ہے جو عوام کے لئے مضرت رساں ہوں۔ ایک شخص اپنے مملوکہ مکان میں مرچیں جلاتا ہے جس سے پڑوسیوں کو اذیت پہنچتی ہے یا رات کو کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے پڑوسیوں کی نیند میں خلل آتا ہے تو حکومت اس کو روک سکتی ہے اور نہ مانے تو سزا کر سکتی ہے لیکن یہ نہیں کہ اس کو مکان کی ملکیت ہی سے محروم کر دے، یا پڑوسیوں کو اس کی ملک میں مالکانہ تصرفات کی اجازت دیدے۔ کیونکہ ایسا کرنا ظلم وناانصافی ہے جو ظالم پر بھی جائز نہیں۔ غرض ظلم کا تدارک انصاف کرنا ہے نہ کہ ظالم پر ظلم کرنا۔

انگریزی راج کا قانون اراضی اس آئین عقل وحکمت کے سراسر خلاف رہا کہ زمیندار نے اگر کہیں کاشتکار پر ظلم کیا تو بجائے اس کے کہ اس زمیندار کو ظلم سے روکنے کے لئے سیاست جاری کیجاتی قانون انگریزی نے کاشتکار کو زمیندار پر ظلم کرنے کی اجازت دیدی اس کے مالکانہ حقوق میں بیجا مداخلت کر کے کاشتکار کو حق موروثیت کے نام سے گویا مالک زمین بنا دیا۔

اسی طرح ملک اور کاشت کی علیحدگی کو ترقی زراعت کے خلاف پایا جو کہ مضرت عامہ کا سبب تھا تو اس کا سہل علاج آئین اسلامی کے موافق یہ تھا کہ زمیندار کو خود کاشت پر مجبور کیا جاتا۔ اگر وہ ترقی زراعت میں سہل انکاری سے کام لیتا اس پر سزا جاری کی جاتی نہ یہ کہ اس کے مالکانہ اختیارات غصب کر کے کاشتکار کو اس پر مسلط کر دیا جائے۔ زمیندار ہزار کوشش کرتا پھرتا ہے کہ میں خود اپنی زمین کاشت کروں مگر کاشتکار قانون حکومت کی امداد سے اس کو زمین کے پاس نہیں

آنے دیتا اور بدنصیب زمیندار کی فریاد کو کوئی نہیں سنتا۔ اسی قانون ظلم و جور کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے کہ قانون اراضی کی ساری کوششیں اصل مقصد کے حاصل کرنے میں بالکل ناکام اور مضر ثابت ہوئیں مقصد ساری کوششوں کا ملک کی مرفہ الحالی، اشیاء ضرورت کی ارزانی تھی۔ ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ترقیٔ زراعت کے ان ظالمانہ قوانین سے پہلے اور بعد کے حالات میں کیا تفاوت ظاہر ہوا۔ اشیاء کی ارزانی پیدا ہوئی یا مزید گرانی، اور ملک کی مرفہ الحالی میں اضافہ ہوا یا پہلے سے بھی حالت بدتر ہوگئی۔ اسلامی تعلیمات اس سے بھری ہوئی ہیں کہ ظلم و جور ہر چیز کی برکت اور اس کے قدرتی فوائد میں غیر محسوس طریقہ سے نقصان دلاتا ہے جس طرح کہ عدل و انصاف اس کے آثار و فوائد میں ترقی پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ خود سلطنت اور حکومت اس ظلم کی علمبردار ہو رعیت کو مرفہ الحالی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ احکام اراضی

الغرض حقوق کاشتکار کے تحفظ یا ترقی زراعت کے نام سے جو قوانین موروثیت وغیرہ انگریزی راج میں نافذ ہوئے وہ سراسر ظلم تھے۔ مگر آج کے دانایان روزگار، ملک کی ترقی و بہبودی کے دعویدار ماہران علم معیشت اسی ظلم پر بس نہیں کرنا چاہتے بلکہ بدنصیب زمیندار کے وجود ہی کو ختم کرنے میں ساری ملکی ترقیات کو مضمر سمجھتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ وہ ایسا کر گزرے اور پھر کسی وقت بات کی پچ اور سخن پروری کو چھوڑ کر نتیجہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی تو وہ کھلی آنکھوں دیکھ لیں گے کہ یہ ساری کوشش ترقی معکوس اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق ثابت ہوگی۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے دے کر (چھوڑ کر) حقدار کے حق کو غصب کر کے کبھی کوئی حکومت پھول پھل نہیں سکتی۔

قانون موروثیت کے ظلم و ناجائز ہونے پر اسی وقت سے علماء کرام کی تصریحات و فتاویٰ موجود ہیں۔ جب سے یہ قانون پاس ہوا ان میں سے قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور اکابر علماء ہند کی ایک بڑی جماعت کا فتویٰ آخر رسالہ میں نقل کیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ مدار ان سب فتاویٰ کا اسی پر تھا کہ زمیندار کو مالک زمین قرار دیا گیا۔

خلاصہ احکام اراضی ہند بعہد انگریزی

مذکور الصدر تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ

(الف) عہد انگریزی میں سابق مالکان اراضی (زمینداران) بدستور اپنی زمینوں پر مالک قرار دیئے گئے۔ ذمہ دار انگریزوں کے اقرار اور ان کے نافذ کردہ قوانین سب اس پر شاہد ہیں کہ آج تک زمیندار کو تمام مالکانہ تصرفات بیع وشراء ہبہ و وقف وغیرہ حاصل ہیں اور انتقال کے بعد اس کی املاک منقولہ کی طرح زمین بھی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

ایک شبہ اور جواب

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیع و رہن اور ہبہ و تقسیم میراث رقبۂ زمین کی نہیں بلکہ اس حق لگان کی ہے جو زمیندار کو از روئے قانون حاصل ہے اور زمیندار کو مالک کہنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ اس حق کا مالک ہے۔ کیونکہ ملک کی یہ نئی اصطلاح جو ہر عرف ولغت کے خلاف ہے۔ انگریزی عہد کا اصل قانون اور انگریز معاشیین کی تصریحات بھی اس اصطلاح کی تائید نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ جدید اصطلاح تو درحقیقت اشتراکیت کے نئے تخیل کی جدید پیداوار اور مالکان اراضی سے ناحق غصب اراضی کے الزام کا ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' ہے جس کی عمر پچیس تیس سال سے زائد نہیں۔ اس سے پہلے کے قوانین اور کاغذات سرکاری میں ملکیت زمیندار کے اس معنی کا نام و نشان نہیں ہے۔ انگریزوں کا اول سلطنت میں زمینداروں کو مالک تسلیم کر لینا ایک اقرار ہے اور اقرار سے رجوع کسی حال میں جائز نہیں۔ اس لئے بالفرض اگر کسی جدید قانون میں ملکیت کی یہ نئی اصطلاح مقرر کر کے حقیقت ملکیت کو ختم کر دینے کا ارادہ بھی کیا گیا ہو تو وہ از روئے عقل و شرح و عدل و انصاف قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ملکیت اراضی ختم کرنے کے لئے جو جدید قانون زمیندار بل کے نام سے انگریز کے آخری عہد میں زیر بحث آیا اس میں بھی ملکیت زمینداران کی تسلیم واقرار سے چارہ نہ دیکھ کر تجویز یہ ہوئی کہ زمیداروں کو معاوضہ دے کر زمینیں ان سے بحق سرکار خرید لی جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلا رضائے مالکان خود ہی خریدار بن جانا اور خود ہی اپنی مرضی کے موافق ان کا معاوضہ تجویز کر دینا پھر وہ معاوضہ بھی سالہا سال کی قسطوں میں پھیلا کر کالعدم کر دینا اور مالکان اراضی کو ان سب مظالم پر مجبور کرنا یہ بھی غصب اراضی کی ہی ایک صورت ہے جس کو خریداری کا نام دے کر بدنامی سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا نہ انگریزی حکومت کو کوئی حق تھا اور نہ اس کے بعد آنے والی کسی حکومت کا استحقاق ہے۔

(ب) جو لوگ اصل سے زمیندار یعنی مالک زمین نہیں بلکہ ٹھیکہ دار تھے پھر کسی فترت کے زمانہ میں تغلب کر کے مالک زمین (زمیندار) بن بیٹھے، پھر کسی وجہ سے انگریزی حکومت نے بھی

ان کو مالک تسلیم کرلیا تو ابتداءً تغلب کرنے والے اپنے ظلم وتعدی کی وجہ سے اگرچہ مجرم وگناہگار ہیں لیکن اول فتح میں حکومت انگریزی کی اس تسلیم سے ملکیت ان کی ثابت ہوگئی اس کے بعد جن لوگوں کو یہ زمینیں وراثت میں ملیں یا ان لوگوں سے خرید کر پہنچیں وہ ان اراضی کے شرعی مالک قرار دیئے جائیں گے۔(لما عرف من مسئلة استیلاء الکفار علی اموال المسلمین)

(ج) انگریزی حکومت نے جن لوگوں کی مملوکہ جائیدادیں بحق سرکار ضبط کرلیں پھر کسی مسلم یا غیر مسلم کو دیدیں تو یہ لوگ بھی ان جائیدادوں کے مالک ہوگئے۔

اوقاف کو اگر کسی جگہ بحق سرکار بھی ضبط کیا گیا ہے تو شرعاً سرکار ان کی مالک نہیں ہوئی اور اگر کسی نے سرکار سے خریدا ہے تو وہ بھی مالک نہیں ہوا۔ اس کی تفصیل باب پنجم میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
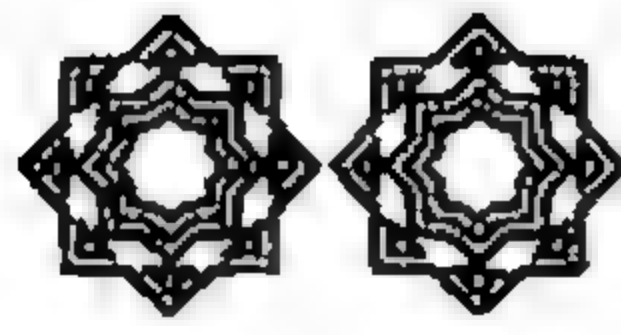
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب چہارم

تقسیم ملک کے بعد اراضی پاک و ہند کے احکام

پہلے باب القول الماضی فی احکام الاراضی میں زمینوں کے شرعی احکام کے لئے جو اصول وفروع تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس میں معلوم ہو چکا ہے کہ احکام اراضی میں پہلی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ ملک جنگ کے ساتھ قہراً فتح کیا گیا ہے یا مصالحت کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے۔

جب ہندوستان تقسیم ہو کر اس کا ایک حصہ پاکستان کے نام سے اور ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تو اس وقت بھی سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اس نئی مملکت کے حصول کی کیا صورت ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ جنگ کر کے ملک حاصل نہیں کیا گیا بلکہ یہ تقسیم مُلک مصالحت اور معاہدات کے ماتحت ہوئی اور شرعی اعتبار سے یہ بھی واضح رہے کہ جو ملک مصالحت اور معاہدات کے ذریعہ حاصل ہو اس کے احکام کا بیشتر مدار ان معاہدات پر ہوتا ہے جو استحصالِ ملک کے وقت کیے گئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اراضی پاکستان کے احکام بیان کرنے سے پہلے بناء پاکستان کی ابتداء اور وہ معاہدات سامنے آئیں جن پر اس تقسیم ملک اور بناء پاکستان کا مدار ہے۔

بناءِ پاکستان کے ابتدائی حالات

متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی انگریزوں نے ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت تک ۔ ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے ترکوں کے خلاف جنگ کر کے اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کر دیا اور اسلامی ممالک پر قبضہ جمایا۔ حرمین شریفین تک اس کی زد میں آ گئے۔ تو ہندوستانی جو ۱۸۵۷ء کی آخری جنگ آزادی کے بعد مایوس ہو کر خاموش ہو چکے تھے ان میں پھر شدید اضطراب اور بے چینی شروع ہوئی۔

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ نے خلافت اسلامی

کی حمایت میں ایک تحریک چلائی جو کافی دور رس اثرات کی حامل تھی۔ مگر اس تحریک کا راز فاش ہونے پر ممدوح گرفتار ہو کر مالٹا جیل بھیج دیئے گئے تو ہندوستان کے مسلمانوں کا اضطراب اور انگریزوں کے خلاف غم وغصہ کی حد نہ رہی خلافت کمیٹی کے تحت ان کی بھاری اکثریت منظم ہو گئی۔ پھر ہندو اور کانگریس بھی تحریک آزادی میں شریک ہو گئے تو پورا ملک انگریزی اقتدار کے خلاف اپنے حق خود اختیاری کے حصول کے لئے نبرد آزما ہو گیا۔ ۱۹۱۹ء میں اختتام جنگ کے بعد انگریز ان کو کچھ اختیارات اور اصلاحات دینے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس کی مختلف قسطیں عرصہ دراز تک کچھ کچھ وقفہ سے حاصل ہونا شروع ہوئی۔

انگریزی اقتدار سے خلاصی پر تو ہندوستان کی سبھی قومیں متحد اور متفق تھیں مگر انتقال حکومت کے بعد صورت حال کیا ہوگی۔ یہ معاملہ جس قدر اہم تھا اسی قدر پیچیدہ بھی تھا۔

اس وقت تک تحریک کی باگ مسلمانوں اور خلافت کمیٹی کے ہاتھ میں تھی۔ ڈاکٹر ابید کر اپنی کتاب ''پاکستان کے بارے میں چند خیالات'' میں لکھتے ہیں۔

۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں ہوا اور طے ہوا کہ ایک مہینہ کا وائسرائے کو نوٹس دے کر ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ترک موالات خلافت کمیٹی نے شروع کی تھی۔ کانگریس کے اسپیشل مشن کلکتہ وزیر صدارت لاجپت رائے نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ کہ خلافت کانفرنس کا مسلک قبول کر لیا۔ (از قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۱۰۱)

ہندوؤں کی اسکیم یہ تھی کہ کانگریس پورے ملک کی واحد نمائندہ جماعت مانی جائے اور انتقال حکومت کے بعد وہی سب اختیارات سنبھالے۔ انہی حالات میں مصطفیٰ کمال نے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر کے خلافت کمیٹی کے نام کو بے معنی بنا دیا۔ مسلمان زعماء جو اس کی قیادت کر رہے تھے ہندوؤں کے اس دام کا شکار ہو گئے کہ خلافت کمیٹی کی بنی بنائی پوری تنظیم اور لاکھوں روپیہ کانگریس کو دے کر اس کو مضبوط بنا دیا۔ (تشریحات پاکستان ص ۲۵)

مولانا محمد علی جوہر نے اپنی ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کی تقریر پشاور میں فرمایا ہے۔

کانگریس کو انڈین نیشنل کانگریس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا ہے۔

اس سے پہلے وہ عافیت پسندوں کی ایک تفریح گاہ تھی۔ مگر جس دن سے محمد علی شوکت علی اس میں شریک ہوئے اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی چنانچہ کلکتہ کانگریس میں لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود کانگریس نے ترک موالات کو اپنا شعار بنا لیا یہ حقیقت ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد

رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لئے حتیٰ کہ کانگریس کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کیے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگریس کی روح رواں تحریک خلافت تھی۔
(عہد قائداعظم ص ۱۰۰)

کانگریس پر پہلے سے ہندوؤں کا مکمل قبضہ تھا۔ اور ملک کی بھاری اکثریت ہندو ہے اس میں پوری کوششوں کے بعد بھی جو مسلمان شریک ہوئے ان کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ اگرچہ کانگریس کو جو قوت حاصل ہوئی وہ سب مسلمانوں ہی کی عطا کردہ تھی اور اس وقت بھی تحریک کو کامیاب بنانے میں مسلمانوں ہی کا جذبۂ جہاد زیادہ کام کر رہا تھا۔ مگر آئینی طور پر اس کا نظام ہندوؤں کے ہاتھ میں آ چکا تھا جس کی قیادت گاندھی جی کر رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں مسلمان مولاؤں کا جراتمندانہ اقدام گاندھی جی کو پسند نہ آیا تو تحریک ہی کو ختم کر ڈالا۔ اور ملک بھر میں پھیلی ہوئی یہ عظیم تحریک جس کے لئے کروڑوں روپے قوم کا خرچ ہو چکا تھا، سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں نے قید و بند کی سزائیں کاٹی تھیں بیک جنبش قلم گاندھی جی نے ختم کر ڈالی۔ اور یہ تحریک سرد ہوگئی۔ اس وقت تک جو ہندو مسلم اتحاد کے نعرے جا بجا بلند ہو رہے تھے اب نفرت و عداوت میں بدلنے لگے۔ ہندوستان کی مختلف جماعتوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر کے مسلمانوں کو ہندو بنانے اور ان کو طرح طرح سے ہلاک و تباہ کرنے کے منصوبے شروع کر دیئے اور ایک زمانہ دراز اسی افراتفری میں گذرا۔ مکمل آزادی تو ایک خواب پریشان ہوگئی۔ کچھ اصلاحات و اختیارات جو انگریزوں سے ملنے تھے وہ بھی کون لے اور کس طرح لے۔

۱۹۲۸ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو کچھ اور اختیارات سپرد کرنے کی رائے ظاہر کی۔ تو پھر ضرورت ہوئی کہ کوئی متفقہ مرکز پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے تمام ہندوستانیوں کی تمام پارٹیوں کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس آل پارٹیز کانفرنس نے دستور ہند کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی جس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو قرار پائے۔ اس سب کمیٹی کی رپورٹ نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہرو رپورٹ کا ماحصل زیر سایہ برطانیہ ایک خالص ہندو راج تھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا تھا کہ جن پست دماغوں سے نہرو رپورٹ جیسی ذلیل چیز نکل سکتی ہے ان سے بھلائی کی امید رکھنا

حماقت ہے۔ (تشریحات پاکستان ص ۲۵)

اس وقت عام طور پر مسلمانوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ تحریک آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ اشتراک اور کسی متفقہ پلیٹ فارم کے ذریعہ حصول آزادی کا انجام ان کے حق میں آقاؤں کی تبدیلی سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھے گا کہ انگریز کے بجائے اقتدار ہندو کے ہاتھ میں ہوگا۔

مسلم لیگ کی تحریک جو کانگریس کے شباب کے زمانہ میں تقریباً نیم مردہ ہو چکی تھی اب پھر اس میں جان پڑنی شروع ہوئی۔ اور مسلمانوں کی بڑی تعداد جو اپنا جداگانہ مرکز تلاش کرنے پر مجبور تھی وہ مسلم لیگ کے زیر سایہ جمع ہونے لگے۔

مسٹر گاندھی نے پھر تحریک آزادی کے نام پر قانون نمک سازی کی خلاف ورزی شروع کی۔ بہت سے مسلمان بھی اس کو جنگ آزادی سمجھ کر اس میں شریک ہوئے اور جیل خانے گئے۔ اس کے بعد لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی اور ارون صاحب وائسرائے ہند سے صلح کر کے مسٹر گاندھی بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن پہنچ گئے۔

اس کانفرنس میں مسٹر گاندھی اور سب ہندوؤں کا پورا زور اس پر تھا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی قوم بستی ہے اس لئے مسلمانوں اور اچھوتوں کو الگ کچھ نہیں ملے گا۔ اب مسلمان ہندوؤں کی چالاکی سے پوری طرح باخبر ہو چکے تھے انہوں نے اور اچھوتوں نے اس کو تسلیم نہ کیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بنیوں اور برہمنوں نے مل کر فرقہ واری نمائندگی کا فیصلہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف برطانوی وزیر اعظم کے ہاتھ میں دے دیا وہ ہندوستان کے حالات سے اتنا ہی واقف تھا جتنا کہ کوئی کاغذ اور تحریر کے ذریعہ ہوسکتا ہے اس نے مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کو بھی اقلیت بنا دیا۔

البتہ اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل گیا تھا مگر گاندھی جی نے ایک مرن برت رکھ کر اچھوتوں کو بھی مخلوط انتخاب پر راضی کر لیا۔

۱۹۳۵ء میں برطانیہ نے ہندوستان کو جو دستور دیا اس کے تحت میں ۱۹۳۶ء میں انتخابات ہوئے اور کانگریس کو ہندو صوبہ میں اکثریت حاصل ہوگئی۔ یا تو اس دستور کے توڑنے کے دعوے کانگریس کی طرف سے ہو رہے تھے اور اسی بنیاد پر انتخابات لڑے گئے تھے اور کہیں یہ انقلاب ہو گیا تھا کہ چھ صوبوں میں کانگریس نے وزارتیں سنبھال لیں اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہندو کانگریس کے عہد نامہ پر دستخط کر کے کانگریس میں چلے جاؤ۔ نہ مسلمان کوئی الگ قوم ہے اور نہ

اس کے خصوصی حقوق کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ اعلان مسلمانوں کے مستقل وجود ہی کو ختم کر دیتا تھا اس لئے اب مسلمانوں کی رائے عامہ مسلم لیگ کے حق میں اور زیادہ مضبوط ہوگئی۔

بالآخر مارچ ۱۹۴۰ء کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں لاکھوں مسلمانوں نے بالاتفاق اپنے لئے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی تجویز پاس کرائی جس کا نام بعد میں پاکستان ہو گیا۔

اب ملک میں سیاسی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا ایک مضبوط مرکز مسلم لیگ بن گیا۔ کانگریس میں گو اس وقت میں کچھ مسلمان شریک تھے مگر آخری انتخابات جو پاکستان کے نام پر لڑے گئے ان کے نتیجہ نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اس لئے حکومت برطانیہ کو یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ اور ہندوؤں کی جماعت کانگریس کو قرار دے۔

ہندوستان کی آزادی

دوسری جنگ عظیم کے بعد کچھ بین الاقوامی سیاست کے دباؤ سے اور کچھ ہندوستان کی بیس سالہ تحریکوں سے مجبور ہو کر حکومت برطانیہ نے یہ طے کر لیا کہ ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ اس کے لئے مختلف تجاویز اور پلان بنائے گئے جن میں اس کا تحفظ کیا گیا تھا کہ انگریز کی بالادستی اس آزادی کے بعد بھی ہندوستان پر قائم رہے۔ مگر اس کو مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے رد کر دیا۔

بالآخر ایک اور پلان بنا جو کیبنٹ مشن پلان۔ کے نام سے مشہور ہوا اور یہی آخری پلان کچھ ترمیموں کے بعد تقسیم ملک کا پلان قرار پایا۔ ابتداء میں اس کو مسلمانوں نے تو اس لئے رد کر دیا تھا کہ اس میں ہندو مسلمان کی متحدہ حکومت کی تجویز تھی جس کو مسلمان اپنے قومی وجود کی موت سمجھ چکے تھے اور ہندوؤں نے بھی کچھ دوسری وجوہ سے اس پر اعتراضات کئے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ حکومت برطانیہ جلد سے جلد ہندوستان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کو اپنے حالات کے ماتحت ضروری سمجھ رہی تھی مگر چاہتی یہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کسی تجویز پر متفق ہو جائیں تو اختیارات ان کی طرف منتقل کر دیں۔

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ حکومت قائم ہو اسی کو مشترک اختیارات منتقل کئے جائیں۔ انگریز بھی یہی چاہتے تھے۔ کیبنٹ مشن پلان کا مدار اسی اصول پر تھا ان کی پوری کوششیں آخر تک اس کے گرد گھومتی تھیں۔ مسلم لیگ پاکستان کی آزاد مملکت کے سوا کسی

چیز پر راضی نہ تھی۔ اور دونوں کی متحارب طاقتیں پورے ملک کی فضا پر چھائی ہوئی تھیں ان دونوں کو کسی متفقہ تجویز پر جمع کر دینا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس زمانہ کے وائسرائے ہند لارڈ ویول اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

وزیر ہند مسٹر اٹیلی نے حالات کا جائزہ لے کر لارڈ ویول کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے ہند بنا دیا جو اس سے پہلے بھی ہندوستان میں کافی رہ چکے تھے اور دوسری جنگ عظیم کے ہیرو ملکہ کے قریبی عزیز اور پنڈت نہرو کے پرانے دوست تھے۔

آخری وائسرائے ہند اور تقسیم ملک

اس وقت تک اس باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اصل مقصد کی تمہید تھی۔ تقسیم ملک اور بناء پاکستان چونکہ آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ذریعہ صرف چند ماہ کے اندر عمل میں آیا ہے اور اس کے حالات و واقعات اصل مقصد کو سمجھنے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس معاملہ کا اکثر مواد میں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس ڈائری سے لیا ہے جس کو ان کے پریس اطاشی کیمبل جانسن نے منضبط کیا۔ اور یونس احمد صاحب ایم اے نے اردو میں ترجمہ کر کے ''عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ مسٹر جانسن نے اس کتاب کے آخر میں اپنی ایک تقریر درج کی ہے جو درحقیقت اس پوری ڈائری کا خلاصہ ہے۔ اس میں درج کیا ہے کہ:

> ''۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے وائسرائے کے عہدہ کا اعلان کرتے ہوئے (برطانوی وزیر ہند) مسٹر اٹیلی نے کہا تھا کہ میں اس طرح برطانوی ہند کی حکومت کی ذمہ داری کو ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں سونپ رہا ہوں جو ہندوستان کے مستقبل کی شادمانی اور کامرانی کی ضامن ہو گی۔ ساتھ ہی مسٹر اٹیلی نے تعین وقت کی ایک شرط رکھی۔ ان کے خیال میں جون ۱۹۴۸ء تک اختیارات منتقل کرنے اور معاہدہ پر پہنچنے کے لئے تعین وقت بہت ضروری ہے۔ نیز انہوں نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ یعنی ہندوستان کی ان دونوں پارٹیوں کے لئے تعین وقت جادو کا کام کرے گا۔ کیونکہ اس سے پہلے جو بھی قدم اٹھایا گیا وہ ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ تعین وقت دراصل اوائل جنگ میں حکومت برطانیہ کی اس پالیسی کا منطقی نتیجہ ہے جس کی روشنی میں انڈین سول سروس کے لئے بھرتی بند کر دی گئی تھی۔ عام طور پر گیارہ سو سے زیادہ سول سروس کے امیدواروں کو جگہ ملتی تھی لیکن

نومبر ۱۹۴۶ء میں تعداد پانسوبیس رہ گئی تھی۔

کم وبیش یہی فضا صوبوں میں بھی نظر آنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ برطانوی سینئر افسران کی تخفیف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ۱۹۴۹ء کے بعد ہندوستان کے نظم ونسق پر قابو پانا برطانیہ کے لئے ناممکن ہوجائے گا۔ اس بات پر بھی شبہ کا اظہار کیا گیا کہ اگر ہندوستان کی دونوں بڑی پارٹیوں نے برطانیہ کی پالیسی کی مخالفت کی تو برطانیہ پولیس فورس میں اضافہ کرے گا۔ یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ برطانوی شہنشاہیت کو قائم رکھنے کے لئے فوجوں سے مدد نہیں لی جاسکتی کیونکہ حکومت برطانیہ اور انگلستان کے عوام اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو پالیسی اختیار کرنا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء تک پلان تیار کر کے حکومت برطانیہ کے ساتھ اس پر بات چیت کرتے اور جنوری ۱۹۴۶ء تک ہندوستانی لیڈروں کے سامنے پیش کردیتے۔

ابھی وہ انگلستان ہی میں تھے کہ اس تجویز کو عجلت پسند تجویز قرار دیا گیا لیکن ہندوستان میں قدم رکھتے ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ اختیارات جتنے جلد منتقل کر دیئے جائیں بہتر ہے۔ (الیٰ قولہ) مسلم لیگی لیڈر مسٹر جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو پہلی ہی ملاقات میں متنبہ کر دیا تھا کہ اگر جلد از جلد قابل قبول سیاسی حل نہ نکالا گیا تو وہ اپنی جانب سے صورت حال پر کنٹرول کرنے کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ کانگریسی لیڈروں کی طرف سے بھی ایسی ہی وارننگ ملی۔

۱۹۴۶ء سال بھر جس نام نہاد کیبنٹ مشن پلان پر گفت وشنید ہوتی رہی۔ اس پر مفاہمت نہ ہوسکی۔ یعنی ہندوستان میں وحدانی طرز حکومت قائم کرنے کی یہ آخری کوشش جس کی بنیاد صوبوں اور گروپوں پر رکھی گئی تھی۔ گروپ اے میں نوآبادیاتی ہندوستان کا نقشہ تھا اور گروپ بی میں اور سی میں علی الترتیب مغربی اور مشرقی پاکستان کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ لیکن یہ عظیم الشان نقشہ بھی تفصیلات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہندوستان میں ہماری آئینی اور انتظامی کامیابی کا سب سے بڑا راز اتحاد و یگانگت تھا لیکن مارچ ۱۹۴۷ء میں جب حالات ایک دم سے تشویشناک ہو گئے تو ہمارے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے، پاکستان یا افراتفری۔

لارڈ اسمے نے ہماری پوزیشن کی مثال بیچ سمندر میں پھنسے ہوئے اس جہاز سے دی

جس پر ہم قابض تو ہیں لیکن عرشہ شعلوں کی نذر ہو رہا ہے اور تہہ خانہ میں جنگی سامان ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی تہتر دنوں کی ڈپلومیسی، عزم اور مسلسل جدو جہد کے بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کا پلان اصولاً مان لیا گیا۔" (عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ص ۴۶۴ تا ۴۶۶)

مسٹر جانسن کی مذکورہ تقریر میں تقسیم ملک کے ابتدائی حالات، برطانیہ کا ہندوستان کو چھوڑنے پر مجبور ہونا اور جلد سے جلد اس کی ذمہ داری ہندوستان پر ڈال کر سبکدوش ہونے کی کوشش، کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی جدوجہد، کیبنٹ مشن پلان اور اس کے وحدانی طرز حکومت کی ناکامی پھر ۳ جون ۱۹۴۷ء کے جدید پلان کی متفقہ کامیابی پوری وضاحت کے ساتھ دستاویزی حیثیت میں معلوم ہوگئی۔

وہ معاہدہ جس پر ملک تقسیم ہوکر پاکستان بنا

اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کا وہ پلان جو ہندوستان کی دونوں پارٹیوں کے اتفاق سے پاس ہوا اور انگریز نے اس کے ماتحت اختیارات دونوں حصوں کے سپرد کئے وہ کیا ہے۔ اس کے متعلق مسٹر جانسن نے تو اتنا اجمال لکھا ہے کہ

"پلان کی تین خصوصیات تھیں اول یہ کہ تقسیم در تقسیم ہوئی۔ بنگال اور پنجاب کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے سے پہلے ہی اپنی اپنی تقسیم کے فیصلہ کا حق دے دیا گیا۔ مسٹر جناح نے اگرچہ اس اقدام کے المیہ کی طرف اشارہ کیا مگر وہ بھی اس منطق میں مزاحم نہ ہو سکے۔ کچھ دنوں تک تو بنگال میں علیحدگی کی تحریک چلتی رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تحریک سرد پڑتی گئی۔

تقسیم کی وجہ سے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان تقریباً آٹھ سو میل کا فاصلہ ہو گیا۔

دویم یہ کہ اس پلان نے سکھوں کو بھی تقسیم کر دیا۔ اس کی وجہ پنجاب کی تقسیم تھی۔ پنجاب کی تقسیم پر خود سکھ لیڈروں نے اصرار کیا تھا۔ ان کے اس رویہ کی شدت پر ماؤنٹ بیٹن کو تعجب بھی ہوا کیونکہ انہیں ناقابل تلافی نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔

تیسری خصوصیت تھی درجہ نو آبادیات۔ کئی وجوہ کی بنا پر اس کی حکمت عملی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ص ۴۶۷)

مسٹر جانسن کے اس پلان سے مذکورہ پلان کی کچھ خصوصیات تو معلوم ہوگئیں مگر مکمل معاہدہ جو

تقسیم ملک کے وقت مسلم لیگ، کانگریس اور سکھوں کے درمیان عمل میں آیا وہ مذکور نہیں۔ اس کے لئے تقسیم ہند کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی کافی ورق گردانی کرنے پر بھی یہ اہم معاہدہ مکمل طور پر کہیں ہاتھ نہ آیا۔

میں شکرگزار ہوں عالیجناب چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان کا کہ انہوں نے یہ معاہدہ وی پی مینن کی کتاب ''ہندوستان میں قوموں کا تبادلہ'' سے نقل فرما کر مجھے عنایت فرمایا۔

اس جگہ یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ تقسیم ملک کے اہم کاموں میں عالیجناب محمد علی صاحب موصوف کا خاص حصہ رہا ہے۔ مسٹر جانسن نے بھی اپنی مذکورہ ڈائری عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''تقسیم ملک سے انتظامیہ پر پڑنے والے نتائج مابعد ہی کی یادداشت لیڈروں کو تین ہفتے پہلے دے دی گئی تھی۔ انہوں نے تقسیم ملک کی ضروری کمیٹیوں کو قائم کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ان ضابطوں کو تسلیم کرتے ہیں جو یادداشت میں مذکور ہیں۔ ورنن نے ان چند ایٹموں کی ایک طویل فہرست مرتب کی تھی جس پر ان کو فیصلے لینے تھے۔ لیکن آج تک (یعنی ۲۳ جون ۱۹۴۷ء تک یہ کام ادھورے کا ادھورا ہی رہا۔
>
> سب سے زیادہ بوجھ دو افراد پر مشتمل اسٹینڈنگ کمیٹی پر پڑ رہا ہے جسے تقسیم ملک کی کمیٹی نے ۱۳ جون کو اپنی پہلی میٹنگ میں بنائی تھی۔ وہ دو افراد جو باضابطہ کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف سے نامزد ہو کر آئے تھے، یہ تھے کابینہ کے سیکرٹری، ایچ ایچ پاٹل اور ملٹری فینانس ڈیپارٹمنٹ کے مشیر مالیات محمد علی۔ دونوں سول سروس کے آدمی ہیں اور ممتاز قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ایچ ایچ پاٹل سے میری ملاقات ۱۹۴۲ء میں دہلی میں ہوئی تھی ان دنوں وہ سو سپلائز ڈیپارٹمنٹ میں اکبر حیدری کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ تربیت بڑی اچھی پائی ہے۔ اور اب تو بڑے بڑے بھی ان کی صلاحیتوں کا لوہا مان گئے ہیں۔ محمد علی تو پاکستان کے لئے ناگزیر ہیں ان کی قابلیت قابل رشک ہے۔ کسی بھی ملک کی سول سروس میں محمد علی کے شاندار مستقبل کی پیشن گوئی کی جا سکتی ہے۔'' (عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ص ۱۷۲)

اسی طرح وی پی مینن جن کی کتاب سے یہ معاہدہ نقل کیا گیا ہے ان کا تذکرہ بھی مسٹر جانسن نے اپنی ڈائری میں جابجا کیا ہے ان کا بھی ان معاملات میں خاص حصہ رہا ہے۔

معاہدہ پاکستان میں سکھوں کی شمولیت

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ مسلسل گفت وشنید اور سعی وعمل کی رو سے ملک کی تقسیم کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہونا قرار پایا تھا مگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی حکمت عملی سے معاہدہ پاکستان میں سکھوں کا بھی ایک نمائندہ بلدیو سنگھ لے لیا تھا۔ اس طرح یہ معاہدہ، مسلمان، ہندوؤں اور سکھوں کا متفقہ معاہدہ ہے۔

وی پی مینن کی یہ کتاب ''ہندوستان میں قوموں کا تبادلہ'' انگریزی زبان میں ہے اور یہ معاہدہ بھی انگریزی ہی میں لکھا گیا ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ اردو میں لکھا گیا ہے۔

ترجمہ منشور مذکور بزبان اردو

وہ منشور جو حکومت ہند نے ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو جاری کیا

مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء بروز سہ شنبہ بوقت پانچ بجے شام ''تقسیم ہند کونسل'' (جس میں سردار بلدیو سنگھ بھی شامل تھے) کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں انہوں نے مندرجہ ذیل بیان جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مجلس میں مندرجہ ذیل حضرات موجود تھے:۔

صدر: ہز ایکسی لینسی وائسرائے گورنمنٹ آف انڈیا

آئندہ حکومت ہند کی طرف سے: عزت مآب سردار ولبھ بھائی پٹیل، اور عزت مآب ڈاکٹر راجندر پرشاد

آئندہ حکومت پاکستان کی طرف سے: مسٹر جناح اور عزت مآب مسٹر لیاقت علی خان

سکھ حضرات کی طرف سے: عزت مآب سردار بلدیو سنگھ

ہر گاہ کہ ۱۵/ اگست سے دو خود مختار حکومتوں کے وجود میں آنے کا آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ تقسیم ہند کونسل ہونے والی حکومتوں کی طرف سے یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ دونوں ایسے پر امن حالات پیدا کرنے کا فیصلہ کر چکی جن میں تقسیم کے تمام کام انجام پا جائیں اور انتظامات اور معاشی تعمیر نو کے فوری اور اہم امور پر قابو پایا جا سکے۔

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں پہلے ہی اس بات کی ضمانت دے چکی ہیں کہ حکومتوں کے تبادلے کے بعد اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ ہونے والی دونوں

حکومتیں اس موقعہ پر اپنی ان یقین دہانیوں کا دوبارہ اعادہ کرتی ہیں۔

ان دونوں حکومتوں کا مطمع نظر یہ ہے کہ یہ مذہب، ذات یا صنف کا لحاظ کئے بغیر اپنے تمام شہریوں کے مبنی برانصاف حقوق کی حفاظت کریں گی۔ جہاں تک عام شہری حقوق کا تعلق ہے، ان کے اعتبار سے تمام شہری برابر ہوں گے۔ اور یہ دونوں حکومتیں اپنے لئے دائرہ اختیار میں عوام کو اپنے حقوق آزادی کے ساتھ استعمال کئے جانے کی ضمانت دیں گی۔ مثلاً یہ کہ ہر شخص کو تقریر و تحریر کی اجازت ہوگی، ہر شخص کو انجمنیں بنانے، اپنے اپنے طریقے کی عبادت کرنے اور اپنی زبان و ثقافت کی حفاظت کا حق ہوگا۔

دونوں حکومتیں اس بات کی ذمہ داری بھی لیتی ہیں کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی امتیازی سلوک نہیں کریں گی جو ۱۵/اگست سے پہلے سیاسی طور پر ان کے مخالف رہ چکے ہوں۔

دونوں حکومتیں اپنے اپنے شہریوں کی حفاظت کی جو ضمانت دے رہی ہیں اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں کسی قسم کے متشددانہ اقدام کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ خواہ حالات کیسے یہ کیوں نہ ہوں۔

دونوں حکومتیں اس کو بتاکید وثوق کہہ دینا چاہتی ہیں کہ اس سمجھوتے میں وہ دونوں قطعی متحد ہیں۔

تقسیم کے وقت حالات میں جو انقلاب رونما ہوگا اس کے پیش نظر پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے دونوں حکومتیں اس بات پر متفق ہوگئی ہیں کہ اس کے لئے یکم اگست سے ایک مخصوص فوجی حکومت بنائی جائے جو سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائل پور، منٹگمری، لاہور، امرتسر، گورداسپور، ہوشیار پور، جالندھر، فیروز پور اور لدھیانہ کے شہری اضلاع کو سنبھال سکے۔

مذکورہ بالا مقصد کے لئے دونوں حکومتوں کے اتفاق سے میجر جنرل ریس کو ملٹری کمانڈر منتخب کر دیا گیا ہے اور بریگیڈیر ڈیگر سنگھ کو انڈیا کی طرف سے اور کرنل محمد ایوب خان کو پاکستان کی طرف سے ان کے ساتھ بحیثیت مشیر ملحق کر دیا گیا ہے۔

۱۵/اگست کے بعد میجر جنرل ریس ان علاقوں میں عملی طور پر دونوں ریاستوں کی افواج کو کنٹرول کریں گے اور اس سلسلہ میں سپریم کمانڈر اور متحدہ دفاعی کونسل کے واسطے سے دونوں حکومتوں کو جوابدہ ہوں گے۔

اگر ان دونوں حکومتوں نے ضروری سمجھا تو اسی قسم کی ایک تنظیم بنگال کے اندر بھی قائم کرنے

میں پس وپیش نہیں کیا جائے گا۔

دونوں حکومتوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حد بندی کمیشن کی تمام سفارشوں کو قبول کرلیں گی، خواہ وہ کچھ ہوں۔

حد بندی کمیشن کا کام آج کل ہو رہا ہے، اگر انہیں اپنے فرائض قابل اطمینان طور پر بجالانے دینا ہیں تو ضروری ہے کہ اس دوران ان پر کسی ایسی تحریر وتقریر سے جس تک عوام کی رسائی ہو سکے دباؤ نہ ڈالا جائے، اور بائیکاٹ ڈائریکٹ ایکشن یا دوسری خلل انداز چیزوں کی دھمکیاں دینے سے کامل اجتناب کیا جائے۔

دونوں حکومتیں اس مقصد کے لئے مناسب اقدامات کریں گی اور جیسے ہی حد بندی کمیشن اپنی سفارشات کا اعلان کرے گا دونوں حکومتیں ان پر فوراً خلوص کے ساتھ عمل شروع کر دیں گی۔

دیکھئے کتاب ''ہندوستان میں قوموں کا تبادلہ'' مصنفہ وی پی مینن (ص ۴۰۸، ۴۰۹)

اراضی پاکستان کے شرعی احکام

مذکورہ سابقہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان کا وجود ایک ایسے معاہدہ پر مبنی ہے جس میں ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر پاکستان و ہندوستان کی دونوں مملکتوں میں بسنے والی اقلیتوں کے لئے، جان، مال، آبرو اور شہری حقوق کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی ہے اور مساویانہ سلوک کا معاہدہ کیا ہے۔

اور یہ معاہدہ اگرچہ دستاویزی صورت میں متفقہ معاہدہ کی حیثیت سے ۳/ جون ۱۹۴۷ء کے بعد عمل میں آیا ہے لیکن امور مذکورہ کی ضمانت کے اعلانات مسلم لیگ اور کانگریس دونوں پارٹیاں اس سے پہلے بھی بار بار کرتی رہتی ہیں اور مسلم لیگ کی تجویز پاکستان ۱۹۴۰ء میں بھی یہ چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ اور پھر تقسیم ملک کے بعد بھی دونوں مملکتوں کی طرف سے اس طرح کے اعلانات ہوتے رہے۔ اور آج بھی (معاہدہ کے) الفاظ کی حد تک کسی فریق کو اس سے انکار نہیں۔

ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے عہد شکنی

عملی طور پر عام سکھوں اور ہندوؤں نے معاہدہ سے پہلے ہی مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم قتل وغارتگری کا سلسلہ پورے ملک میں شروع کیا ہوا تھا، معاہدہ کے بعد اس کا اثر لینے کے

بجائے انکے عداوت و بغض کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ خصوصاً مشرقی پنجاب، دہلی، دہرہ دون اور ان کے اطراف میں جو مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی، شاید تاریخ عالم میں ان کی نظیریں کم ہوں گی۔ حکومت ہند کی طرف سے یہ عذر بار بار ہوتا رہا کہ عوام میں اشتعال ہے حکومت اس پر قابو نہیں پا سکتی۔ آخر پاکستانی پنجاب میں بھی اس کا ردعمل جوابی حملہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور طرفین سے تبادلۂ آبادی ایک افراتفری کی صورت میں ہونے لگا۔

سات آٹھ ماہ کے بعد قتل و غارتگری کے ہنگامے فرو ہوئے اور دونوں حکومتوں کا نظم و نسق ہموار ہوا تو پھر دونوں حکومتوں کی طرف سے اپنے اپنے باشندگان ملک کے اطمینان کے لئے جان مال اور حقوق کی حفاظت کی ضمانت کے اعلانات ہوتے رہے اور بالآخر دونوں طرف کے باشندگان ملک ان اعلانات پر مطمئن ہو گئے۔ اس لئے عام باشندگان ملک کے ساتھ یہ معاہدہ قائم اور نافذ رہا۔

عام باشندگان ملک کی اراضی کے احکام بدستور سابق رہے

معلوم ہوا کہ اس معاہدہ کی رو سے پاکستان بننے کے بعد ہر شخص اپنے اپنے اموال منقولہ اور غیر منقولہ کا بدستور سابق مالک و متصرف رہا۔ ملک کی تقسیم سے نہ کسی مسلم یا غیر مسلم کی املاک متاثر ہوئیں اور نہ رہن بیع وغیرہ کے معاہدات باہمی اندرون پاکستان پر اس کا کوئی اثر پڑا۔ بلکہ انگریزی عہد میں جو شخص جس چیز کا مالک یا اس پر کسی معاہدہ کی حیثیت سے متصرف تھا وہ ملک اور معاہدات بدستور سابق قائم رہے اس میں پورے باشندگان ملک مسلم اور غیر مسلم سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اور انگریزی عہد میں اراضیٔ ہندوستان کے جو احکام تیسرے باب میں لکھے گئے ہیں وہ سب ہندوستان و پاکستان دونوں میں شرعی حیثیت سے بدستور قائم ہیں۔

البتہ تقسیم ملک کے وقت بڑی بھاری تعداد میں ہندوستان کے مسلماں پاکستان کی طرف اور پاکستان سے بہت سے غیر مسلم ہندوستان کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس جگہ ان اسباب پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ ترک وطن اور ہجرت پر مجبور ہوئے کیونکہ متعلقہ احکام کا ان اسباب سے تعلق نہیں۔

احکام کا تعلق اس امر سے ہے کہ یہ تبادلۂ آبادی کسی معاہدہ اور سمجھوتے کے تحت نہیں ہوا نہ دونوں حکومتوں نے کوئی ایسا معاہدہ کیا تھا نہ عوام ہی نے کوئی معاہدہ اور سمجھوتے کی صورت پیدا کی تھی بلکہ ایک اضطراب اور افراتفری کی حالت میں یہ انقلاب اور تبادلۂ آبادی عمل میں آیا۔ دونوں

طرف کے تارکین وطن نے اپنے اموال غیر منقولہ اپنے اپنے سابق وطن میں چھوڑے اور بہت سے لوگوں کے کچھ اموال منقولہ بھی وہیں رہے۔

شرعی حیثیت سے غور طلب اور تفصیل طلب وہ اموال منقولہ اور غیر منقولہ ہیں جو تارکین وطن نے اپنے اوطان میں چھوڑ گئے ہیں، جن کو آج کل کی اصطلاح میں متروکہ جائیداد کا نام دیا جاتا ہے کہ ان کی شرعی اور فقہی حیثیت کیا ہے۔ ان میں تصرف کرنے کا حق کس کو اور کیا ہے۔

متروکہ جائیدادوں کے احکام

اس سلسلہ میں ہماری بحث و تحقیق کا زیادہ تعلق ان اموال سے ہے جو غیر مسلم پاکستان میں چھوڑ گئے۔ کیونکہ ہمارے تصرف میں صرف وہی اموال ہے اور حکومت پاکستان کے احکام بلاواسطہ انہی میں جاری ہو سکتے ہیں۔ آخر میں ہندوستانی مسلمانوں کی متروکہ جائیداد یا اوقاف رہ گئے ہیں۔ اس کتاب کے پہلے باب القول الماضی فی احکام الاراضی میں آپ تفصیل سے معلوم کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جو اموال حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم پر ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ جہاد کے ذریعہ ان سے حاصل کئے گئے ہیں ان کا اصطلاحی نام مال غنیمت ہے۔

دوسرے وہ جو بغیر جنگ کے حاصل ہوں ان کو اصطلاح میں مال فئے کہا جاتا ہے اور ان دونوں قسموں کے اموال کے احکام شرعیہ مختلف ہیں۔

اس باب کی ابتدائی تفصیلات میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ پاکستان میں جو زمین جائیداد وغیرہ غیر مسلم چھوڑ گئے ہیں وہ کسی جنگ کے ذریعہ ان سے حاصل نہیں کی گئی اس لئے ان کا شمار دوسری قسم کے مال فئی میں ہوگا۔

باب اول میں بحوالہ کتاب الاموال ابو عبید لکھا گیا کہ غیر مسلموں کی وہ املاک جو ان سے بغیر جنگ کے حاصل ہوں ان میں اگر ان غیر مسلموں سے کچھ شرائط پر صلح ہوئی ہے تو ان شرائط کی پابندی لازمی ہوگی۔ نہ موجودہ حکمران ان کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں اور نہ آئندہ آنے والے۔ لیکن ہماری زیر بحث صورت اس لئے مختلف ہے کہ یہ تبادلۂ آبادی نہ دونوں حکومتوں کی کسی قرارداد کے ماتحت ہوا، نہ ابتداءً ہندوستان و پاکستان کی دونوں حکومتوں کے مابین اس معاملہ میں کوئی معاہدہ ہوا اور نہ انفرادی طور پر ہی جانے والے غیر مسلموں نے متروکہ سامان و اراضی حکومت پاکستان کے سپرد کیا اور نہ اس کے متعلق کسی معاملہ اور معاہدہ کی صورت بنی بلکہ افراتفری

کی حالت میں ان کو لاوارث چھوڑ کر چلے گئے۔اس لئے اموال منقولہ تو بحکم فئی ہو کر ملک بیت المال ہو گئے اور غیر منقولہ جائیداد و اراضی وغیرہ بیت المال میں شامل ہو گئی جس کا مفصل بیان باب اول کے عنوان اراضی بیت المال کے تحت میں بحوالہ کتاب الخراج ابی یوسف وشامی باب العشر والخراج میں آچکا ہے۔اسی میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اراضی بیت المال میں اسلامی حکومت کو بہت سے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔جن میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو کلاً یا جزاً مستحقین اہل حاجت میں تقسیم کردے یا ان لوگوں کو دے دے جن کی خدمات اسلامی جہاد، تعلیم، تبلیغ وغیرہ میں معروف ہیں۔اب پہلے اموال منقولہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اس کے بعد متروکہ اراضی کے احکام کا بیان ہوگا۔

متروکہ اموال منقولہ کے احکام

مسئلہ(۱): غیر مسلم اموال منقولہ استعمالی سامان یا مکان، دکان کا فرنیچر وغیرہ اپنے جانے سے پہلے کسی کو فروخت کر گئے وہ اس کی ملک خاص ہوگئی اس میں حکومت یا کسی اور شخص کو کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔

مسئلہ(۲): اسی طرح جو اموال منقولہ انہوں نے اپنے جانے سے پہلے کسی کو اپنی خوشی سے ہبہ کردیئے وہ بھی ان کا مالک ہو گیا۔بشرطیکہ یہ ہبہ کسی ناجائز دباؤ کے ذریعہ نہ ہوا ہو۔

مسئلہ(۳): ۱و۲ دونوں میں حکومت پاکستان کو یہ حق ہے کہ مدعی بیع و ہبہ سے ثبوت طلب کرے اگر ثبوت شرعی نہ ملے تو یہ اشیاء اس سے لے کر بیت المال میں جمع کر لے۔

مسئلہ(۴): بیع و ہبہ اسی شخص کا معتبر ہے جو اپنے جانے سے پہلے کسی کو بیع یا ہبہ شرعی قاعدہ کے موافق کر گیا اور اس کا شرعی ثبوت موجود ہے، یہاں سے ترک وطن کر کے چلے جانے کے بعد خط و کتابت سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے اگر بیع و شراء یا ہبہ کیا ہے وہ معتبر نہیں کیونکہ ترک وطن کرتے ہی وہ اموال اس کی ملک سے نکل کر مال فئی بن گئے اس کا اختیار ختم ہو چکا۔

مسئلہ(۵): جس منقولہ سامان کے کسی کو فروخت یا ہبہ کرنے کا شرعی ثبوت نہ ہو وہ سب شرعی اختیار سے بیت المال کی ملک ہے۔اس میں بغیر اجازت حکومت پاکستان کسی کو مالک بن بیٹھنے استعمال کرنے یا فروخت کرنے کا شرعاً حق نہیں۔

مسئلہ(۶): حکومت پاکستان ایسے اموال غریبوں، محتاجوں یتیموں، بیواؤں اور دینی اور ملکی خدمات کرنے والوں کو دے سکتی ہے۔اگر ایسے لوگوں نے اموال مذکورہ میں سے کسی چیز پر بغیر اجازت

حکومت کے تصرف کرلیا تو ضابطہ کی رو سے وہ بھی درست نہیں لیکن اگر حق اور حیثیت سے زیادہ کا سامان نہیں ہے تو امید معافی ہے۔ (کما ذکرہ الفقہاء فی حیس العشر لمن یستحقہ ①)۔

مسئلہ (۷): جو شخص مصارف بیت المال مندرجہ مسئلہ ۶ میں سے نہیں یا اس نے اپنے حق اور حیثیت سے زیادہ کا مال لے لیا ہے اس پر واجب ہے کہ مال خلاف حق لیا اور استعمال کیا ہے اگر وہ بعینہ موجود ہے تو حکومت کو واپس کردے یا خود کسی غریب مستحق کو دیدے اور اگر ختم ہو چکا ہے تو اسکی قیمت فقراء و مساکین میں تقسیم کردے اور جب تک وہ ایسا نہ کرے گا مال غنیمت میں چوری کرنے کا مجرم ہوگا جو عام چوری سے زیادہ شدید جرم و گناہ ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

متروکہ اراضی کے احکام شرعیہ

اس عنوان کے تحت ان اراضی کے احکام لکھے جائیں گے جو وقف نہیں۔ اوقاف کا حکم باب پنجم میں مستقل آئے گا۔ مسئلہ غیر مسلم تارکین وطن نے جو زمین جائیداد اپنے یہاں رہتے ہوئے فروخت یا ہبہ کردی ہیں اور بیع و شراء یا ہبہ کے شرعی شرائط کی پوری تکمیل کردی ہے اور اس پر شرعی ثبوت بھی شہادت اور دستاویز کے ذریعہ موجود ہے، ان لوگوں کی ملک ہوگئی جنہوں نے ان کو غیر مسلموں سے خرید لیا ہے یا بغیر کسی دباؤ کے بطور ہبہ حاصل کرکے اس پر قبضہ بھی ان کے سامنے لے لیا ہے مسئلہ جس بیع کی شرائط مکمل نہیں ہوئی یا جس ہبہ پر قبضہ ان کے یہاں موجود ہوتے ہوئے نہیں لیا گیا وہ شرعاً معتبر نہیں۔

باقی اراضی متروکہ جن کی بیع یا ہبہ ثابت نہیں یا مکمل نہیں وہ سب اراضی بیت المال میں داخل ہیں جن میں حکومت پاکستان کو منجملہ دوسرے اختیارات کے یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ اہل حاجت میں تقسیم کردے۔

متروکہ اراضی کے متعلق دونوں حکومتوں کا معاہدہ

تقسیم ہند کے بعد اوائل میں جب ترک وطن کا سلسلہ دونوں طرف سے طوفانی صورت میں چل رہا تھا تو پاکستان اور ہندوستان کی دونوں حکومتوں نے یہ معاہدہ کرلیا کہ جو چیزیں کوئی شخص

---

① ...... ومن له حظ فی بیت المال وظفر بما هو موجه له ،له اخذه دیانة،درمختار قال الشامی ومن له حظ هم القضاة والعمال والعلماء والمقاتلة وذراریهم والقدر الذی یجوزلهم اخذه کفایتهم قال المصنف وکذلک طالب العلم والواعظ الذی یعظ الناس بالحق والذی یعلمهم اھ (شامی باب العشر ص ۷۶ ج ۲)

چھوڑ کر گیا ہے وہ اسی کی ملک پر رکھی جائیں اور دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے ملک میں متروکہ املاک کی حفاظت کے لئے کسٹوڈین (امین) کے محکمے قائم کر دیئے۔ جس کے فرائض میں یہ داخل تھا کہ ہر شخص کی متروکہ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ کو اپنے قبضے میں لے کر محفوظ رکھے۔ ان کو اگر کرایہ پر دے یا مزروعہ اراضی میں کاشت کرائے تو ان کی آمدنی بحق مالک محفوظ رکھے۔

دونوں طرف سے یہ اعلانات ۱۸، ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء میں دونوں حکومتوں کے اخبارات و جرائد میں نشر ہوئے۔ اس معاہدہ کا حاصل یہ تھا کہ دونوں طرف کی متروکہ جائیدادوں کے تبادلہ کی کوئی صورت باہمی قرارداد کے ذریعہ کی جائے گی۔ شرعی اصول اراضی جن کا ذکر اس کتاب کے باب اول میں آچکا ہے ان میں اراضی مذکورہ کے متعلق جو شرعی اختیارات حکومت پاکستان کو حاصل ہوئے تھے ان کی وسعت میں یہ صورت بھی داخل تھی کہ ایسا تبادلۂ جائیداد منظور کر لے۔

ہندوستان میں گورنمنٹ کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

اس معاہدہ کا تقاضا یہ تھا کہ تارکین وطن کو اپنی اپنی جائیداد و اسباب کا مالک بدستور قرار دیا گیا تو ان کو یہ موقع بھی دیا جاتا کہ اگر وہ واپس آکر اپنی جائیداد وغیرہ سے خود نفع اٹھانا چاہیں یا فروخت کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ لیکن حکومت ہند نے معاہدہ مذکورہ کے پانچ ہی ماہ بعد جون ۱۹۴۹ء میں اس آمد و رفت پر اول بذریعہ پرمٹ اور پھر باقاعدہ ویزا سسٹم کے ذریعہ پابندی لگا دی جس کے نتیجہ میں مالکان اراضی اپنی ملکیت سے انتفاع حاصل کرنے پر قادر نہ رہے۔

حکومت پاکستان نے یہ صورت حال دیکھ کر پاکستان میں بھی پرمٹ اور پھر ویزا سسٹم نافذ کر دیا۔ اس عمل سے اس معاہدہ ۱۹۴۹ء پر ایک زد پڑی۔

دوسری خلاف ورزی

اس معاہدہ کا تعلق صرف ان علاقوں سے تھا جہاں سے افراتفری کے زمانہ میں آبادی کا بڑا حصہ چلا گیا جیسے ہندوستان میں مشرقی پنجاب اور دہرہ دون وغیرہ اور پاکستان میں صوبہ پنجاب و سرحد وغیرہ جن کی تفصیلات فریقین میں طے شدہ تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ صرف ان طے شدہ علاقوں کی متروکہ اراضی وغیرہ کسٹوڈین کے قبضہ میں لی جاویں۔ دوسرے علاقوں سے اگر کوئی مسلمان پاکستان آجائے تو اس کی وہی حیثیت ہو جو کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی حیثیت ہوتی ہے کہ ان کی املاک بدستور باقی اور خود انہی کے تصرف میں رہتی ہیں۔ وہ جب چاہیں خود

آ کر ان میں تصرف کریں یا بذریعہ کسی وکیل مختار کے ان کا انتظام کریں۔

لیکن حکومت ہند نے خلاف معاہدہ کسٹوڈین کے قانون کو پورے ہندوستان میں عام کر دیا جہاں سے کوئی مسلمان پاکستان گیا اس کی جائیداد وغیرہ پر کسٹوڈین نے قبضہ کر لیا۔ بلکہ واقعات ایسے بھی پیش آئے کہ جس شخص کا ارادہ پاکستان جانے کا محسوس کیا گیا تو اس کے موجود ہوتے ہوئے اس کی جائیداد پر قبضہ کرنے اور اس کو جلد نکال دینے کی کوشش کی گئی۔ جوابی کاروائی کے طور پر پاکستان کو بھی اس کا اطلاق عام کرنا پڑا۔

تیسری خلاف ورزی اور مکمل عہد شکنی

کچھ عرصہ کے بعد حکومت ہند نے مسلمانوں کی تمام متروکہ جائیداد اور سامان کو مالکانہ حیثیت سے ہندوؤں میں اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم کر دیا۔

اس وقت وہ معاہدہ کلی طور پر ٹوٹ گیا اور تبادلۂ جائیداد کے پیش نظر کسٹوڈین کا تقرر بے معنی ہو کر رہ گیا۔ حکومت پاکستان بھی اس پر مجبور ہوئی کہ تبادلۂ جائیداد کے تصور کو ختم کر دے۔

پاکستان میں اراضی متروکہ کی تقسیم

شرعی حیثیت سے معاہدہ مذکورہ ٹوٹ جانے کے بعد یہ اراضی متروکہ پھر اپنی سابق حیثیت میں اراضی بیت المال بن گئی جن میں حکومت پاکستان کو مختلف قسم کے اختیارات تھے۔ حکومت پاکستان نے قرین انصاف اس کو سمجھا کہ پاکستان کی اراضی متروکہ انہیں لوگوں کو دی جائیں جن کی جائیدادیں ہندوستان میں رہ گئی تھیں۔ شرعی حیثیت سے یہ کوئی تبادلہ یا معاوضہ نہیں تھا کیونکہ شرعی قواعد کی رو سے اس پر معاوضہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ

(الف) معاوضہ دو شخصوں کے درمیان لین دین کا نام ہے۔ یہاں پاکستانی مہاجر کوئی چیز حکومت پاکستان کو نہیں دے رہا جس کو معاوضہ کہا جا سکے۔

(ب) معاوضہ فریقین کی رضامندی سے طے شدہ شرائط کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ یہاں مہاجر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ حکومت نے جو تناسب قائم کر دیا اور جس صورت سے دینا طے کر دیا مہاجر اس پر مجبور اور پابند ہے۔

پھر حکومت پاکستان نے بھی اس میں بار بار تبدیلیاں کیں، کبھی گھٹایا کبھی بڑھایا، دینے کے

بعد واپس لے لیا۔ اگر معاوضہ حقیقی معنی میں ہوتا تو بلا رضا مندی مہاجرین کے یہ تبدیلیاں اور واپسی نہ ہوتی۔

اس لئے شرعی قواعد کی رو سے مہاجرین میں یہ تقسیم اراضی حقیقی معنی کے اعتبار سے معاوضہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ حکومت کی طرف سے عطاء مستقل ہے، جس کا حکومت کو اراضیٔ بیت المال میں پورا حق ہے اور بلا شبہ مہاجرین اس کے پورے مستحق ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے جب بجاطور پر یہ طے کر دیا کہ متروکہ اراضی مہاجرین میں تقسیم کی جائیں تو یہ ظاہر ہے کہ لاکھوں مہاجرین میں ان کی تقسیم کے لئے کوئی اصول کار اور اسکیم بنانا ناگزیر تھا۔ حکومت کو یہ بھی اختیار تھا کہ مہاجرین کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں سے قطع نظر کر کے ان کی حاجت مندی کو معیار بنا کر زیادہ حاجت مند کو زیادہ اور کم حاجت والے کو کم دیتی۔ مگر حکومت نے اپنی صوابدید پر معیار تقسیم یہ بنایا کہ مہاجرین جو اپنی جائیدادیں ہند میں چھوڑ آئے ہیں ان کے تناسب سے یہاں کی زمینیں ان کو تقسیم کی جائیں۔ اسی لئے مہاجرین سے درخواستیں اور اپنی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کی تفصیل طلب کی۔ یہ ظاہر ہے کہ لاکھوں انسانوں میں ہر مدعی کے دعویٰ کو بعینہٖ تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کام کے لئے سٹلمنٹ کا محکمہ قائم کر کے اس کی عدالتیں جابجا قائم کیں جو ہر مدعی سے ثبوت طلب کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

مہاجرین کے لئے دستاویزی ثبوت پیش کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا جبکہ ہندوستانی حکومت کا رویہ مہاجرین پاکستان کے ساتھ غیر ہمدردانہ رہا ہے تو وہاں سے اپنی جائیدادوں کے کاغذات اور تحریری ثبوت منگانا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس لئے حکومت پاکستان نے بار ہا یہ ارادہ کیا بلکہ کچھ ایسے اقدامات بھی کیے گئے کہ حکومت پاکستان خود اراضی متروکہ کا ریکارڈ ہند سے طلب کر لے مگر اول تو اس میں کامیابی پوری نہ ہوئی دوسرے وہاں کا ریکارڈ بھی تجربوں اور مشاہدوں سے قابل اعتماد ثابت نہ ہوا۔ اس لئے حکومت پاکستان نے ان معاملات کے فیصلوں کو ہندوستان کے دستاویزی ثبوت پر موقوف نہیں رکھا جہاں یہ ثبوت نہیں ملا۔ دوسری بلا شہادتوں سے بھی کام لیا گیا اور سٹلمنٹ کی عدالت نے دعویٰ کی جس قدر تصدیق کر دی وہ اس شخص کی متروکہ جائیداد قرار دی گئی۔

پھر اس کے بالمقابل جو جائیداد اس کو پاکستان میں دینا تھی اس کیلئے ایک تناسب اور پیمانہ بحساب فیصدی قائم کیا گیا۔ مثلاً ایک سو روپیہ کے بالمقابل پچاس دیئے جائیں یہ وجہ تھی جس کے سبب حکومت کے کاغذات اور اعلانات میں اس کو معاوضہ کا نام دیا گیا اگر چہ وہ در حقیقت عطا

مستقل تھی۔

لیکن جب حکومت نے اس عطاء مستقل کا معیار متروکہ جائیدادوں کو قرار دیا اور قانون یہ بنا دیا کہ جس شخص کی جتنی جائیداد ہندوستان میں چھوڑنا ثابت ہوا اس کو اسی تناسب سے یہاں جائیداد دی جائے گی۔ تو اب ہر شخص کے لئے یہاں کی متروکہ جائیداد اسی قدر حلال اور جائز ہو گی جو مذکورہ معیار کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ جو اس کے خلاف غلط بیانی سے حاصل کی گئی وہ شرعاً اس کے لئے حلال نہیں۔

حاصل شدہ متروکہ جائیداد کے متعلق چند مسائل

مسئلہ : جس شخص نے غلط بیانی کر کے اپنی متروکہ جائیداد واقعہ کے خلاف زیادہ بتلائی اور سٹلمنٹ سے اس کے موافق فیصلہ ہو گیا تو جس قدر زائد جائیداد کے بالمقابل یہاں جائیداد حاصل کی ہے وہ ناجائز ہے۔ اس گناہ کی توبہ یہ ہے کہ یا تو جس قدر زمین غلط بیانی کے نتیجہ میں حاصل کی ہے وہ حکومت کو واپس کر دے۔ یا پھر کسی ایسے شخص کو دے دے جو کسی وجہ سے اپنے حق پانے سے محروم رہا ہے۔ مسئلہ ایسی جائیداد جو کسی نے غلط بیانی کے ذریعہ حاصل کی ہے اگر اس کو کسی دوسرے مسلمان نے بے خبری میں خرید لیا تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

متروکہ جائیدادوں میں وراثت اور شرکت کے احکام

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ حکومت پاکستان نے اراضی متروکہ کی تقسیم کا معیار ان جائیدادوں کو قرار دیا ہے جو مہاجرین پاکستان ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں اس لئے وراثت و شرکت وغیرہ کے معاملات سے متعلق مسائل ذیل حاصل ہوئے۔

مسئلہ : ہندوستان میں چھوڑی ہوئی جائیداد کے بالمقابل پاکستان میں کوئی جائیداد حاصل کی گئی وہ ان سب لوگوں کا حق حسب حصہ ہو گی جو ہندوستان کی متروکہ جائیداد میں کوئی حصہ یا شرکت رکھتے تھے۔ اگرچہ پاکستان میں اس کا کلیم ان میں سے کسی ایک فرد نے صرف اپنے نام سے کیا ہو۔ اور اس کی وجہ سے حکومت پاکستان نے یہ جائیداد صرف اسی کے نام لکھ دی ہے۔

مثلاً ایک جائیداد جدی خاندان کے بہت سے افراد میں بحیثیت وراثت مشترک تھی پاکستان میں یا تو سب شریک آئے نہیں یا آئے مگر انہوں نے کلیم نہیں کیا، بلکہ ان میں سے صرف ایک یا دو شخص نے اس پوری جائیداد کا کلیم کیا اور بمعاوضہ کلیم پاکستان کی جائیداد انہی دونوں کے نام ہو گئی تو

شرعاً یہ دونوں اس پوری جائیداد کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ صرف اس مقدار کے مالک ہوں گے جس کے وہ اپنی متروکہ جائیداد میں حصہ دار تھے۔ فرض کیجئے کی متروکہ جائیداد میں ان کا حصہ فی کس دو آنے فی روپیہ کے حساب سے تھا تو چوتھائی جائداد کے یہ دونوں مالک ہوں گے باقی تین چوتھائی دوسرے وارثوں کا حق ہوگا خواہ وہ پاکستان میں آئے ہوں یا ہندوستان میں رہ گئے ہوں۔

مسئلہ :اسی طرح اگر کسی دکان یا کارخانہ وغیرہ میں چند آدمیوں کی شرکتِ کاروبار تھی اور پاکستان میں ان میں سے صرف ایک شخص نے پورے کارخانہ کا کلیم اپنے نام کرلیا تو اس کے بالمقابل حاصل شدہ جائیداد میں بھی وہ سب شرکاء اپنے اپنے حصہ کے مطابق شرعاً شریک قرار پائیں گے جنہوں نے کلیم نہیں کیا مسئلہ چند شریکوں میں ایک شخص کے کلیم کرنے کی صورت میں جو مصارف کلیم پر اس شخص نے کئے ہیں وہ مصارف ہر حصہ دار سے اس کے حصہ کے مطابق یہ وصول کرسکتا ہے مسئلہ البتہ اگر مشترک جائیداد کے کسی شریک نے پاکستان میں صرف اپنے حصہ کا کلیم کرکے اس کے معاوضہ میں کوئی جائیداد حاصل کی ہے تو اسکا وہ تنہا مالک ہوگا۔

متروکہ اراضی پر مساجد اور ان کے احکام

سابقہ تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی اراضی شرعاً اراضی بیت المال کے حکم میں ہیں جن کا ضابطہ شرعی یہ ہے کہ حکومت پاکستان ان کی متولی ہے وہ ان زمینوں کو باشندگان ملک میں حسب صوابدید تقسیم بھی کرسکتی ہے اور ان کی ضروریات کے لئے ان میں مساجد، مدارس، رفاہی ادارے خود بھی بنا سکتی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو بنانے کے لئے بھی دے سکتی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق احکام حسب ذیل ہیں

مسئلہ :جو متروکہ زمین حکومت نے کوئی مسجد یا مدرسہ بنانے کیلئے مسلمانوں کو دے دی اور اس پر مسجد یا مدرسہ وغیرہ بنا دیا گیا وہ شرعاً جائز و درست اور بحکم وقف شرعی ہے جیسا کہ باب اول میں اراضی بیت المال کے احکام میں حوالوں کے ساتھ یہ مسئلہ آچکا ہے۔

مسئلہ :اگر مسلمانوں نے غفلت سے یا کسی مجبوری سے بغیر اجازت حکومت پاکستان کسی متروکہ زمین پر مسجد بنادی اور پھر حکومت سے اجازت حاصل کرلی تو وہ بھی جائز درست ہے اس کے احکام تمام وہی ہیں جو عام مساجد کے ہیں۔

مسئلہ :اگر کسی متروکہ زمین پر مسلمانوں نے ضرورت سمجھ کر یا مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا

پر حکومت پاکستان سے باضابطہ اجازت لئے بغیر کوئی مسجد تعمیر کر دی اور دوران تعمیر میں اور بعد میں حکومت کے ذمہ داران دیکھتے رہے منع نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں باقاعدہ جماعت ہونے لگی تو ذمہ دار افسران کا سکوت بھی اس معاملہ میں بحکم اجازت سمجھا جائے گا اور مسجد شرعی بن جائے گی۔ اس کے بعد اس کو منہدم کرنے کا حق کسی کو نہیں رہتا۔ کیونکہ مواقع ضرورت میں مسجد بنانا خود حکومت کے فرائض میں ہے اور یہ زمین اس کا مصرف ہے۔ اس لئے جب مسجد بنالی گئی اور جماعت ہونے لگی تو اب اس کو ہٹانے کا حق نہیں۔

مسئلہ : یہی حکم ان تمام زمینوں کا بھی ہے جو حکومت پاکستان کی ملکیت یعنی اراضی بیت المال ہیں خواہ وہ متروکہ جائیداد نہ ہوں۔ مسئلہ متروکہ زمین اور سرکاری زمینوں کے علاوہ جو زمین کسی مسلمان یا غیر مسلم مقیم پاکستان کی ملک ہیں ان پر مسجد بنانا بغیر اجازت مالک حرام ہے اور اگر اس کی صریح اجازت کے بغیر بنالی گئی ہے تو اس کو گرا کر زمین خالی کر کے واپس کرنا واجب ہے پاکستان میں متروکہ زمینوں پر عام طور سے مسلمانوں نے مسجدیں بنائیں۔ علماء نے اس کو نہیں روکا اس سے بہت سے لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسجد ایسی چیز ہے کہ اس کو جس کی زمین پر بھی بنا دو مسجد ہو جائے گی اور اس کا ہٹانا جائز نہیں ہوگا یہ بالکل غلط ہے۔ جو زمین کسی شخص کی ملک خاص ہے اس پر مسجد بنانا بغیر اس کی صریح اجازت کے ہرگز جائز نہیں اور اگر کسی نے بنالی تو بھی وہ مسجد شرعی نہیں ہوئی۔

مسئلہ : اگر حکومت نے کسی متروکہ زمین یا سرکاری زمین پر مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی عارضی اجازت دی اور یہ واضح کر دیا کہ اس جگہ کو مستقل مسجد بنانا نہیں ہے، صرف عاضی طور پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو اس میں نماز باجماعت ہونے سے یہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی۔ اسی طرح کسی شخص نے اپنی مملوک زمین میں اگر عارضی طور پر نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت دے دی تو اس سے بھی وہ جگہ مسجد نہیں بنتی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے عارضی ہونے کا مکمل ثبوت موجود ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ ایسے مقامات میں کتبہ لکھ کر لگا دیا جائے کہ یہ جگہ مسجد نہیں ہے تاکہ بعد میں جھگڑے پیش نہ آئیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی متروکہ اراضی کے بعض احکام

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس باب میں پیش نظر ان احکام کا بیان ہے جو مسلم باسندگان پاکستان اور حکومت پاکستان پر از روئے شرع اسلامی عائد ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں

مسلمانوں کی متروکہ املاک ہندو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے نہ وہ احکام اسلامی کی پابند ہے نہ اس کے لئے احکام کا بیان کرنا کچھ سودمند ہے لیکن کچھ احکام وہ بھی ہیں جن کا تعلق مسلم باشندگان ہندوستان سے ہے اس لئے ان کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

مسئلہ: پاکستانی مسلمان جو جائیداد اور املاک ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں اور حکومت ہند نے ان کو ہندو تارکان وطن میں تقسیم کر کے مالکانہ حقوق دے دیئے ہیں، اب اگر کوئی ہندو مالک زمین اس کو کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت یا ہبہ کرے تو کیا مسلمان کے لئے ایسی جائیداد کی خریداری اور اس پر قبضہ جائز ہوگا؟

اس سوال کا جواب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ مسلمان کے لئے اس کی خریداری یا بطور ہبہ کے قبضہ جائز ہے۔(لکون استیلاء الکافر موجباً للملك عنده کماهو معروف فی الفقه و النظر۔(ردالمحتار باب استیلاء الکافر من ابواب السیر و الجهاد)

مسئلہ: اسی طرح جب مسلمان کی متروکہ جائیداد حکومت کی طرف سے کسی ہندو یا سکھ وغیرہ کی ملک قرار دے دی گئی تو اس جائیداد پر کرایہ لینا یا اس کی کاشت میں یا کارخانہ تجارت میں شرکت کرنا مسلمان کے لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ: یہ احکام ان اراضی کے متعلق ہیں جو وقف نہ ہوں۔

اوقاف کا حکم باب پنجم میں علیحدہ ذکر کیا جائے گا۔ باب چہارم تمام ہوا۔
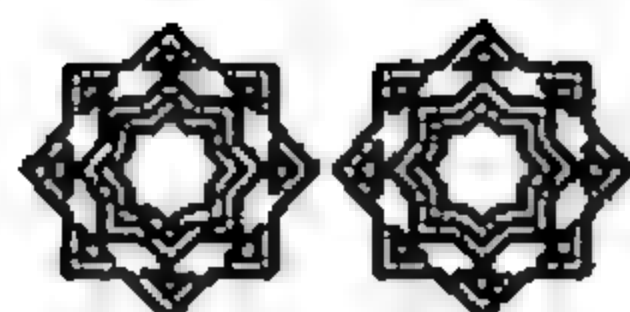
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب پنجم

اراضی اوقاف کے احکام

اراضی وقف میں کسی فرد یا حکومت کو شرائط وقف کے خلاف تصرف جائز نہیں

جو زمین کسی کار خیر کے لئے وقف کر دی جائے اور وقف کی شرائط اس میں پورے کر دیئے وہ اس شخص کی ملک سے نکل جاتی ہے اور کسی دوسرے کی ملک نہیں ہو سکتی بلکہ ایک حیثیت سے وہ براہ راست اللہ کی ملک سمجھی جاتی ہے۔ اسی لئے خود اس شخص کے لئے اس زمین میں بیع یا ہبہ یا رہن وغیرہ کے تصرفات جائز نہیں رہتے۔ دوسروں کے لئے تو کیا گنجائش ہے

اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب خیبر کی ایک عمدہ زمین ان کے حصہ غنیمت میں حاصل ہوئی تو آپ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ میرا محبوب مال ہے میں اس کو اللہ کے لئے کرنا چاہتا ہوں اس کی جو صورت حضرت پسند فرمائیں وہ اختیار کی جائے۔ تو رسول کریم ﷺ نے یہ مشورہ دیا کہ اس کو وقف کر دیں کہ اصل زمین بیع و ہبہ اور وراثت میں منتقل ہونے سے محفوظ رہے اور اس کی آمدنی ہمیشہ نیک کاموں میں خرچ ہوتی رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس ہدایت کے موافق اس زمین کو وقف کر کے یہ وقف نامہ لکھ دیا۔

لاتباع ولاتوهب ولاتورث تصدق بها على الفقراء والمساكين وابن السبيل وفي الرقاب والغزاة وفي سبيل اللّٰه والضيف لاجناح على من وليها ان ياكل منها بالمعروف وان يطعم صديقا غير متمول منه واوصى به الى حفصة ام المؤمنين ثم الى الاكابر من ال فرعون۔ (والاسعاف مبسوط)

ترجمہ: ”نہ اس کی بیع کی جائے نہ ہبہ کیا جائے نہ وراثت میں تقسیم کیا جائے بلکہ اس کی آمدنی

فقراء و مساکین، مسافر اور غلاموں کی آزادی اور مجاہدین فی سبیل اللہ اور مہمانوں کی ضرورت میں خرچ کی جائے اور جو شخص اس جائیداد کا متولی ہو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی آمدنی میں سے وہ بھی بقدر ضرورت کھالے یا اپنے عزیزوں دوستوں کو کھلادے مگر مال جمع کرنے کے لئے ایسا نہ کرے۔ پھر یہ وصیت نامہ تولیت کا لکھ کر اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ ام المؤمنین ؓ کو دے دیا۔"

شیخ برہان الدین طرابلسی نے "للاسعاف فی احکام الاوقاف" میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جس وقت فاروق اعظم ؓ نے یہ وقف نامہ لکھا ہے تو بہت سے صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کر کے ان کو اس کا گواہ بنایا حاضرین میں حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بھی تھے وہ فرماتے ہیں۔

فلم اعلم احدًا کان له مال من المهاجرين والانصار الاحبس مالا من ماله صدقة مؤيدة لاتشترى ابدًا ولاتوهب ولاتورث۔

(اسعاف ص ۷)

"فاروق اعظم ؓ کے اس عمل سے متاثر ہو کر جہاں تک میرا علم ہے جو صحابۂ کرام مہاجرین و انصار میں سے کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس نے اپنی کوئی جائیداد دینی کاموں کے لئے وقف نہ کی ہو جس کو وراثت میں تقسیم کرنے اور بیع و شراء سے ممنوع کر دیا۔

عبداللہ ابن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں اس مجلس میں حاضر تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس وقف شدہ زمین کا جو ثـــمـــغ کے نام سے معروف تھی، انتظام حضرت فاروق اعظم ؓ اپنی حیات تک خود کرتے اور اس کی پیداوار کو مذکورہ مصارف میں اپنے ہاتھ سے صرف فرماتے تھے۔ اور آپ ؓ کے بعد اس کی متولی آپ ؓ کی صاحبزادی حضرت ام المومنین حفصہ ؓ ہوئیں اور والد کی طرح وہ بھی اس کی آمدنی انہی مصارف میں صرف کرتی رہیں۔

یہی معمول تمام دوسرے صحابۂ کرام ؓ کے اوقاف میں جاری رہا۔ اور ان میں سے بہت سے اوقاف آج تک محفوظ و معروف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے اوقاف صحیحہ کسی شخص یا حکومت کی ملکیت میں کسی حال نہیں آسکتے۔ اس میں جنگ و صلح کے قوانین میں بھی کوئی خاص فرق نہیں۔

اس جگہ عام اوقاف کے احکام لکھنا نہیں کیونکہ وہ ایک طویل الذیل قانون ہے، جس کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ اس جگہ تو صرف یہ بتلانا ہے کہ حکومتوں کے انقلاب خواہ جنگ سے

ہوں یا صلح سے۔ بہر حال اوقاف شرعیہ اس سے متاثر نہیں ہو سکتے اور نہ کسی فرد یا جماعت کے لئے یہ جائز ہے کہ اوقاف کے احکام کے خلاف ان کے بارہ میں کوئی صلح کرے۔

تقسیم ہند اور بناء پاکستان کے وقت جو معاہدہ مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندوں اور سکھوں کے نمائندوں کے درمیان جون ۱۹۴۷ء ہوا ہے اس میں باشندگان ملک کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کا واضح الفاظ میں اعلان ہوا ہے۔

اس معاہدہ کی رو سے بھی طرفین کے اوقاف عام متروکہ اراضی سے بالکل مختلف ہیں نہ کوئی حکومت ان میں شرعی قانون اوقاف کے خلاف خود کوئی تصرف کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسرے کو ایسا اختیار دے سکتی ہے نہ وہ کسی کو مالکانہ طور پر الاٹ کئے جا سکتے ہیں۔

اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ اگر دونوں حکومتوں میں سے کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کرے تو بھی دوسرے فریق کو اپنے ملک کے اوقاف پر اسکی جوابی کاروائی کرنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر قوم کے اوقاف ایک حیثیت سے قومی ملک ہوتے ہیں۔ اس قوم کے جو افراد اپنے ملک کے شہری ہیں ان کے حقوق ان سے وابستہ ہیں کسی حکومت کی عہد شکنی کیوجہ سے اپنے ملک کے باشندوں کے حقوق پر دست درازی کا جواز کسی حال نہیں پیدا ہوتا۔

اس لئے مسلمانوں کی جو مساجد، مدارس، خانقاہیں، شفا خانے یتیم خانے، قبرستان وغیرہ جو اوقاف کی حیثیت سے ہندوستان میں رہے وہ ہندوستان سے چلے جانے والے مسلمانوں کی ملک نہ تھے بلکہ حقیقی طور پر تو ملک خداوندی ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کی قومی ملکیت ہیں۔ معاہدہ کی رو سے ان میں حکومت ہند یا اس کے کسی باشندے کو شرع اسلامی کے خلاف کوئی تصرف کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اور اگر بالفرض حکومت یا اس کے شہری اپنے فرض کو پورا نہ کریں تو دوسروں کے لئے بھی حکومت کی اجازت سے اس میں کوئی خلاف شرع تصرف کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ اگر حکومت ایسا کوئی وقف کسی کو الاٹ کر دے تو وہ ہرگز اس کا مالک نہ شرعاً ہو سکتا ہے نہ قانوناً۔

غیر مسلموں کے اوقاف کی حفاظت

اسی طرح غیر مسلم جو اوقاف پاکستان میں چھوڑ گئے ہیں خواہ وہ مذہبی عبادت خانے ہوں یا رفاہی ادارے۔ اگر چہ شرع اسلامی کی رو سے ان میں سے بعض اوقات تو اوقاف صحیحہ کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں بعض نہیں ہوتے۔ مگر معاہدہ مذکورہ کی بنا پر حکومت پاکستان ان تمام اوقاف

کی حفاظت اور ان کے مصارف میں استعمال کی ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ شرع اسلامی کی رو سے اوقاف صحیح نہ ہوں مثلاً ان کے عبادت خانے جو کفر و شرک ہی کے مرکز ہیں۔ اور شرعاً ان کا وقف صحیح نہیں لیکن معاہدہ صلح کی رو سے ان کی بھی حفاظت کرنا لازم ہے۔

خلفاء راشدین ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فتح شام و بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کا سب سے بڑا تاریخی گرجا جس کو کنیسۃ القیامہ کہا جاتا ہے، بدستور قائم رکھا اور آج تک مسلمانوں کی ہر حکومت اس کی حفاظت اور مرمت پر خرچ کرتی چلی آئی ہے۔ بلکہ حضرت فاروق اعظم ﷺ نے تو اتنی احتیاط فرمائی کہ جب وہ اس کنیسہ کو دیکھنے کے لئے اس کے اندر گئے تو کنیسہ کے بڑے بڑے پادری اور ذمہ دار ساتھ تھے اتفاقاً اس کو دیکھتے دیکھتے نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے نماز کے لئے فوراً واپس جانا چاہا کنیسہ کے سب ذمہ داروں اور پادریوں نے کہا کہ آپ نماز یہیں پڑھ لیں مگر فاروق اعظم ﷺ نے اس کو پسند نہ کیا۔ اور اس پسند نہ کرنے کی ایک وجہ یہ احتیاط بھی تھی کہ اگر میں نے یہاں نماز ادا کر لی تو ممکن ہے کہ بعد میں مسلمان اس کو مسجد بنا ڈالیں۔ اس کنیسہ کی حفاظت کے پیش نظر وہاں سے باہر آ کر کچھ فاصلہ سے میدان میں نماز ادا کی۔ آجکل اس جگہ پر مسجد بنی ہوئی ہے جس کو مسجد عمری کہا جاتا ہے

شیخ زین الدین ابن نجیمؒ نے اپنے رسالہ **الکنایس المصریہ** میں فاروق اعظم ﷺ کا ایک فرمان بھی اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ جو ملک صلحاً فتح کیا جائے اس کے قدیم کنیسے، گرجا بُت خانے وغیرہ نہ توڑے جائیں۔ البتہ نئے عبادت خانے بنانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ پھر بحوالہ شرح نقایہ شمنی لکھا ہے۔

ان الامام اذا فتح بلدة و شرط لهم فى الصلح التمكين من احداث الكنائس لايمنعون منه والا ولى ان يصالحهم على ماصالح عمر من عدم الاحداث۔ (رسائل زینیه ملحقه بالا شباه والنظائر ص ۴۵)

''امام جو کوئی ملک بذریعہ صلح فتح کرے اور یہ شرط مان لے کہ ان کو نئے نئے کنیسے تعمیر کرنے کی بھی اجازت ہوگی تو اس معاہدہ کی بنا پر ان کو نئے کنیسے کی تعمیر سے بھی منع نہیں کیا جا سکتا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ مصالحت میں ایسی شرط قبول نہ کرے، بلکہ صلح اس طرز پر ہو جو حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فرمائی کہ قدیم کی حفاظت کی جائے اور جدید کی اجازت نہ ہو۔''

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکانہ طرز کی عبادات کے لئے جو عبادت خانے بنائے جائیں وہ اسلامی

اصول کی رو سے نہ کوئی عبادت صحیح ہے نہ اس کے لئے وقف کرنا صحیح۔ مگر جو ملک صلحاً فتح کیا جائے اس میں اس قسم کے اوقاف کی حفاظت کا انتظام بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

غیر مسلموں کے اوقاف کا شرعی ضابطہ

شرعی حیثیت سے غیر مسلموں کے وہ اوقاف صحیح مانے جائیں گے جو کسی ایسی غرض کے لئے وقف کئے گئے جو ان کے مذہب میں بھی ثواب سمجھے جاتے ہیں اور اسلام میں بھی وہ ثواب ہیں جیسے فقراء و مساکین کی امداد یا یتیموں بیواؤں کی تربیت کے لئے کوئی جائیداد وقف کی جائے، یا شفا خانے، مسافر خانے، پانی کی سبیلیں، کنویں، سڑکیں وغیرہ رفاہ عام کے ادارے کہ وہ اسلام میں بھی کار ثواب ہیں اور عام غیر مسلموں کے مذہب میں بھی، ان کے لئے جو زمین مکان وقف کئے جائیں وہ وقف شرعاً جائز و صحیح ہے اور ان کے کام چلانے کے لئے جو چیزیں وقف کی جائیں وہ بھی صحیح ہے۔ اور اگر کوئی کام ایسا ہے کہ غیر مسلموں کے نزدیک کار ثواب ہے مگر اسلام کے نزدیک ثواب نہیں جیسے ان کے اپنے مذہبی عبادت خانے یا پوجا پاٹ کی دوسری چیزیں ان کا وقف صحیح نہیں۔ اسی طرح وہ غیر مسلم جو عقیدۂ مسجد بنانے کو ثواب نہیں سمجھتا محض رواداری یا کسی نام و نمود کے لئے مسجد بنا دے اور وقف کر دے تو یہ وقف بھی غیر مسلم کی طرف سے صحیح نہیں ہوگا۔ شرعاً یہ مسجد مسجد شرعی نہ بنے گی بلکہ اسی کی ملک میں داخل رہے گی اس کی وراثت اس میں جاری ہوگی۔ (اسعاف)

مسئلہ: البتہ اگر کوئی غیر مسلم کسی خاص محلّہ یا بستی کے مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے اس تعلق کے پیش نظر ان کے فائدے کے لئے مسجد بناتا ہے تو یہ وقف صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ وقف دراصل ان مخصوص مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے کیا گیا ہے، مسجد مقصود نہیں۔ اور غیر مسلموں کے مذہب میں خدمت خلق کو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم کار ثواب سمجھا جاتا ہے اس لئے ان کا یہ وقف خدمت خلق کی حیثیت سے صحیح ہو جائے گا (اسعاف) بخلاف اس صورت کے کہ مسلمانوں کا کوئی مخصوص طبقہ یا جماعت اس کے پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کا ایک عبادت خانہ ہونے کی حیثیت سے مسجد بنا دے تو چونکہ غیر مسلموں کے مذہب میں اسلامی عبادت عبادت ہی نہیں، اس کے لئے عبادت خانہ کی تعمیر بھی ثواب نہیں سمجھی جاتی۔ اس لئے وہ مسجد مسجد شرعی نہ ہو گی۔ اس باریک فرق میں غلطی سے بچنے کے لئے مناسب صورت یہ ہے کہ جو غیر مسلم مسجد بنانا چاہتا ہے وہ اس کی لاگت کا تخمینہ کر کے کسی مسلمان یا فرد یا جماعت کو دیدے۔ یہ لوگ اپنی طرف

سے مسجد بنا کر وقف کردیں۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر یا ضروریات میں چندہ دینا چاہے تو اس کے جواز کی بھی صورت یہی ہے کہ وہ اس مسجد کے منتظمین کو دیدے وہ اپنی طرف سے لگادیں تو اس کا چندہ مسجد میں لگانا جائز ہوگا۔ مگر اس طرح بھی کسی غیر مسلم کا چندہ مسجد یا اسلامی مدرسہ میں قبول کرنا اس وقت مناسب ہوگا جب یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت ہمیں ان کے مندر اور مذہبی چیزوں میں چندہ دینا پڑے گا، اور نہ دیں گے تو شرمندگی ہوگی۔ کیونکہ مسلمان کے لئے مندر اور بت خانہ کی تعمیر یا ضروریات میں چندہ دینا حرام ہے اور غیر مسلم کا ایسا احسان لینا جس کے نتیجے میں شرمندگی اٹھانی پڑے یہ بھی درست نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
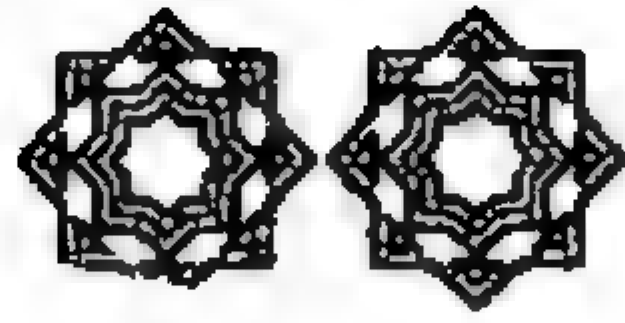
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ششم

عشر وخراج کے احکام

عشؔر اور خراؔج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے عشر [1] مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر [2] تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا، کاشت نہیں کی، اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے۔ اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج مؤظف ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کر دی گئی ہے وہ

---

[1] ...... عشر کے فرض ہونے کی دلیل قرآن مجید کی آیت سورۂ انعام واتوا حقه یوم حصاده اور آیت سورۂ بقرہ یٰاَیھا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض اور احادیث صحیحہ ہیں۔ اور عشر میں حیثیت عبادت ہونا اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہونا بھی انہی آیات سے ثابت ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے، وجوب عشر کی شرائط کے بیان میں ہے احدهما الاسلام وانه شرط ابتداءِ هذا الحق فلایبتداء بهذا الحق الاعلی المسلم بلاخلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلايبتدا به عليه۔ (بدائع ص۵۴ ج۲)

[2] ...... قال فی البدائع واما سبب فرضيته (وهی العشر) فالارض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقتاً او تقديرًا حتیٰ لو اصاب الخارج آفة فهلك لا يجب منه العشر فی الارض العشرية ولا الخراج فی الارض الخراجية لفوت النماء حقيقةً وتقديرًا ولو كانت الارض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزارع لايجب العشر لعدم الخارج حقيقة ولو كانت ارض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديراً۔ ولو كانت ارض خراج نزةً او غلب وعليها الماء بحيث لايستطاع فيه الزراعة اوسبخة اولايصل اليه الماء فلاخراج فيه لعدم الخارج فيه حقيقة وتقديرًا۔ (بدائع ص۵۴ ج۲)

اس صورت میں معاف نہ ہوگی، جبکہ مالک نے اپنی غفلت وکوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھا ہے۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا، کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ (شامی ص ۳۷ ج ۲)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں۔ (بدائع)

عشر اگرچہ ایک حیثیت سے زمین کی زکوٰۃ اور عبادت ہے مگر اس میں ایک حیثیت دوسری، زمین کے ٹیکس کی بھی ہے اس لئے زکوٰۃ اموال اور عشر میں بھی یہ فرق ہو گیا کہ اموال تجارت اور سونے چاندی کی زکوٰۃ عبادت خالصہ ہے اور عشر میں عبادت کی حیثیت بھی اور ٹیکس کی حیثیت بھی ہے۔

عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ کوئی نقصان بھی ہو جائے مگر نقصان ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔

بخلاف عشر کے کہ زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں۔
(یہ سب مسائل بدائع الصنائع اور کتاب الخراج یحیٰ بن آدم سے لئے گئے ہیں)

لفظ عشر کے اصلی معنی دسواں حصہ ہے مگر حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی بھی دو قسم قرار دی ہیں ایک میں عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ۔ لیکن فقہا کی اصطلاح میں ان دونوں قسم پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے واجبات دو قسم کے ہیں، عشر اور خراج۔ اور ان دونوں کے احکام میں بھی فرق ہے اور اس میں بھی یہی کہ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر اور اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ [1] عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے متبدل نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب

---

[1] ......قال فی البدائع من باب العشر ولو اشتریٰ مسلم بن ذی ارضا خراجیة فعلیه الخراج ولاتنقلب عشریة لان الاصل انه مؤنة الارض لاتتغیر بتبدل المالک الالضرورة وفی حق الذی اذا شتری من مسلم ارض عشر ضرورة لان الکافر لیس من اهل وجوب العشر واماالمسلم فمن اهل وجوب الخراج فی الجملة فلاضرورة الی التغییر تبدل المالک. (بدائع الصنائع ص ۵۵ ج ۲)

ہوگا۔ اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کر مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خرید لے تو اس پر بھی عشر ہی واجب رہے۔ لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ خاص حالات وصفات کے اعتبار سے زمینوں کی دو قسمیں ہیں کچھ عشری ہیں کچھ خراجی۔ اس باب میں اصل مقصود اسی کا بیان اور تعیین ہے کہ کونسی زمینیں عشری ہیں اور کونسی خراجی۔ عشر وخراج کے جزوی مسائل کی تفصیلات یہاں مقصود نہیں۔ کچھ ضروری مسائل کا بیان آخر میں بغرض فائدہ کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق

اس معاملہ میں اصل ضابطہ شرعی یہ ہے کہ جب کوئی ملک یا خطۂ زمین ابتداءً مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو اس کی چند صورتیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل مع دلائل کے اس کتاب کے باب اول احکام الاراضی میں آ چکی ہے اس تفصیل کی رو سے عشری اور خراجی زمین کا قاعدہ یہ ہے کہ:

اراضی خراج

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام حالات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلحنامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام مسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی جیسے شام وعراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیئے گئے یا بیت المال کے لئے رکھے گئے۔

اراضی عشر

اور اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان

کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں ہی رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ جیسے مدینہ طیبہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ کی اطاعت قبول کی۔ اس لئے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار پائیں۔ یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مالِ غنیمت کے قاعدہ سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملک میں آئیں گی وہ سب عشری ہوں گی۔ جیسے خیبر کی زمینوں کو رسول کریم ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے بعد نہ کسی کی مِلک تھیں نہ قابل زراعت بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پر ہوگا کہ جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمینیں عشری کہلائیں گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں خراجی قرار دی جائیں گی۔ اور علامہ شامیؒ نے قول ابو یوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے (شامی کتاب السیر باب العشر والخراج)

خراجی یا عشری پانی کی تفصیل

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کو جاری کرنے میں کسی عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ وفرات، مصر میں نیل، خراسان و ہندوستان میں سیحون وجیحون اور ہندوستان میں گنگا جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا [1] یہ سب عشری پانی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی

---

[1] ..... مگر بڑے دریاؤں کے پانی کے بارے میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہیں (بدائع باب العشر ص ۵۸ ج ۲ شامی کتاب السیر باب العشر ص ۳۵۹ ج ۳)

جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ اور نہر جمن وغیرہ وہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھیں اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو اوپر لکھا گیا رسول کریم ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کا تعامل اس پر شاہد ہے۔ عام کتب حدیث کے علاوہ کتاب الاموال ابوعبید میں یہ روایات و آثار تفصیل سے موجود ہیں۔

البتہ بعض مواقع میں رسول کریم ﷺ کے عمل یا صحابۂ کرامؓ کے اجماع کی بنا پر اس ضابطہ سے کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا اور رسول کریم ﷺ نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا۔ تو مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا۔ وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پاتی۔ لیکن صاحب بدائع الصنائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ رسول کریم ﷺ نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ معظمہ کی زمینیں عشری ہیں۔ اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانۂ خلافت میں بسایا گیا یہ ارض موات یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کا احیاء کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں سے متصل ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں۔ مگر باجماع صحابۂ کرام ؓ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت و خلفاء راشدین کے کچھ فیصلے

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم ﷺ نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوکِ اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔

علامہ شامیؒ نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اس میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے۔

بعض علماء نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عرض ساحل جدہ سے ملک شام

تک ایک نظم میں ضبط کیا ہے (ردالمحتار کتاب السیر باب العشر والخراج ص ۳۵۰ ج ۳)

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابۂ کرام ؓ کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق عرب کی حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عَقَبہ حُلوان قریب بغداد تک اور عرضاً عَلث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ (بدائع و شامی)

اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا ان پر خراج عائد فرمایا۔

رسول کریم ﷺ نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں۔ اور یہی طریق بعد تک جاری رہا۔ (بدائع ص ۵۸ ج ۲)

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق ؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔ (بدائع)

یہاں تک ان فیصلوں کا اور ان سے حاصل شدہ ضابطۂ فقہیہ کا بیان تھا جس کی بنیاد پر دوسرے ممالک کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تشخیص و تعیین کی جا سکے۔ اب اصل مقصود کتاب یعنی اراضی پاکستان و ہندوستان کے احکام کو اسی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

اراضی پاکستان میں عشر و خراج

(۱) غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مسلم مہاجرین میں تقسیم کیں قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے خواہ ان کی کچھ بھی حیثیت ہو۔ کیونکہ بناء پاکستان اور دونوں حکومتوں کے معاہدہ تبادلۂ جائیداد ختم ہو جانے کے بعد یہ سب اراضی بیت المال کے حکم میں داخل ہو کر حکومت کی تقسیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ملک ابتدائی بن گئیں۔ اور مسلمانوں کی زمینوں پر عشر ہی لگایا جانا چاہئے۔ اس لئے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔

(۲) اسی طرح وہ زمینیں جو پاکستان قائم ہونے سے پہلے غیر آباد تھیں، کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں۔ انگریزی حکومت نے ان میں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر کے لوگوں میں

مالکانہ طور پر تقسیم کیں۔ان میں جو اراضی مسلمانوں کو بلا قیمت یا بالقیمت حاصل ہوئی وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو حاصل ہوئیں وہ خراجی ہیں۔اسی طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیا اور مسلمانوں کو بقیمت یا بلا قیمت تقسیم کیا جیسے پنجاب میں تھل کا علاقہ اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ۔یہ سب زمینیں بھی چونکہ ابتدائی ملکیت مسلمانوں کی ہوگی اس لئے یہ بھی عشری قرار دی جائیں گی بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو جو قدرتی طور پر جاری ہیں۔کسی حکومت کے بنائے ہوئے نہیں۔ کیونکہ ایسے دریاؤں کا پانی عشری ہے (کمامر) پنجاب میں تھل کا علاقہ،سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ اور اندرون سندھ کی جدید آباد کردہ سب زمینوں کا یہی حکم ہے۔

(۳) مذکورہ دو قسم کی زمینوں کے علاوہ پاکستان کی جو زمینیں غیر مسلموں کی ملک میں ہیں ان پر خراج ہونا قاعدہ کی رو سے واضح ہے اس لئے یہ تین قسم کی زمینیں ایسی ہیں جن میں سے اول دو میں عشر ہونا اور تیسری میں خراج ہونا متعین ہے۔اس میں کسی بحث واختلاف کی گنجائش نہیں۔

(۴) اب باقی رہیں وہ زمینیں جو پاکستان بننے سے پہلے سے مسلمانوں کی ملک ہیں۔ان کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل مدار اس تحقیق پر ہے کہ مشترکہ ہندوستان کی اسلامی فتوحات کے وقت یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئی تھیں تو یہ زمینیں عشری ہوں گی۔یا قدیم مالک زمین ہندو کو اس کی ملکیت پر برقرار رکھ کر اس پر خراج عائد کیا گیا پھر مسلمانوں نے ان سے خرید لی،یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت کسی مسلمان کی طرف منتقل ہوگئی تو یہ زمین باوجود مسلمان کی ملکیت کے خراجی ہی رہیں گی۔یا کوئی ایسی صورت ہوئی ہے کہ اول فتح کے وقت یہ زمین آباد قابل کاشت نہیں تھی پھر کسی مسلمان نے اس کو حکومت کی اجازت سے قابل کاشت بنالیا اور اس طرح وہ اس کا مالک ہوگیا تو یہ عشری ہوگی۔یا یہ کہ کسی غیر مسلم نے آباد کیا اور وہ اس کا مالک ہوگیا اور اس پر خراج لگایا گیا پھر اس سے مسلمانوں نے خرید کر یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت حاصل کی تو اس پر سابق وظیفہ خراج ہی کا جاری رہے گا۔لیکن جزوی اور شخصی طور پر ہر زمیندار کی زمین کے متعلق اس وقت کی صحیح حیثیت آج معلوم کرنا جبکہ اسلامی فتوحات پر اس وقت کسی خطہ میں بارہ سو کسی میں سات آٹھ سو سال گزر چکے ہیں اور ان میں سینکڑوں انقلاب آئے ہیں ظاہر ہے کہ عادۃً ناممکن اور متعذر ہیں اتفاقی طور پر کسی خاص زمین اور اس کے مالکان کا پورا شجرہ کہیں محفوظ ہو تو وہ ایک شاذ ونادر واقعہ ہوگا جس پر دوسری زمینوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے جن علماء نے اس سلسلہ میں کوئی مستقل رسالہ لکھا ہے وہ عموماً کسی خاص خطہ کے عام حالات کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ علاقہ سندھ کے متعلق بہت سے اکابر علماء سندھ نے اس موضوع پر کچھ مقالات یا رسالے تحریر کئے ہیں۔ اس وقت میرے پاس ان میں سے ایک قلمی رسالہ ''سراج الهند فی تحقیق خراج السندھ'' مولانا ہمایونی ؒ کا ہے جن کے متعلق مزید حالات کا علم نہیں بجز اس کے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹوی ؒ کے بعد کا ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب بیاض واحدی اور شیخ ابوالحسن سندھی ؒ کی کتاب رفع الفریہ اور مخدوم محمد عارف سندھی کی بیاض اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب اتحاف الاکابر کے حوالے اس مسئلہ میں دیئے ہیں اور علاقہ سندھ کے متعلق ان سبھی حضرات کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی زمینیں خراجی ہیں۔ اور استدلال سب کا یہی ہے کہ اس ملک کو محمد بن قاسم ؒ نے کہیں عنوۃً اور کہیں صلحاً فتح کیا ہے اور دونوں صورتوں میں مالکان زمین کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر فرمایا ہے۔ رسالہ مذکورہ میں شیخ ابوالحسن سندھی ؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

قدثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث وتسعین و کان عنوة الامردم چنة اسلمواطوعاً علی ماصرحوا به فی التاریخ۔

''کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ یعنی جنگ و جہاد کے ذریعہ ہوئی ہے بجز مقام چنہ کے لوگوں کے جنہوں نے اول فتح کے وقت اسلام قبول کرلیا''

اسی رسالہ میں مذکورہ حوالہ کے بعد لکھا ہے:

''ازاں است کہ فقہائے اسلام آنروئے رآب راکہ درتصرف مردان چنہ بود عشری مے گویند''۔

نیز بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسن ؒ کے رسالہ مذکورہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

وما سمعت من احد وماوجدت من کتاب ان محمد ابن قاسم وضع العشر علی ارض السنده ولووضع لنُقل۔

''اور نہ میں نے کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے سندھ کی زمینوں پر عشر لگایا ہو۔ اور اگر وہ عشر لگاتے تو یقیناً ان کا حکم نافذ ہوتا (اور وہ معروف و مشہور ہوتا)

اور مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

الظاهر ان ارض السند و الهند خراجية و خراجها الخمس كما حققه الشيخ المحقق الدهري في رسالته المسماة برفع الفريه و نقل فيها عن جامع الفتاوٰی الناصرئی ان ارضنا عشرية ولكن ضعّف هذاالنقل۔

''ظاہر یہ ہے کہ ہندو سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پانچواں حصہ پیداوار کا ہے جیسا کہ محقق دہری (شیخ ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ ''رفع الفریہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی رسالہ میں جامع الفتاوٰی نے ناصری کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں۔

اسی رسالہ سراج الہند میں مخدوم ہاشم سندھی ٹھٹویؒ کی کتاب ''اتحاف الاکابر'' کے حوالہ سے لکھا ہے۔ لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے۔

و ذكر الحافظ السيوطي في تاريخ الخلفاء ان في سنة ثلاث و تسعين ايام خلافة الوليد بن عندالملك فتحت ديبل ولاشك ان ديبل هو اكبر قصبات السنده و مداردیارها۔

''حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ۹۳ھ میں بعہد خلافت ولید بن عبدالملک سندھ کا شہر دیبل فتح ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دیبل سندھ کے بڑے قصبات میں سے ایک مرکزی شہر ہے۔''

مذکورہ تمام تحقیقات کا مدار اسی اصول پر ہے جو اول ذکر کیا گیا ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری ہے۔ اور چونکہ سندھ کے عام علاقوں کے متعلق اس کتاب کے باب دوم میں آچکا ہے کہ محمد بن قاسمؒ نے جن شہروں کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا ان میں یہی مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور جو شہر صلح سے فتح ہوئے ان میں تو شرائط صلح میں یہ بات داخل تھی کہ مالکان اراضی اپنی اپنی املاک پر بدستور مالک و متصرف رہیں گے ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسی لئے مولانا ہمایوں اور شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم علماء سندھ نے اس علاقہ کی عام زمینوں کو خراجی قرار دیا ہے۔

البتہ شیخ ابوالحسن سندھی نے کچھ ایسے لوگوں کا بھی پتہ دیا ہے جو اول فتح کے وقت مسلمان

ہو گئے۔ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔مؤرخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت برہمن آباد کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ فتح کے وقت مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح جامع الفتاویٰ الناصری کا جو قول موصوف کے رسالہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی اراضی) عشری ہیں۔اس قول کو اگر چہ شیخ ابوالحسنؒ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ عام اراضی کو عشری کہنا قول ضعیف ہے ورنہ بعض اراضی کے عشری ہونے کو وہ خود بھی تسلیم کر رہے ہیں۔

لیکن اس مجموعی تحقیقات کا حاصل یہ ضرور ہے کہ اراضی سندھ عام طور سے ہندو مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رہنے کیوجہ سے خراجی ہیں۔اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آج جو پنجاب اور سندھ کے مسلمان زمینداروں کے مالکانہ قبضہ میں لاکھوں ایکڑ زمینیں زمانہ قدیم سے وراثت میں چلی آتی ہیں کیا ان کو بھی یہ سمجھا جائے گا کہ وہ کسی وقت ہندو مالکان سے منتقل ہو کر ان کے قبضہ میں آئی ہیں اس لئے باوجود مسلمان مالک ہونے کے یہ زمینیں خراجی ہیں۔یا زمانہ قدیم سے مسلمانوں میں بطور وراثت چلے آنے سے یہ سمجھا جائے کہ یہ اراضی اول ہی سے مسلمانوں کی ملک ہیں اور اس لئے عشری ہیں۔احتمال بلاشبہ یہ دونوں ہو سکتے ہیں۔لیکن چند وجوہ سے ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ جن اراضی کے متعلق کوئی ثبوت اس کا موجود نہیں کہ اول ہندوؤں کی ملکیت تھی پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسری صورت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں ان کو بطور استصحاب حال کے اول ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری کہا جائے۔

کیونکہ اول تو اول فتح کے وقت بہت سے لوگوں کا مسلمان ہو جانا معتمد کتاب تاریخ سے ثابت ہے اور شیخ ابوالحسن نے بھی اس کو مردم چنہ (مقام کا نام ہے) کے زیر عنوان تسلیم فرمایا ہے اور اسی کتاب کے باب دوم میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے آخری عہد میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر ڈھیلی ہوئی تو راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر بغاوت کر کے برہمن آباد پر قابض اور خود مختار بادشاہ بن گیا۔اسی طرح سندھ کی بہت سی دوسری ریاستوں کے راجہ بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے۔جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی راجاؤں کے نام خطوط لکھے جن میں ان کو اول اسلام کی دعوت دی گئی تھی پھر اطاعت کی۔راجہ داہر کا بیٹا اس غائبانہ دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا اسی طرح دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے۔اس وقت حضرت عمر بن

عبدالعزیزؒ نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی اراضی پر خراج نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد نئے شہر اور نئی بستیاں باجازت حکومت اسلامی مسلمانوں نے بسائیں ان کی زمینوں کے پہلے مالک احیاء اموات کے اصول مندرجۂ باب اول کی رو سے یہ مسلمان ہی ہوئے اور ان زمینوں کی آبپاشی جس پانی سے کی جاتی ہے وہ پانی بھی سندھ و پنجاب کے بڑے دریاؤں کا پانی ہے جو امام اعظمؒ کے نزدیک عشری پانی ہے۔ (کما عن بدائع والشامیہ)

لہذا یہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔ جیسے ہمارے زمانہ میں حکومت پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ۔ اور اندرون سندھ و پنجاب وغیرہ میں بہت سے علاقے نئے آباد کرائے اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں قیمتاً یا بلا قیمت تقسیم کر دیں تو ان اراضی کے اول مالک بھی مسلمان ہی ہوئے اور ان کی زمینیں بھی عشری ہی ہو سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور احتمال بھی ہے کہ ان اراضی کے پہلے مالک مسلمان ہی ہوں۔ وہ یہ کہ سندھ کا علاقہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتح ہوا ہے جس کو اب تیرہ سو سال ہونے کے قریب ہیں اس طویل مدت میں کتنے انقلابات ان زمینوں پر آئے ہیں۔ کتنی بستیاں بسیں اور اجڑی ہیں ان زمینوں پر کتنے زمانہ تک مختلف مالکوں کا قبضہ اور تصرف رہا اور کتنے زمانہ یہ لاوارث پڑی رہیں ان زمینوں کا حقیقی علم تو اسی ذات کے پاس ہے جو ان سب کا خالق و مالک ہے۔ مگر تاریخ پر نظر رکھنے والوں کے سامنے بھی بہت سے واقعات آجاتے ہیں ان میں یہ بات کوئی بعید از قیاس نہیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت جو زمین ہندو مالکان کے قبضہ میں بدستور رکھی گئی تھیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا کچھ عرصہ کے بعد یہ زمینیں غیر آباد یا لاوارث ہو کر پھر بیت المال کے قبضہ میں آگئی ہوں اور متولی بیت المال نے پھر اپنی صوابدید پر یہ زمینیں کسی مسلمان کو مالکانہ حیثیت سے دیدی ہوں۔ اسی طرح ان زمینوں پر مسلمانوں کی یہ ملکیت اگرچہ اول فتح کے بہت زمانہ بعد ہوئی ہے مگر زمین کے غیر آباد ہو جانے اور لاوارث رہ جانے کے سبب سے اول یہ زمینیں بیت المال میں داخل ہوئیں پھر بیت المال کی طرف سے از سر نو مسلمانوں کو مل گئی تو ابتدائی ملکیت مسلمانوں ہی کی قرار پائیں گی اور عشری قرار دی جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو زمینیں سندھ، پنجاب یا ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ میں مسلمانوں کے اندر نسلاً بعد نسل متوارث چلی آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم مالک سے ان کے خریدنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے تو بطور استصحاب حال کے ان زمینوں کا پہلا مالک مسلمانوں ہی کو سمجھا جائیگا۔ اگرچہ اس علاقہ کی عام زمینوں پر غیر مسلم مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھنا اول فتح میں معروف ومشہور ہو۔ کیونکہ ایسے علاقوں میں بھی مسلمانوں کا پہلا مالک زمین بن جانا ان چند صورتوں کے ذریعہ ممکن ہے جو ابھی بیان کی گئی ہیں محض اس بنا پر کہ اس خطہ کی عام زمینیں ہندو مالکان کی ملکیت ہیں۔ کسی مسلمان کی مملوکہ زمین کو ملکیت کو مشتبہ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت شاہ جلال تھانیسریؒ کا رسالہ احکام الاراضی جس کا ذکر اس کتاب کے باب اول میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور اس کے مضامین کی پوری تلخیص بھی اس کتاب میں لے لی گئی ہے۔ اس رسالہ کا اصل موضوع ہی یہ ہے کہ جس خطہ میں جو زمینیں مسلمان زمینداروں کے مالکانہ قبضہ میں نسلاً بعد نسل چلی آئی ہیں ان کی ملکیت کو صرف اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس علاقہ کی ابتداء فتح کے وقت غیر مسلم مالکان اراضی کا قبضہ مالکانہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ پھر مسلمان اس کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے۔ وجہ اس کی تفصیل کے ساتھ ابھی گذر چکی ہے کہ اس میں منجملہ بہت سے احتمالات کے ایک یہ احتمال بھی ہے کہ کسی خطہ کی زمینیں غیر آباد اور لاوارث رہ گئیں اس لئے وہ ملک بیت المال میں داخل ہو گئی پھر بیت المال کی طرف سے عطاء جاگیر کے طور پر قیمتاً فروخت کے ذریعہ اس کا پہلا مالک کوئی مسلمان بنا ہو۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تحقیق دربارہ اراضی ہندوسندھ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ معروف امداد الفتاویٰ میں اراضی ہندوسندھ مقبوضہ انگریز گورنمنٹ کے متعلق دو سوال وجواب درج ہیں ان کو یہاں بعینہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال:۸۹...... عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جائے۔

الجواب:...... حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً و شراءً وھلم جرًا۔ وہ زمینیں عشری ہیں اور درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل استصحاب حال بس وہ

بھی عشری ہوگی وقد رالعشر معروف فقط ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ (از تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۵)

سوال: ۹۰...... ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ (یعنی انگریزی حکومت میں) خراجی ہے یا عشری۔ جب گورنمنٹ برطانیہ نے غدر کے بعد سلطنت کی باگ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت یہ اعلان کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے اگر صاحب اراضی دعویٰ کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جائے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بالعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگذاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی اور بعض کو معاف کردی۔

الجواب:...... ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک قبضہ مالکانہ۔ اگر یہ ہوا ہے وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملکانہ وحکمانہ ومنتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔ (از تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۱۰)

یہ دونوں فتاویٰ امداد الفتاویٰ مبوب جلد دوم باب العشر والخراج ص ۵۲، ۵۳ پر منقول ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ سابق مفتی دارالعلوم کے فتاویٰ بھی اسی مضمون کے شاہد اور مؤید ہیں عزیز الفتاویٰ کے چند فتاویٰ حسب ذیل ہیں۔

سوال: ۶۰۲/ ۴۳۸...... ہندوستان کی زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:...... ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے بس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالا جائے۔

سوال: ۵۹۵/۹۹۰...... ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی اور جو عشری ہیں ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب...... ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے۔

یہ دونوں سوال و جواب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مبوب جلد سوم، چہارم طبع امداد یہ دیوبند کے ص ۶۱ پر مرقوم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ کے زمانہ میں مشترکہ ہندوستان کی زمینوں کے جو احکام عشری یا خراجی ہونے کے متعلق مذکور الصدر تحقیق اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ سے ثابت ہوئے ہیں۔ بناء پاکستان کے بعد پاکستان کی بعض اراضی میں وہ احکام بدلے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مسلمانوں میں تقسیم کیں وہ سب عشری ہوگئیں خواہ وہ پہلے سے خراجی ہوں۔

اسی طرح وہ زمینیں جن کو حکومت پاکستان نے آباد کر کے مسلمانوں میں تقسیم کیا وہ بھی عشری ہوگئیں اگرچہ اس سے پہلے نہ وہ عشری تھیں نہ خراجی۔ ان دو قسموں کے علاوہ باقی اقسام اراضی کے وہی احکام باقی رہے جو عہد برطانیہ میں اور اس سے پہلے اسلامی حکومت کے زمانہ میں چلے آتے تھے۔ جن کی تفصیل حکیم الامت قدس سرہ اور فتاویٰ دارالعلوم کے حوالہ سے بیان ہوچکی ہے یہ تفصیل پاکستانی اراضی کے متعلق تھی۔ موجودہ ہندوستانی اراضی کے احکام حسب ذیل ہیں۔

ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق

تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

ہند میں مسلمانوں کی متروکہ اراضی

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے تو ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکانِ وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دیدی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں اس سے پہلے اسلامی عہد میں تھے۔ جس کی تفصیل اوپر معلوم ہوچکی ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی

ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملک میں آ گئی تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر ایک اشتباہ اور اس کا جواب

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کالعدم ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا۔ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کا مستقل رسالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا اس میں بھی وہ حصہ جو ہندو اکثریت کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد سے کچھ مختلف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے موجودہ ہندوستان کا دارالحرب ہونا واضح ہے۔

اس پر زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامیؒ نے درمختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط فی ارض خراجیہ او عشریۃ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے۔

ویحتمل ان یکون احتراز اعما وجد فی دارالحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر۔ (شامی باب الرکاز ص۵۹ ج۲)

''یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ وعشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لئے ہو جو دارالحرب میں ہو۔ کیونکہ دارالحرب کی زمین خراجی ہے نہ عشری۔''

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی نے امام محمدؒ کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة۔ (شرح س ص۳۰۳ ج۴)

''کیونکہ عشر وخراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر عائد ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب وکفار کی ہیں

اور اہل حرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔

حضرات فقہاء کے مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ جب انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا گیا تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک میں ہوں خواہ مسلمانوں کی ملک میں، نہ عشری رہی نہ خراجی۔

پھر اس کے نتیجہ میں بعض علماء نے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر وخراج سے سبکدوش قرار دے دیا۔ اور بعض اہل علم نے قرآن سنت کی نصوص کے عموم واطلاق سے یہ ثابت کیا کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو اور کسی کافر کی ملکیت سے منتقل ہو کر مسلمان کے پاس آئی ہے یا اول ہی سے مسلمان کی ملک ہو۔ کیونکہ آیات قرآنی واٰتوا حقہ یوم حصادہٖ عام ہے اسی طرح آیات کریمہ: یٰایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ۔ بھی تمام اراضی کے لئے عام ہے اس عموم کا اقتضا یہ تھا کہ جن زمینوں پر خراج عائد ہو چکا ہے جب وہ مسلمان کی ملکیت میں آجائے تو اس پر خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہو، مگر رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

لا یجتمع علیٰ مسلم خراج وعشر۔

''یعنی مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے'' (رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر ج ۴)

اس حدیث کی وجہ سے خراجی زمین جب مسلمان کی ملک میں آجائے تو اس پر عشر لازم نہیں کیا جاتا۔ یہ سب مضمون مع حدیث مذکور کے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خراجی زمین جو مسلمان کی ملکیت میں آجائے تو اس پر بھی قاعدہ سے عشر لازم ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ اس پر ایک وظیفہ خراج کا پہلے سے عائد ہو چکا ہے اس لئے دوسرا وظیفہ عشر کا عائد نہیں کیا جا سکتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمین پر خراج نہ ہوتا تو عشر ضرور لازم ہوتا۔

اب مذکور الصدر حکم دارالحرب کو دیکھا جائے کہ اس کی اراضی نہ عشری ہے نہ خراجی اس قانون کی رو سے خراج کا حکم اراضی ہندوستان سے ساقط ہو گیا۔ اس لئے اصل وظیفہ جو عشر تھا عود کر آیا۔ اور جتنی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت ہیں خواہ وہ پہلے عشری تھیں یا خراجی لیکن دارالحرب ہونے کے بعد ان میں سے جو بھی مسلمانوں کی ملک ہیں وہ سب عشری سمجھی جائیں گی اور سب پر عشر لازم ہوگا۔

یہ وہ تحقیق ہے جو بعض علماء اہل عصر نے لکھی ہے لیکن اول تو اس تحقیق میں یہ خامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دارالحرب سے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انہی عبارتوں

میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دارالحرب کے عشری اور خراجی دونوں کے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے۔ اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی بلکہ کفار اہل حرب کی ملکیت ہوں گی ❶ جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخالف نہیں اس لئے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر مکرر کی نظر کی جائے۔

لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب۔

کیونکہ عشر وخراج مسلمانوں کی زمین پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔"

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت واقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیونکہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطۂ ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہا ہے۔ یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں۔

غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی

---

❶ ...... یہاں شبہ نہ کیا جائے کہ وجوب عشر کے لئے ملکیت زمین شرط نہیں اسی لئے اراضی وقف پر بھی عشر عائد ہوتا ہے۔ اور مستاجر اور مستعیر پر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ ان سب اراضی پر تصرف مسلمانوں کا ہے بخلاف اراضی دارالحرب کے کہ وہاں مسلمانوں کا تصرف ہی نہیں۔ ۱۲

دارالحرب سے مختلف ہوگا جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں۔

اس لئے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر وخراج کے عائد ہوں گے۔ شرح سیر کی عبارت خود اس کے لئے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ جس کو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

حکم اراضی سرکاری در باب وجوب عشر

سوال: ۹۴...... علاقہ پنجاب میں سرکار نے کچھ اراضی نہر کے پانی پر آباد کی ہے۔ اس اراضی کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ ایک جنگل بیابان تھا سوائے گھاس کے کچھ پیداوار نہ ہوتی تھی کچھ لوگ اپنے مویشی اس جنگل میں چرایا کرتے تھے اور سرکار کو کچھ نقد اس کے معاوضہ میں دیدیا کرتے تھے۔ جب سرکار کا ارادہ نہر کا پانی لاکر اس اراضی کو آباد کرنے کا ہوا تو وہاں کے باشندوں کو کہا کہ تم اس اراضی کو آباد کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے کھیتوں کا کام نہیں ہوسکتا۔ تو سرکار نے باہر سے لوگوں کو بلا کر اس اراضی کو آباد کرایا۔ اس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے لوگ آباد ہیں۔ بندۂ خاکسار کا بھی کچھ تعلق وہاں پر ہے۔ سرکار نے وہ اراضی فی الحال لوگوں کو موروثی کردی ہے اور کچھ لگان نقد مقرر شدہ ششماہی یا سالانہ کاشتکاروں سے لیتی ہے اور مالک خود سرکار بنی ہوئی ہے جب سے وہ اراضی آباد ہوئی ہے سب کاشتکار وہاں کے اس کی آمدنی سے عشر برابر ادا کرتے رہے جیسے اور ملکوں میں پنجاب ہندوستان میں عشر نکالا جاتا ہے اور اس عشر کو لوگ واجب سمجھتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ اراضی سلطانی ہے۔ اس میں نہ عشر واجب ہے اور نہ خراج۔ نقل فتویٰ حسب ذیل مکتوب ہے۔

اراضي المملكة والحوز لاعشرية ولا خراجية لاشئ على زراع الارض السلطانية من عشر او خراج سوى الاجرة (درمختار) قلت وهذاالنوع الثالث يعني عشرية ولاخراجية من الاراضي تسمى ارض المملكة واراضي الحوز وهو مامات اربابه

بلاوارث وال لبيت المال اوفتح عنوة وابقى للمسلمين الٰى يوم القيٰمة وحكمه على مافى التاتار خانية انه يجوز للامام دفعه الى الزراع باحدالطريقين امابا قامتهم مقام الملك فى الزراعة واعطاء الخراج وامابا جارتها لهم بقدرالخراج فيكون الماخوذ فى حق الامام خراجاثم ان كان دارهم فهو خراج مؤظف وان كان بعض الخارج فخراج المقاسمة وامافى حق الاكرة فاجرة لاغير لاعشرلاخراج فلما دل دليل علٰى عدم لزوم المؤنتين العشروالخراج فى الاراضى المملكة والحوذ كان الماخوذمنها اجرة لاغير الخ مافى الدرالمنتقى ملخصاً قلت هذاالاشئ علٰى زراعها من عشر او خراج۔ (شامی جلد ثالث ص ۲۹۵)

از مسائل مسطورہ بالا مستفاد گردید کہ زمینہائے سلطانیہ یعنی مالکان سوائے سلطان ندارند نہ عشری نہ خراجی فقط آہ۔

فتاویٰ مذکورہ بالا ایک اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ انہوں نے حسب ذیل جواب لکھا۔

نقل جواب:...... ایک روایت شامی باب الرکاز میں یہ دیکھی گئی (واحترزبه عن داره وارضه وارض الحرب الٰى ان قال فان ارضها دارالحرب ليست ارض خراج او عشر...... الخ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان وغیرہ کی اراضی دارالحرب میں عشر اور خراج کچھ نہیں ہے۔

ملک سندھ میں ایک مولوی صاحب ہیں انہوں نے حکم لکھا ہے کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے مثل اراضی پنجاب و ہندوستان کے اور فتویٰ مذکورہ بالا کی عبارت کو اراضی شام و مصر کے ساتھ مختص کرتے ہیں۔ یعنی شامی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اراضی مصر و شام کی بحث ہے عام نہیں اور شامی کی بعض عبارات سے وجوب عشر ثابت کرتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے اس فتویٰ کو نقل نہیں کیا گیا۔ فقط حضور والا کی خدمت عالیہ میں ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ اراضی مذکورہ بالا میں

عشر واجب ہے یا نہیں۔ علاوہ اس اراضی کے ہندوستان و پنجاب کی زمین کا کیا حکم ہے؟ عشری ہے یا خراجی۔ پہلے فتویٰ کی عبارت کا اور شامی باب الرکاز کی روایات کا کیا مطلب ہے؟ بحوالہ کتب معتبرہ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔

الجواب ①:......اراضی سلطانیہ کا وہ حکم اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عامہ مسلمین کی ہیں۔

کمافی ردالمحتار، وھذانوع ثالث یعنی لاعشریة ولاخراجیة من الاراضی تسمی ارض المملکة واراضی الحوذ وھومن مات اربابه بلاوارث وال البیت المال اوفتح عنوة وابقی للمسلمین الی یوم القیٰمة(ص۳۹۵ج۳)

اور اراضی مذکورہ فی السوال ایسی نہیں پس اس حکم پر حکم مذکور کی بناء ہی جائز نہیں پھر خود اراضیٔ مذکورہ کے اس حکم میں بھی کلام ہے۔

کما قال فی ردالمحتار وبان الملك غیر شرط فیه بل الشرط ملك الخارج الی قوله فکان ملك الارض وعدمه سواءٌ کمافی البدائع ثم الی قولہٖ فالقول بعدم الوجوب فی خصوص ھذہ الارض یحتاج الی دلیل خاصٍ ونقل صریح... الخ(ص۳۹۴ج۳)

خصوص صاحبین کے قول پر کہ عشر مالکِ پیداوار پر ہے مالک زمین پر نہیں۔ کمافی ردالمحتار قلت فعلی ھذاالاشیٔ علیٰ زراعھا من عشراو خراج الاعلی قولھمابان العشرعلی المستاجر کمامرفی بابه (ص۳۹۵ج۳) اور باب مذکور میں ہے، وفی الحاوی القدسی وبقولھما ناخذ۔ (ج۲ص۸۸) اور بعض جزئیات سے جوشبہ سقوط عندھما کا ہوتا ہے تو اس کی بناء یہ ہے کہ انہوں نے اجرت کو خراج کہا ہے مگر خراج کو واجب نہیں کہا۔ کمافی ردالمحتار واما علی قولھما فالظاھرانه کذلك لما علمت من ان المأخوذ لیس اجرة من کل وجه لانه خراج فی حق الامام(ص۸۹ج۲)

پس ثابت ہوگیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آئے اس پر خراج ہے اور جس پر عشری کی تعریف صادق آئے اس پر عشر ہے۔

البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو۔ مگر یہ موقوف ہے دارالحرب ہونے پر۔ اور اس میں گنجائش کلام ہے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۰۶)

① ......بندہ نے اس پر بہت غور کیا مگر فہم ناقص میں یہی آیا کہ یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی، واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

از امداد الفتاویٰ مبوب ص۵۴ تا ۵۷ جلد دوم)

اس فتویٰ میں دار الحرب کے متعلق گنجائش کلام جو ذکر کی گئی مراد اس کی بناء یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دار الحرب نہیں تھا کچھ زمانے کے بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دار الحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضروری عائد ہوں گے۔ اگر چہ اپنی بداعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو۔ اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کی زمینوں کی وہی ہے جو امداد الفتاویٰ وغیرہ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آئے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن زمینوں پر کسی کافر کی کسی زمانہ میں ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اس رسالہ اراضی کے اصل موضوع سے متعلق تو صرف اتنی ہی بحث وتحقیق تھی کہ کونسی زمین عشری ہے کونسی خراجی۔ عشر وخراج کے مفصل احکام اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر مسلمان ان مسائل سے واقف نہیں، اور ان کا بیان بھی عام اردو کتابوں میں موجود نہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ عشر وخراج کے ضروری احکام لکھ دیئے جائیں۔ اور چونکہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہی ہے اس لئے عشر کے احکام پہلے لکھے جائیں اس کے بعد خراج کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عشر کے احکام ومسائل

عشر زمین کی زکوٰۃ ہے۔ جیسے سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جس طرح سونے چاندی اور مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اور مویشی کا جداگانہ قانون ہے اسی طرح زکوٰۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے۔ بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ مگر ان دونوں کو عرف فقہاء میں بغرض سہولت عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

زکوٰۃ الارض میں ایک قسم خمس یعنی پانچواں حصہ بھی ہے جو قدرتی معادن اور کانوں کی پیداوار سے متعلق ہے یا کوئی قدیم خزانہ جاہلیت کا برآمد ہو تو اس کا بھی خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ زکوٰۃ الارض سے تمام قسموں اور ان کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں، صرف عشر و خراج کے احکام وہ بھی ضمناً لکھے جاتے ہیں۔

وجوب عشر کی شرائط

پہلی شرط: مسلمان ہونا ہے۔ کیونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی کافر خرید لے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں۔ اس لئے بمجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ وظیفہ اس زمین کا عشر ہی رہے گا (بدائع)

دوسری شرط: زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمین پر دو وظیفے عشر اور خراج کے جمع نہیں ہو سکتے۔ (بدائع وغیرہ)

تیسری شرط: زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے کہ زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبر گیری اور حفاظت نہیں کی۔ بہرصورت عشر ساقط ہو جائے گا۔

چوتھی شرط: یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ خودرو گھاس یا بیکار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں ہو جائیں تو ان میں عشر نہیں۔ گھانس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں۔ (بدائع)

عقل اور بلوغ شرط نہیں

عام احکام شرعیہ میں عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں۔ زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ بخلاف زکوٰۃ کے وہ بچہ اور مجنون کے مال پر واجب نہیں ہوتی۔ (بدائع)

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کے لئے شرط نہیں۔ اس لئے اراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں، کسی سے بطور رعایت کے لے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔

مسئلہ:......اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو نقد روپیہ کے عوض کرایہ یا مقاطعہ پر دے دیا تو اس کی پیداوار کا عشر بقول مفتی بہ مالک زمین کے ذمہ نہیں بلکہ مقاطعہ دار کے ذمہ ہے جو زمین میں کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

سوال:۸۸......زید کی زمین کا عمرو ❶ من غلہ فی بیگہ ہر سال دے کر زراعت کرتا ہے باقی غلہ آپ لے لیتا ہے اور زید اس غلہ سے فی بیگہ سرکار کو دیتا ہے تو زید اس غلہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔

الجواب:فی الدر المختار والعشر علی المؤجر کخراج مؤظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الطحاوی وبقولهما نأخذ قلت ولکن افتی بقول الامام جماعة من المتأخرین الی ان قال لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القریٰ والمزارع یرضی المستاجر بتحمل عزامات ومؤنها یستأجرها بدون اجر المثل بحیث لاتفی الاجرة ولااضعافها بالعشر او خراج المقاسمه فلاینبغی العدول عن الافتاء بقولهمافی ذلك لانهم فی زماننا یقدرون اجر المثل بناء علی ان الاجرة سالمة بجهة الوقف ولاشئ علیه من عشر وغیره امالوا اعتبر دفع العشرمن جهة الوقف وان المستاجر لیس علیه من عشر وغیره امالواعتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستاجر لیس علیه سوی الاجرة فان اجرة المثل تزید اضعافاً کثیرة کما لایخفی فان امکن اخذها الاجرة کاملة یفتی بقول الامام والابقولهمالمایلزم علیه من الضرر الواضح الذی لایقول به احد۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مؤجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر مؤجر کے ذمہ ہے اور اگر مؤجر اجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے چونکہ ہمارے دیار میں اجرت کم لی جاتی ہے اسی لئے میں وجوب عشر علی المستاجر پر فتویٰ دیا

❶ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ شامی اس مسئلہ کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے جو بعینہ نقل کی جاتی ہے۔

کرتا ہوں۔ ہاں اگر کسی جگہ پوری اجرت لی جائے جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کر سکتا ہو تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لئے حکم میں تعیین نہیں کی جا سکتی واللہ اعلم (امداد ص۱۶ ج۱)

مسئلہ :...... اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی جائے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں میں نصفا نصف ہو یا ایک تہائی ہو۔ اور دو تہائی ہو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ (بدائع)

مسئلہ :...... اگر کسی شخص نے کوئی زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور اس زمین میں کاشت کر رہا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا زکوٰۃ تجارت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ زمین کی اصل زکوٰۃ عشر ہے نیت تجارت کی وجہ سے اس پر دوسری زکوٰۃ لازم نہیں آئے گی جیسے مویشی اگر تجارت کی نیت سے پالے ہوں تب بھی ان کی زکوٰۃ وہی رہے گی۔ جو مویشی کے لئے مقرر ہے، تجارتی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع ص۵۶ ج۲)

عشر کے لئے کوئی نصاب نہیں

عشر کا ضابطہ شرعی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے اس کے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے۔ وجہ اس کی قرآن وحدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔ مما اخرجنا لکم من الارض ، اتوا حقه یوم حصاده (بدائع وغیرہ)

مقدار واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے مقدار واجب میں یہ تفصیل فرمائی ہے۔

ماسقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب او دالية ففيه نصف العشر۔

”جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا

بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(ف) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصطلاح میں عام طور پر جس کو لفظ عشر سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے ضمن میں نصف عشر بھی داخل ہے۔

مسئلہ:......اگر کسی زمین کی آبپاشی کچھ بارش سے کچھ کنویں وغیرہ سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے گا کہ زیادہ آب پاشی بارانی ہے تو عشر واجب ہوگا اور اگر کنویں یا نہر، تالاب وغیرہ سے سیراب کرنا زیادہ ہے تو نصف عشر واجب ❶ ہوگا۔

مسئلہ:......جس زمین کی آبپاشی بارش اور کنویں یا نہر وغیرہ دونوں طریقوں سے برابر برابر ہو تو اس میں آدھی پیداوار کا عشر واجب ہوگا، آدھی کا نصف عشر ❷

مسئلہ:......عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں نکالا جائے، بونے کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں۔

عشر کے مصارف

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ اور جس طرح ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر دے کر قبضہ کرا دیا جائے۔ اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ❸ ہے۔

سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ادا نہیں ہوگا

جبکہ اوپر معلوم ہو گیا کہ عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے ❹۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی حکومت خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی

---

❶......ولو سقی الزرع فی بعض السنة سیحا وفی بعضها بالة یعتبر فی ذلک الغالب. (بدائع ص ۶۲ ج ۲)

❷......کما فی الدر المختار ولو استو یا فنصفه وقیل ثلثة ارباعه وقال سیدی فی امداد الفتاویٰ واختلف الترجیح والاحتیاط فی الثانی. (امداد مبوب ص ۵۳ ج ۲)

❸......ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق من الغلة من سقی او عمارة او اجرا لحافظ او اجر العمال اونفقة البقر لقوله علیه السلام ماسقته السماء ففیه العشر الخ۔(بدائع)

❹......قال فی البدائع امار کنه فهو التملیک لقوله تعالیٰ واتوا حقه یوم حصاده والایتاء هو التملیک لقوله تعالیٰ واتوا الزکوٰة فلا تتادی بطعام الایاحه وبما لیس بتملیک وآسامن ماء المساجد ونحو ذلک. (بدائع ص ۶۵ ج ۲)

ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر خرچ کریں۔ اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت اگر یہ ٹیکس وصول کرتی ہے تو معاملہ واضح ہے کہ نہ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے اس لئے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔

البتہ اگر حکومت اسلامی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حکومت مسلم لوگوں سے زکوٰۃ کے اصول کے مطابق زکوٰۃ کہہ کر وصول کرے اور انہی کے مصارف پر خرچ کرنے کا وعدہ کرے۔ اسی طرح زمینوں کا عشر وخراج اسی نام سے اسی کے اصول شرعیہ کے موافق وصول کرے اور انہی کے مصارف پر خرچ کرنے کی پابندی کا اعلان کرے تو یہ زکوٰۃ یا عشر جو حکومت مسلمہ کو دیا جائے وہ شرعاً زکوٰۃ اور عشر میں ہی شمار ہوگا اور لوگ زکوٰۃ وعشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے پھر اگر یہ حکومت اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں کوتاہی بھی کرے تو اس کی ذمہ داری عمال حکومت پر رہے گی، ارباب اموال زکوٰۃ وعشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

لیکن حکومت پاکستان اس وقت تک مسلمانوں سے جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے نہ وہ زکوٰۃ کے اصول پر وصول کیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے نام سے لیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے کی حکومت پابندی قبول کرتی ہے۔ اسی طرح زمینوں کی جو سرکاری مالگذاری وصول کرتی ہے حکومت اس کو بھی عشر اور خراج کے شرعی اصول کے ماتحت وصول نہیں کرتی۔ نہ عشر وخراج کہہ کر وصول کرتی ہے نہ ان کے مصارف میں صرف کرنے کی پابندی کا کوئی اعلان حکومت کی طرف سے ہے اس لئے حکومت مسلمہ کے انکم ٹیکس یا زمین کی سرکاری مالگذاری ادا کر دینے پر بھی زکوٰۃ اور عشر کے فرائض سے سبکدوش نہیں ہوتی وہ بحالہا بلکہ ارباب اموال پر لازم ہے کہ اپنی زکوٰۃ اور عشر نکالیں اور ان کے مصارف پر بطور خود صرف کریں۔ البتہ خراج چونکہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے اس لئے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ حکومت اس کا کوئی اعلان نہیں کرتی مگر مصارف خراجی پر بہت زیادہ رقوم خرچ کرتی ہے۔ مصارف فوج میں فوج کی تنخواہین اور فوجی مصارف سب داخل ہیں۔ اسلئے خراجی زمینوں کے مسلمان مالک پاکستان میں جو رقم سرکاری مالگذاری میں ادا کرتے ہیں اس میں نیت خراج کر لیں تو خراج ادا ہو جائے گا۔ مگر عشری زمینوں کا عشر ادا اس طرح نہیں ہوگا۔

سیدی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں بھی فتویٰ دیا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

سوال:۹۲...... زمین عشری کی مالگذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحقیق تھی، عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علیحدہ دے۔ مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کونسا ہے۔

الجواب...... ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں (حوادث الفتاویٰ ص۱۹ ج۱/۲ سیدی واستاذی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ جو کہ فتاویٰ دارالعلوم حصہ عزیز الفتاویٰ مبوب طبع دیو بند ص ۱۸ پر طبع ہوا ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے۔ یہ فتویٰ بھی بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

سوال:۶۰۳/ ۶۶۹...... مولانا عبدالحیؒ صاحب در مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۳۱۸ نوشتہ اند کہ ہر کہ در زمین مملوکہ خود بآب باراں کاشت کرد عشر غلہ بر و واجب الاداست مگر در صورتے کہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود۔ دراں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت رد المحتار وغیرہا۔ لایجتمع العشر مع الخراج انتہی ایں مسئلہ چگونہ است وقولہ لایجتمع العشر مع الخراج چہ معنی دارد

الجواب۔ معنی قولہ لایجتمع العشر مع الخراج، انہٗ لایؤخذ من الارض الخراجیۃ العشر ولامن العشریۃ الخراج ولکن ان اخذمن العشریۃ الخراج فھل یسقط العشرفھو محل تامل۔ پس ظاہر آں است مولانا عبدالحی صاحب مرحوم حکم زمین خراجی نوشتہ اند کہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتند ادائے عشر لازم نخواہد شد لیکن اگر از زمین عشری خراج گرفتہ شد ظاہر آنست کہ دیانۃً بذمہ مالک ادائے عشر لازم است واللہ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

سوال:۶۰۱/ ۴۳۳...... انگریز از مایاں خراج می گیرایا دریں صورت عشر ساقط شود یا نے

الجواب:...... احتیاط ایں است کہ عشر دادہ شود

علامہ ہمایونی سندھی نے اپنے رسالہ ''سراج الہند فی خراج السندھ'' میں تحریر فرمایا ہے، پس بدانکہ بہر کسیکہ خراج لازم آید واور الازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہستند صرف نماید تا عند اللہ از عہدہ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نگردد واما آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در

ادائے خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسو مصارف للخراج حتی اذا ادی المسلمون الیهم مالابنیة الخراج لایخرجون عن عهدته لانهم لیسوا مقاتلین لاهل الحراب ولا رافعین اعداء الاسلام عنهم وعن دارهم انتهٰی۔

علامہ ہمایونی نے جو حکم لکھا ہے وہ خراج کا ہے اس سے عشر کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

خراج کے احکام ومسائل

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔

خراج کی دو قسم

خراج مقاسمہ، خراج مؤظف ہیں۔ خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ یا ثلث مقرر کر دیا جائے۔ اور خراج مؤظف کے یہ معنی ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جن خراجی زمینوں پر جس طرح کا خراج لگا دیا جائے پھر اس کو بدلنا جائز نہیں۔ مثلاً خراج مقاسمہ کو مؤظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔ ❶ (شامی)

مقدار خراج مؤظف

جب عراق فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو اس کی زمین کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کا نگران مقرر فرمایا پوری مفتوحہ زمین عراق کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ ❷ (ہدایہ باب العشر و الخراج من السیر وکتاب الاموال ابوعبید ص۶۹)

---

❶ ..... وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف الی خراج المقاسمه اقول وکذلک عکسه. (رد المحتار ج۳)

❷ ..... هذا هو المنقول عن عمر رضی اللہ عنہ فانه بعث عثمان بن حنیف حتی یمسح سواد العراق وجعل حذیفة مشرفاً علیه فمسح فبلغ ستا وثلاثین الف الف جریب ووضع علی ذلک ماقلنا. هدایه کتاب السیر باب العشر والخراج ومثله فی کتاب الاموال.

جریب ساٹھ مربع گز کو کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک کے مروجہ بیگہ کے قریب ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں، خراج موٴظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس زمین میں بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم (ہدایہ ص ۵۹۲ ج ۱) ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے دس درہم پینتیس ماشے کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولے چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے اعتبار سے تقریباً چھ روپے بنتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکور الصدر چیزوں کا خراج متعین فرمادیا۔

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظمؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاءؒ نے فرمایا کہ زمین کے پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کردی جائے۔
(ہدایہ باب العشر و الخراج کتاب السیر)

مسئلہ :...... ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے خراج مقاسمہ کا بھی ایک اندازہ قائم ہو جاتا ہے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

مسئلہ :...... اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہنچ جائے جس سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ :...... البتہ زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت و کوتاہی سے کاشت نہ کی تو خراج موٴظف وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا۔ مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ نہیں تو خراج بھی نہیں۔
(ہدایہ، فتح القدیر ص ۳۶۴ ج ۴)

مسئلہ :...... زمین پر خراج لگ جانے کے بعد اگر مالک زمین مسلمان ہو جائے تو پھر وظیفہ زمین تبدیل نہ ہوگا خراج ہی رہے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ :......مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک ہوجانے کے بعد بھی وظیفہ زمین کا نہ بدلے گا بدستور خراج ہی رہے گا بہت سے صحابہؓ کرام ﷺ سے ثابت ہے کہ انہوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور اُن کا خراج ادا کرتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا مسلمان کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔
(ہدایہ مع فتح ص ۳۶۵ ج ۴)

مسئلہ:......اگر زمین سے سال بھر میں دو یا زیادہ مرتبہ فصل پیدا کی جائے تو بھی خراج مؤظف ایک ہی رہے گا اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے گی کیونکہ خراج مؤظف کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ زمین سے ہے بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ عشری زمین سے غلہ اُگایا جائے گا اتنی ہی مرتبہ عشر ادا کرنا واجب ہوگا کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۶۷ ج ۴)

مسئلہ :......اگر خراجی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دے دی تو اگر یہ اجارہ بٹائی کی بنیاد پر ہے کہ مالک زمین اور مستاجر کے درمیان پیداوار کے حصے مقرر ہو کر تقسیم ہو تو خراج مقاسمہ بھی دونوں شخصوں پر اپنے اپنے حصے کے مطابق واجب ہوگا اور اگر اجارہ کچھ نقد روپیہ پر کیا گیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق خراج مؤظف مستاجر کے ذمہ ہوگا جیسا کہ عشر کے باب میں گذرا ہے۔ (کذا فی الشامیہ وغیرہ)

خراج کے مصارف

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف عام مصالح ملک و اہل اسلام ہیں سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمالِ حکومت اور علماء وطلباء، مفتیوں اور قاضیوں کا گذارہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے گا سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچ بھی اس مد سے کیا جائے گا۔

کفار سے جو جزیہ وصول کیا جائے گا اور ان سے مال تجارت پر جو ٹیکس وغیرہ وصول کیا جائے وہ سب بھی اسی مد میں داخل ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:۔

وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزية يصرف فی مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر الاالجسور ويعطی قضاه

المسلمین و عمالهم و علماء هم منه مایکفیهم و یدفع منه ارزاق المقاتلة و زرایهم اه قال فی الفتح یعطی ایضاً للغلمین و المتعلمین و بهذاتدخل طلبة العلم۔ (فتح ص ۲۸۴ ج ۴)

"اور امیر المسلمین جو رقم خراج اراضی ... بنی تغلب کے عشر مضاعف سے حاصل کرے یا اس کو اہل حرب کی طرف سے کوئی ہدیہ ملے، اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو وہ سب مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر، عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں اور اسی سے قاضیوں کو اور عمال حکومت اور علماء کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گذارہ دیا جائیگا۔ (ہدایہ) فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین اور طلباء علم دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔"

مسئلہ :...... اگر کسی بادشاہ یا اس کے نائب نے کسی شخص کے لئے کسی زمین کا خراج معاف کر دیا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً دینی خدمات یعنی تعلیم، فتویٰ، تبلیغ، قضاء یا جہاد وغیرہ میں مشغول ہے یا طالب علم ہے تو اس کے لئے یہ معاف کیا ہوا خراج حلال ہے اور جو ایسا نہیں تو اس کے لئے حلال نہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ لازم ہوگا کہ مقدار خراج کو صدقہ کرے۔

مسئلہ :...... اگر کوئی سلطان [۵۱] یا اس کا نائب کسی عشری زمین کا عشر کسی شخص کو معاف کر دے تو شرعاً اس کے لئے یہ معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالک زمین کے یہ عشر اپنے خرچ میں لانا حلال ہے بلکہ اس کے لئے یہ لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکالے اور فقراء مساکین پر صدقہ کرے۔

ادائے خراج کی صورت پاکستان و ہندوستان

احکام عشر کے تحت میں معلوم ہو چکا ہے کہ عشر کے معاملہ میں پاکستان و ہندوستان دونوں ملکوں میں کوئی فرق نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی عشری زمینوں کا عشر خود نکالنا اور زکوۃ کے مصارف میں خرچ واجب ہے۔ سرکاری ٹیکس جو دونوں حکومتیں لیتی ہیں اس سے عشر ادا نہیں ہوتا۔

مگر خراج کے مقابلے میں ان دونوں ملکوں میں یہ فرق ہے کہ پاکستان میں خراجی زمینوں کا

---

[۵۱] ...... فی الدر المختار من باب العشر و الخراج کتاب السیر (ترک السلطان) او نائبه، (الخراج لرب الارض) او وهبهٔ لهٔ ولو بشفاعة (جاز) عند الشافعی و حل لهٔ لو مصر فا و الاتصدق به به یفتی و مافی الحاوی ترجیح حله لغیر المصرف خلاف المشهور (ولو ترک العشر لا) یجوز اجماعا و یخرجه بنفسه للفقراء السراج. (از شامی ص ۳۶۶ ج ۳ کتاب السیر)

ٹیکس دینے والے اگر خراج کی نیت سے دیدیں تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ حکومت پاکستان اگر چہ اس ٹیکس کو بحیثیت شرعی خراج کے وصول نہیں کرتی اور نہ اس کا نام خراج رکھتی ہے مگر بہت بھاری رقم سرحدوں کی حفاظت اور فوجی ضروریات پر خرچ کرتی ہے جو شرعاً مصرف خراج ہے۔ اس لئے اگر خراجی زمینوں کا ٹیکس حکومت پاکستان کو ادا کرنے کے وقت دینے والے خراج کی نیت سے دیدیں تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا۔ ❶

لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمات کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے۔ اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کر دیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین و طلباء، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقم خرچ کی جائے۔

علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ ''سراج الهند فی خراج السنده'' میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت ❷ سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر اس کو ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں مثلاً علماء، طلباء وغیرہ۔

خراج مقاسمہ ادا کیا جائے یا خراج مؤظف

ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے۔ مقاسمہ یا مؤظف۔

---

❶..... کمافی الهداية اذا اخذ الخوارج الخراج وصدقة السوائم لايثنى عليهم لان الامام لم يحمهم والجباية بالحمايه وافتوا بان يعيدوا هادون الخراج لانهم مقاتلة. والذكوة مصرفها الفقراء ولا يصرفونها اليهم انتهى. ومثلة فى الدر المختار، وانت تعلم ان مدار هذاالحكم على كون الأخذ مسلماً يقاتل عن المسلمين ويحفظ ثغورهم قلت فما وقع من الشامى تحت هذاالقول ويظهر لى ان اهل الحرب اذا غلبوا على بلدة من بلاد نا كذالك لتعليلهم اصل المسئلة بان الامام لم يحمهم والجباية بالحمايه. فلا يظهر فى وجهه لكونه قياماً مع الفاروق وكيف يقاس الكفار على المسلمين المقاتلين الدافعين عن الاسلام والمسلمين الاان يقال ان مراد الشامى انه ليس للامام اخذه ثانياً لا سقوط الخراج عن ذمة ارباب الاموال مطلقاً والله اعلم وكذالك اول العلامة الهمايونى فى رسالة الخراج كلام الشافى ۱۲۔

❷..... ونصه پس بدانکہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید او را لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہستند صرف نماید تا عند اللہ از عہدۂ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد۔ اما آنچہ حکام نصاریٰ مے گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد ولان الكفرين ليس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين وايضا ليسوا بمصارف الخراج كمافى جامع الفصولين.

اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں۔ اراضی سندھ کے متعلق تو مستند علمائے سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ مقرر ہے۔ جو محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا تھا اور وہ خراج مقاسمہ خمس ہے یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ۔

علماء سندھ میں ایک شیخ ابوالحسن دہری ہیں جو راجہ داہر کی اولاد میں ہونے ہی کے سبب دہری کہلاتے ہیں۔ (اور سنا گیا ہے کہ اب تک بھی سندھ میں ایک قوم دہری کے نام سے موسوم ہے جس کو لوگ عموماً ڈیری کہنے لگے ہیں۔ یہ راجہ داہر قدیم ہندو والی سند کی طرف منسوب ہے کیونکہ جیسا باب دوم میں نقل کیا جا چکا ہے راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ مسلمان ہو گیا تھا ممکن ہے کہ یہ لوگ اس کی اولاد میں ہوں)۔

انہی شیخ ابوالحسن دہری نے اپنے رسالہ رفع الفریہ میں لکھا ہے ان خراج السندہ ھو الخمس ای ضعف العشر اسی طرح مخدوم محمد عارف سندھی نے اپنی بیاض میں اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے جو تحقیق اراضی سندھ کے متعلق لکھی ہے اس سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے باب دوم میں ''آئینہ حقیقت نما'' کے حوالے سے حجاج بن یوسف کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو محمد بن قاسم کے خط کے جواب میں آیا تھا جس کا ایک جملہ یہ بھی ہے۔ ''اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ (آئینہ ص ۱۰۷)

یہ واقعہ ایک خاص خطۂ سندھ کا ہے جو صلح کے ساتھ فتح ہوا اس میں زمین کی اسی مالگذاری کو برقرار رکھا گیا جو یہ لوگ پہلے سے اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ اس سے مذکورہ بیان خمس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہو گیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ (خمس) تھا۔ اس زمانہ میں ملتان، بہاولپور، پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے ان کا بھی یہی حکم ہوگا۔ بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جزو قرار دیا گیا تھا۔

اس لئے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر خاص زمین یا کسی خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ ورنہ خمس پیداوار کو

خراج سمجھا جائے گا۔

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری دور حکومت سے شروع ہو کر علاؤالدین خلجی تک تمام ہوئیں ان میں اگرچہ باب دوم کی مذکورہ تحقیق سے اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا۔ مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کونسی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی مقاسمہ یا موظف۔ لیکن علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کی اصلاحات اور تغیرات کے ذیل میں کتاب تاریخ، نزہۃ الخواطر، اور ''آئینہ حقیقت نما'' وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ ان کے زمانہ سے پہلے جو فوج کی تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاؤالدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہ دینے کا قانون جاری کر دیا۔

اور ایک تغیر یہ بھی کر ڈالا کہ مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا۔ اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ تو پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا۔ مگر اس کی تصریح نہیں کہ خراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں۔ اور اس کی بحث ہے بھی فضول۔ کیونکہ شرعی حیثیت سے نہ وہ تبدیلی قابل قبول تھی جو علاؤالدین خلجی نے کی اور نہ اس کے بعد کوئی تبدیلی اول فتح کے قانون کے خلاف کرنے کا کسی کو استحقاق تھا۔ اس کتاب کے باب دوم میں یہ واقعہ تفصیل سے گذر چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف (نقد) جاری تھا۔ اور خلجی نے جو اس کو مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا۔ یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ ان کو اس کی تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف ہی کا حکم جاری ہے۔ خراج موظف کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب پر ایک درہم (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہو گا۔ ترکاری کے ایک جریب پر پانچ درہم اور باغات پر ۱۰ درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

جریب کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ساٹھ مربع گز کا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی پیمائش کے لئے جریب کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ شیر شاہ سوری کے عہد حکومت میں ایک جریب ۵۵

مربع گز کا سمجھا جاتا تھا۔ (آئینہ حقیقت نما)

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء پر صرف کرنا چاہئے اور یہ خراج موظف ہوگا۔ جس کی تفصیل ابھی گذری ہے اور توظیف عمری کے نام سے تمام حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

اور پاکستان کے مسلمان اپنی خراجی زمینوں کا خراج حکومت پاکستان کی مالگذاری میں دے کر سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مقدار خراج یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ پورا سرکاری مالگذاری میں آجاتا ہو اور اگر سرکاری مالگذاری اس مقدار سے کم ہو تو بقدر کمی کے پاکستانی مسلمانوں کو بھی بطور خود باقیماندہ خراج کی ادائیگی اور مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔ واللّٰہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔

وهذا اخر ما ارت ايراده فى هذا الباب وبيد الله سبحانه وتعالى السداد والصواب والله بمرجع والمآب

٭……٭

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ

اسلام کا نظامِ اراضی

حصّہ دوم

فتوح الہند

مؤلفہ

حضرت علامہ مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر دار العلوم کراچی

دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاءُ تنزع الملک ممن تشآء وتعز من تشآء وتزل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئی قدیر والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقه وصفوۃ رسله محمد واٰلهٖ وصحبهٖ اجمعین زنة عرشهٖ ومداد کلمتهٖ ورضا نفسهٖ

امابعد۔ زیرِنظر رسالہ کا موضوع ہندوستان میں اسلامی فتوحات اوران کی خاص تفصیلات ہیں جو یہاں کی زمینوں کے متعلق ہیں۔ بظاہر یہ ایک تاریخی موضوع ہے، مگر نہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں نہ میرا یہ فن ہے اور نہ تاریخ کی حیثیت سے اس کو پیش کرر ہا ہوں۔ اس لئے اس کو کوئی مستقل تاریخی کتاب نہیں بنایا بلکہ رسالہ احکام الاراضی کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے جس کے شروع میں بتلایا گیا ہے کہ اصل مقصد اس کتاب کی تصنیف کا اراضیٔ ہند کے احکام شرعیہ کی تحقیق ہے۔ مگر شرعی اور فقہی حیثیت سے ان احکام کو معلوم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ان اراضی کی پوری تفصیل معلوم ہو کہ صلح سے فتح ہوئی یا جنگ سے۔ اور فتح کرنے والوں نے اول فتح میں ان کے متعلق کیا احکام نافذ کئے کس کی ملکیت قرار دی۔ کیا وظائف ان پر عائد کئے۔

ان مسائل کی تحقیق نے مجھے اسلامی دور کے پورے ہندوستان کی سیر کرائی اور اس کی فتوحات کی پوری تاریخ دیکھنے اور اس سے اپنے موضوع بحث کے متعلق حوالے اور یادداشتیں جمع کرنے پر مجبور کیا۔ ضمنی طور پر کچھ ایسے واقعات بھی لے لئے گئے جو اگرچہ اس موضوع بحث سے متعلق نہ تھے مگر کچھ مفید معلومات اور اہم نتائج لئے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ مجموعہ فتوح الہند تیار ہوا جس کو جداگانہ تاریخی حیثیت سے بھی طبع کیا جا سکتا ہے۔ فن تاریخ جاننے والے اگر اس میں کچھ اغلاط یا التباس محسوس فرماویں تو اصلاح فرما دیں اور احقر کو بھی مطلع فرماویں تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح ہو سکے۔ واللّٰہ ولی التوفیق وھو فی کل امر خیر رفیق۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم ☆ نفسے بیادِ تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ

ہندوستان کی کچھ خصوصیات

یہ شرف تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اول ہندوستان میں اترے۔ وحی نبوت سب سے پہلے ہندوستان میں آئی۔ یا یوں کہیئے کہ اسلام سب سے پہلے ہندوستان میں آیا۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اسی وجہ سے ماثر ہندوستان میں ہند کی سب سے بڑی فضیلت یہی لکھی ہے۔ (سبحۃ المرجان فی ماثر ہندوستان)

لیکن ہماری بحث کا تعلق اس وقت ہندوستان کے اس اسلامی دور سے ہے جس کی ابتداء خاتم الانبیاء والمرسلین حبیب رب العلمین ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ سے ہوتی ہے۔

ہندوستان میں اسلام

عرب بالخصوص قریش ایک تاجر قوم تھی۔ اس زمانہ کی سادگی اور آلات حمل ونقل اور رسل ورسائل کی بے حد کمی کے باوجود دنیا کی مشرق ومغرب ان کے زیر قدم تھی۔ دور دراز کے ملکوں سے اموال تجارت کی درآمد و برآمد ان کا پیشہ تھا۔ اس تجارتی سلسلہ میں ان کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ بھی بعثت نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی قائم تھے۔ بالخصوص [1] مالا بار (لنکا) ان کا تجارتی مرکز تھا بہت سے عرب یہیں آباد ہو گئے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے۔

> ''پیش از ظہور اسلام طائفہ یہود ونصاریٰ برسم تجارت از راہ دریا بداں دیار (مالا بار) آمد وشد می کردند در آخر الامر میان مالیباریاں وایشاں بواسطہ منافع دنیوی الفتے بہم رسیدہ بعضے از بازرگانان یہود ونصاریٰ در شہر ہائے ملیبار ساکن شدہ ومنازل و بساتین ساختند۔''

مشہور فرانسیسی مؤرخ لیبان اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے کہ

> ''عربوں نے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دی وہ بہت جلد ساحل کاومنڈل، ملابار، ساٹرا، جزائر بحر ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے۔''

سب سے پہلے اسلام مالا بار میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا لیکن تاریخی

---

[1] یہ مضمون ہندوستان کے مستند مؤرخ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب آئینہ حقیقت نما سے کسی قدر اضافہ اور حذف کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار، سراندیپ وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا۔ مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی۔ بلکہ عرب تجار کی آمدورفت کے سبب ہوئی۔ جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ بیشک سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلۂ اسلام کہا گیا ہے۔

عربوں کی آمدورفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں مالابار کا راجہ زمون یا سامری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان بلویا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کرلیا اور تخت سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہوکر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستہ ہی میں فوت ہوکر ساحل ملک یمن میں مدفون ہوا۔ راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

انہی ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے۔ جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بودوباش اختیار کر لی تھی اول وہ مسلمان ہوئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں اسلام پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ کے ساتھ وابستہ کرلیا۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سراندیپ کا راجہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکا تھا یا خلافت بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہوا۔ بہرحال بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں سراندیپ کا راجہ مسلمان تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''ہرآئینہ حاکم سراندیپ پیشتر از رایان دیگر مواضع ہندوستان برحقیقت اسلام مطلع شد در عہد صحابہ کرام مقلد قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود''

سراندیپ کے بعد ہی لکادیپ مالدیپ اور مالابار میں اسلام پھیل چکا تھا۔ مالابار میں اسلام نے اس لئے اور بھی جلد از جلد ترقی کی اسلام کی مساوات و رواداری، ذات پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم اور مغلوب لوگوں کے لئے ایک ابر رحمت اور سامان ترقی تھی۔ مالابار کا راجہ بھی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ عجائب الانظار

کی روایت کے موافق اس وقت کا راجہ چیرامن پیرومل تھا اس نے بھی مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد امور سلطنت اپنے نائبین کے سپرد کر کے حجاز مقدس کے سفر کا قصد کیا مگر عجائب اتفاق سے یہ بھی وہاں نہ پہنچ سکا راستہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ آخر وقت میں اپنے رفقاء کو وصیت کی مالابار میں تبلیغ اسلام کے کام کو پوری مستعدی سے وسیع پیمانہ پر جاری کیا جاوے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے نائب السلطنت کے نام بھی اسی مضمون کا ایک خط لکھ دیا جس کو شرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ لے کر مالابار واپس آئے۔ نائب السلطنت نے ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ بھیجا جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہو گئے۔ مالک بن دینار وغیرہ نے کدنگلور (کالی کٹ) میں مسجد تعمیر کی اور اس کے بعد کل مالابار کا دورہ کیا جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ پھر یہ حضرات دورہ کرتے ہوئے ساحل کارومنڈل تک پہنچ گئے وہاں بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مسجدیں تعمیر ہوئیں اس کے بعد جنوبی ہند کی طرح بحرالکاہل کے جزائر جاوا، سماٹرا، سنگاپور، ملایا وغیرہ میں بھی اس طرح اسلام پھیلنا شروع ہوا اور بہت جلد ان بلاد میں عام ہو گیا۔ (یہ تمام مضمون تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے) الغرض محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ اور فتح سندھ سے پہلے جنوبی ہند سراندیپ اور مالابار وغیرہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ اور تفصیل مذکور سے ظاہر ہے کہ ان بلاد میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی صورت میں ہوا۔ قہر و غلبہ اور جنگ و جہاد کا اس میں دخل نہ تھا۔

جنوبی ہند اور جزائر شرق الہند کی اراضی وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں

ان حالات میں ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کے لوگوں کی زمینیں حسب دستور شرعی انہی کی ملک میں بدستور سابق وسالم رہیں گی۔

فتوح السندھ

اراضی سندھ وملتان وغیرہ

اراضی سندھ کی کیفیت بتلانے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ آج کل صوبہ سندھ جس مختصر سے خطہ زمین کا نام ہے آج سے بارہ سو سال پہلے سندھ صرف اس محدود خطہ کا نام نہیں تھا بلکہ وہ ایک طویل وعریض اور وسیع ملک تھا۔ اس زمانہ کے مؤرخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک مشرق میں

موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک شمال میں ملتان سے اوپر گذر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پنجاب کے جنوبی اضلاع بلوچستان کا اکثر حصہ، صوبہ سرحد کا جنوبی حصہ، راجپوتانہ کا اکثر حصہ گجرات کا شمالی حصہ مع موجودہ ملک سندھ کے تھا۔ مؤرخین نے راجہ چچ اور اس کے پیشرو راجہ کے جو حدود حکومت بیان کئے ہیں وہ اس مذکورہ سندھ سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ لیکن عرب حملہ آوروں اور ان کے مؤرخین نے جس ملک کو سندھ کے نام سے تعبیر کیا ہے اسی کے وہ حدود ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ٦٩)

فتوح البلدان میں علامہ بلاذری نے فتوح السندھ کی جو تفصیل دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوح سندھ وہند کا ابتدائی سلسلہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ عہد فاروقی میں ١٥ھ میں سب سے پہلے عثمان بن ابی العاص والی بحرین نے اپنے بھائی حکم کو اس طرف بھیج دیا تھا جس کو خلیفۂ وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پسند نہ فرمایا اور یہ ویسے ہی واپس ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں چند لوگ ہندوستان کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجے مگر حملہ و جہاد کی نوبت نہیں آئی۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں حارث بن مرہ عبدی بطور خود سرحد سندھ پر حملہ آور ہوئے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ٤٤ھ میں مہلب ابن ابی صفرہ (جن کو اکثر حضرات نے صحابی قرار دیا ہے اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ بعض نے ان کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ (اصابہ للحافظ ابن حجر) کابل، قندھار کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اس طرف آئے۔ بنہ ❶ ہواز، قیقان میں مقابلے ہوئے۔ یہاں کے باغی موجودہ سندھ میں آ کر پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت مہلب نے ان کا تعاقب کیا۔ دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان تک فتح کیا۔ اس لئے بہت ہی مستند تاریخوں میں ہندوستان کا فاتح اول حضرت مہلب ابن ابی صفرہ کو قرار دیا ہے۔ (تاریخ فرشتہ۔ فتوح البلدان لذہنی وحلان وغیرہ)

مگر مہلب ابن ابی صفرہ کو پھر دوسری مہمات پر جانا پڑا اور پھر راجہ چچ ان پر غالب آ گیا۔

(فتوح البلدان للبلاذری۔ فتوح البلدان لذینی وحلان، تاریخ فرشتہ، آئینہ حقیقت نما)

الغرض سرحد ایران کی بغاوت فرو کرنے یا باغیوں کا تعاقب کرنے کے سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے حملے اور وقتی و ہنگامی فتوحات کا سلسلہ تو کچھ پہلے سے شروع تھا مگر مستقل طور پر سندھ فتح

---

❶ ...... ان ناموں کے شہر قدیم تاریخ میں حدود سندھ کے اندر شمار کئے گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ شہر موجود ہیں تو کن ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ ١٢

کرنے کے لئے خلافت اسلامیہ کی طرف سے باقاعدہ حملہ کی ابتداء ۸۹ھ میں خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کے حکم سے ہوئی اور اس کا انتظام والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی کے سپرد ہوا۔ اور سبب محرک اس حملہ کا یہ ہوا کہ حاکم سراندیپ جو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا اس نے کچھ تحائف و ہدایا خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کے لئے اور کچھ مسلمان مسافر تجار و حجاج کے آٹھ جہاز سراندیپ سے روانہ کئے تھے۔ جب یہ جہاز بابِ عجم (ساحل سندھ) کے قریب پہنچے تو سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے چھوڑے ہوئے ڈاکوؤں نے ان جہازوں کو گرفتار کر لیا اور دیبل بندرگاہ سندھ پر لا کر مال واسباب لوٹ لیا اور مسلمان مسافروں کو قید کر لیا۔ کچھ لوگ بچ نکلے اور عراق پہنچ کر حجاج بن یوسف سے واقعہ بیان کیا اور استغاثہ کیا۔ حجاج نے راجہ داہر کے نام خط لکھا کہ ہمارے مسلمان تجار اور حجاج کو فوراً رہا کر دو اور ان کے اموال واپس دو۔ راجہ داہر نے اس کا مغرورانہ اور لغو جواب دیا۔ اس وقت حجاج بن یوسف نے امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک سے سندھ پر جہاد کی اجازت طلب کی اور باذن امیر المؤمنین اول چند مختصر فوجی دستے سرحد سندھ پر بھیجے مگر راجہ داہر نے کافی قوت فراہم کی ہوئی تھی وہ کافی نہ ہوئے تو پھر ۸۹ھ چھ ہزار شامی و عراقی [1] عربوں کا لشکر محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں سندھ پر بھیجا گیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر ص۲۰۵/۴ وفتوح البلدان للبلاذری)

تاریخ فرشتہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل لکھا ہے۔

"حکم سراندیپ چوں بسلاطین اسلام اعتقاد فراواں داشت از دریا کشتی مملو از تحف و ہدایا و غلامان و کنیزان جہت ولید روانۂ دار الخلافت ساخت و چوں بحوالیٔ بابِ عجم رسیدند مردم لومک کہ بحکم حاکم دیبل برروئے دریا متردد بودند سر راہ برائے کشتی گرفتہ با ہفت کشتی دیگر بتصرف درآوردند و اموال و اشیائے کہ درانہا بود از خود گرفتہ چند زنان مسلمان کہ از سراندیپ روانہ حج بودند آنہارا اسیر ساختند وجمعیکہ از دست آں کفار اشرار توفیق گریختن یافتہ بودند نزد حجاج رفتہ دادخواہ شدند۔ حجاج مکتوبے بحاکم سندھ داہر بن صصہ نوشتہ نزد محمد ہارون فرستاد تا بدست معتمدان خود نزد داہر فرستد۔ داہر بعد ورود نامہ واطلاع بر مضمون آں در جواب نوشت کہ ایں عمل از قومے بوقوع آمدہ کہ در کمال شوکت وقوت اند و بدستیاری سعی دفع آں گروہ پر شکوہ متصور نیست۔ چوں ایں خبر بحجاج رسید از ولید بن عبدالملک رخصت غزا حاصل کردہ بدیل شخصے را

[1] یہ لوگ سب کے سب دراصل حجازی شرفا تھے جو شام وعراق میں آباد ہو گئے تھے (آئینہ حقیقت نما ص۸۴)

باسی صد ۳۰۰۰ سوار نزد محمد بن ہارون فرستاد۔"

عجیبہ

محمد بن قاسم ثقفی چھ ہزار کا لشکر لے کر سرحد سندھ پر پہنچے اور پھر ایک عجیب تدبیر سے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کر کے راجہ کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابل ہوئے تو اسلامی دارالخلافت سے ہزاروں میل کا فاصلہ پر یہ جنگ جاری تھی اور آلات رسل و رسائل، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، ریڈیو، لاسلکی پیغام وغیرہ جو آج کل پائے جاتے ہیں ان کا کہیں نام نہیں تھا۔ لیکن انتظام کی خوبی یہ تھی کہ عراق کے دارالخلافہ سے محمد بن قاسم کے پاس ڈاک اور اس میں جنگ کے متعلق ہدایات ہر تیسرے روز پہنچتی تھی۔ یہاں تک کہ (عروس نامی) قلعہ شکن منجنیق جو لشکر اسلامی کے ساتھ تھا اس کا حملہ دیبل کے سب سے بڑے منارہ (وقل نامی) پر کس سمت اور کس انداز سے ہوا اس کا پورا نقشہ کھینچ کر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو بھیجا تھا۔ ہر تیسرے روز ہندوستان کی ڈاک عراق اور عراق کی ڈاک ہندوستان پہنچ جاتی تھی۔ (فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۲۵)

یہاں مجھے فتح سندھ کی تاریخ لکھنا نہیں۔ صرف یہ بتلانا ہے کہ ہندوستان کے پہلے فاتح نے اس کے حصوں کو کس کس طرح فتح کیا اور وہاں کے سکان کی اراضی وغیرہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

فتح دیبل

دیبل قدیم زمانہ میں ایک شہر کا نام تھا جس کا محل وقوع موجودہ شہر کراچی کے آس پاس تھا۔ کراچی شہر تو ایک جدید بستی ہے جس کی عمر دو سو سال سے زیادہ نہیں۔ مؤرخ نجیب آبادی نے "آئینہ حقیقت نما" (ص ۷۰) میں بتلایا ہے کہ دیبل اس زمانہ میں سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ اسکے وسط میں بودھوں کا ایک مندر تھا جسکو دیول کہتے تھے۔ اسی کے نام سے اس شہر کا نام دیول یا دیبل مشہور ہو گیا۔

ہند و سندھ کی تاریخ لکھنے والوں نے مختلف قیاسات اس کے محل وقوع کے متعلق قائم کئے ہیں بعض نے کہا کہ کراچی کی بندرگاہ کیاڑی سے کچھ فاصلہ پر جو جزیرہ منوڑہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے پہاڑ پر ایک قلعہ قدیم زمانہ کا ہے یہی مقام قدیم زمانہ میں دیبل کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اسی مقام پر قدیم زمانہ سے ایسا منار بنایا ہوا ہے جو ہر طرف سے آنے جانے والے جہازوں کو روشنی اور رہنمائی دیتا ہے اور اسی مینارہ کی وجہ سے اس

مقام کا نام منورہ معمولی تغیر کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اور قدیم تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ محمد بن قاسم جب دیبل میں اترے تو وہاں ایک بڑا مستحکم منارہ تھا جس کو منہدم کیا گیا۔ ان علامات وقیاسات کی وجہ سے بعض حضرات نے منورہ ہی کو دیبل قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شہر ٹھٹھہ کو دیبل بتلایا ہے جو قدیم زمانہ میں سندھ کا عظیم ترین شہر تھا۔

> علامہ حموی نے معجم البلدان میں اس کا نام اور محل وقوع اس طرح متعین کیا ہے کہ دیبل بفتح اول وسکون ثانیہ وباء موحدہ مضمومہ ولام۔ بحر الہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جو اقلیم دوم میں واقع ہے اس کا طول بلد جانب مغرب سے ۹۲ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد جانب جنوب سے ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور یہ بتلایا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں اور فرمایا کہ محدثین کی فہرست میں بہت سے راوی حدیث اس شہر کی طرف منسوب ہیں۔ انہی میں سے ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کر لی تھی۔ سعید بن عبد الرحمٰن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے حدیث روایت کرتے تھے ان کے فرزند ابراہیم بن محمد دیبلی بھی راوی حدیث ہیں۔ موسیٰ ابن ہارون سے حدیث روایت کرتے ہیں (معجم البلدان حموی ص ۴۹۵ ج ۸)

علامہ حموی نے جو دیبل کے محل وقوع کا پتہ دیا ہے کہ لاہور وملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں۔ یہ پتہ اس مقام کا نشان دیتا ہے جو شہر کراچی سے شمال مشرق میں تقریباً ۵۰ میل پر آج بھی ڈابے جی کے نام سے معروف ہے۔ اسی نام سے یہاں کا ریلوے سٹیشن ہے جو کراچی پشاور کی بڑی لائن پر واقع ہے۔

حموی کے بتلائے ہوئے محل وقوع کی تائید حال میں اس واقعہ سے ہوگئی کہ ڈابے جی سٹیشن سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر ساحل سمندر پر ایک قدیم قلعہ کے کچھ نشانات پائے گئے تو پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی کھدائی شروع کی۔ پورا قلعہ مٹی کی تہ میں دبا ہوا برآمد ہوا جس میں کھدائی کے دوران کچھ قبریں بھی پائی گئیں جن میں مردوں کے ڈھانچے سالم موجود ہیں ان ڈھانچوں کو محکمہ نے آئینہ کے خول کے ذریعہ محفوظ کر دیا ہے۔ ان مردوں کے ڈھانچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باقاعدہ دفن کئے گئے ہیں۔ سب کا رخ قبلہ کی طرف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان شہداء ہیں جو فتح دیبل کے وقت شہید ہوئے ہیں۔ بعض لاشوں کے اندر تیر

پیوست ہیں تیر کا حصہ بھی اسی طرح موجود ہے۔

اس قلعہ کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگسازی کے ایک بڑے کارخانہ کے نشانات بھی کھدائی میں برآمد ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد کی محراب اور بنیادیں نکلی ہیں۔ تاریخ ابن اثیر میں ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن قاسم اپنے چار ہزار لشکر کے ساتھ دیبل میں اترے تو راجہ داہر کا بیٹا کیشب (جس کا نام اردو تاریخوں میں جیشیہ بتلایا گیا ہے) مقابلہ پر آیا۔ تاریخ کامل کی روایت پر تین دن اور بعض اردو مؤرخین کی روایت پر آٹھ دن مقابلہ رہا۔ بالآخر جیشیہ کا کچھ لشکر تو ہلاک ہو گیا۔ باقی ماندہ لشکر کو لے کر وہ رات میں فرار ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمان دیبل میں اتار دیئے اور جامع مسجد تعمیر کی (کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

کامل ابن اثیر میں اس مقام پر محمد بن قاسم کا جامع مسجد بنانا بھی مذکور ہے۔ موجودہ برآمد شدہ قلعہ کے پہلو میں اس جامع مسجد کا ہونا بھی اسی مقام کو دیبل قرار دینے کا پتہ چلتا ہے۔ اس مقام کا نام ڈابے جی بھی ممکن ہے دیبل جی سے بدل کر بنا ہو۔ دیبل چونکہ بدھ مذہب کا شعار تھا اس لئے اس کے ساتھ لفظ جی کا تعظیمی لگا دینا بعید نہیں اور اس کا اصل نام دیبل جی ہونے کے بعد عوام کے زبان زد ہو کر ڈابے جی بن جانا بھی کچھ مستبعد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فتح دیبل کے بعد جو شخص ہتھیار بند اور برسر مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان شہر کے لئے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا۔ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ بھی گرفتار ہو کر سامنے آیا جو ایک پنڈت تھا اس نے بیان دیا کہ میں قدیم زمانہ سے مسلمانوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوں اور سرحد سندھ پر سب سے پہلے حملہ میں جو مسلمان قید کر لئے گئے تھے میں نے ان کو بہت آسائش کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور آپ کے یہاں داخل ہوتے ہی ان کو آزاد کر دیا ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کے بیان کی تحقیق تصدیق کے بعد اس پنڈت کی قدر شناسی کی اور شہر دیبل کا حاکم اعلیٰ اسی کو مقرر کر کے حمید بن ذراع کو اس کی ماتحتی میں دیبل کا شحنہ (پولیس افسر) مقرر کیا۔ غیر مضافی لوگ اور ان کی جائیداد واموال سب بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ، شاہی اموال وخزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے۔ ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۶)

اور علامہ بلاذری کے فتوح البلدان میں دیبل کی فتح قہر وغلبہ کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

واختط محمد للمسلمين بها وبنى مسجداً وانزلها اربعة آلاف۔ (ص ۴۲۵)

''محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کو جائیدادیں دیں اور جامع مسجد بنائی اور چار ہزار مسلمان یہاں اتار دیئے۔''

نتائج متعلقہ اراضی دیبل

(۱) معلوم ہوا کہ شہر دیبل عنوۃ یعنی قہر و غلبہ کے ساتھ فتح ہوا

(۲) ''آئینہ حقیقت نما'' کے بیان کے موافق ثابت ہوا کہ اسلامی لشکر نے فتح کرنے کے بعد صرف شاہی زمینوں اور عمارتوں اور خزائن پر قبضہ کیا۔ عام باشندگان شہر کی جائیدادوں اور اموال پر انہی کا مالکانہ قبضہ بدستور برقرار رکھا۔

(۳) بلاذری کے بیان کے موافق کچھ جائیدادیں مسلمانوں کو عطا کی گئیں ۔ یہ بیان ''آئینہ حقیقت نما'' کے بیان کے خلاف ومنافی نہیں ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ جائیدادیں شاہی مقبوضات اور غیر مملوکہ زمینوں میں سے مسلمانوں کو دی گئی ہوں ۔ بلکہ ظاہری حالات سے یہی صورت متعین ہے۔ (آئینہ ص ۷۰)

فتح بیرون

شہر بیرون کراچی سے ستر میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے اس شہر کے حاکم نے اول ہی حجاج بن یوسف کے پاس اپنا وفد بھیج کر صلح کی درخواست منظور کرالی تھی۔ محمد بن قاسم ثقفی جب وہاں پہنچے تو انہوں نے تحائف کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے شہر میں لے گئے۔

(کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴، بلاذری ۴۲۵)

نتائج متعلقہ اراضی

ظاہر کہ جب یہ شہر صلحاً فتح ہوا تو ان لوگوں کی سب زمینیں اور جائیدادیں انہی کی ملک سابق میں بدستور قائم رہیں صرف خراج ادا کرنا ان کے ذمہ عائد ہوا۔

متعدد شہروں کی فتح عنوۃً وصلحاً زمینوں پر خراج

اس کے بعد محمد بن قاسم بہروج وغیرہ متعدد شہروں کو قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کرتے ہوئے

آگے بڑھے اور دریائے مہران ① سے ورے ایک نہر پر اترے تو شہر سر بیدس کے حکام و امراء ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امن و صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے صلح قبول کر کے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا۔ (بلاذری)

اس کے بعد سیوستان پہنچے (جس کو تاریخ وغیرہ میں سدوستان لکھا ہے) اس پر راجہ داہر کا بھتیجا بچھرا (بجے رائے) حکمران تھا۔ جب محمد بن قاسمؒ نے ایک دستہ فوج کا محمد بن مصعب کی قیادت میں اس طرف بھیجا تو اس نے مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن باشندگان شہر نے جن میں بودھ مذہب کے بڑے بڑے عالم بھی تھے اجتماع کر کے یہ طے کیا کہ مسلمان جس کو امن دیدیتے ہیں وہ اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں ان سے لڑنا مناسب نہیں صلح و امن کی درخواست کرنا چاہئے مگر ان کے حاکم بجے رائے نے ان کی بات نہ مانی مقابلہ میں آڈٹا۔ کئی روز تک لڑائی جاری رہی۔ ایک روز اس نے اپنا ایک جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ان کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے یہ بیان دیا کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنا بہت مشکل ہے۔ جاسوس کے اس بیان سے بجے رائے مرعوب ہو گیا۔ رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔ باشندگان سیوستان نے صلح کے ساتھ شہر پر قبضہ دے دیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۷)

ان کی زمینیں اور اموال اور جانیں سب محفوظ رکھی گئیں۔ زمینوں پر حسب قاعدہ شرعیہ خراج مقرر کر دیا گیا۔ (کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴، بلاذری ص ۴۲۵)

محمد بن مصعب سیوستان فتح کر کے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے تو اس علاقہ کے چار ہزار جاٹ بھی ساتھ آئے جو مسلمانوں کے معاملات و اخلاق دیکھ کر بخوشی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور اب لشکر اسلامی میں شامل ہونا چاہتے تھے (بلاذری ۴۲۵)

فتح بدھیہ صلحاً اور زمینوں پر تقرر خراج

سیوستان کی فتح کے بعد اسلامی لشکر مقام بدھیہ کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم کاکا نامی نے اول تو مسلمانوں پر شبخون مارنے کے لئے ایک ہزار جاٹوں کا لشکر منتخب کیا مگر اس میں ناکامی رہی اور یہ کچھ پرانی کتابوں کا علم بھی رکھتا تھا جن میں اس نے پڑھا تھا کہ مسلمان ہندوستان کو ضرور فتح کر لیں گے۔ اس لئے کاکا مع اپنے سرداروں کے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم

① ...... یہ دریا مہران یا بہران یا باران کے نام سے موسوم ہے صرف سو میل لمبا ہے کوٹری کے پاس دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے ۱۲ (آئینہ حقیقت نما ص ۷۰)

نے اس کا بڑی عزت کے ساتھ استقبال کیا اور امیر ہند کے ساتھ خطاب کیا۔ خلعت دیا اور اپنے ساتھ بطور مشیران کو رکھ لیا۔ ان کے علاقہ کو اسلامی لشکر نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ محمد بن قاسم نے ان کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا وہ بھی کاکا کے مشورے سے عمل میں آیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۹)

عبور دریا اور راجہ داہر کا مقابلہ

اس وقت تک جتنے شہر فتح کئے تھے محمد بن قاسم نے چند روز شہر بیرون میں مقیم ہو کر ان کا پورا پورا انتظام کر دیا تھا۔ اور باشندگان سندھ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تھے۔ اب حجاج بن یوسف کا خط ان کے نام پہنچا کہ دریا کو عبور کرو اور راجہ داہر سے فیصلہ کن جنگ کر کے سراندیپ سے آئے ہوئے مسلمان جو اس کے ہاتھ میں قید ہیں ان کو رہائی دلاؤ۔

محمد بن قاسم نے ایک عجیب انداز سے دریا پر کشتیوں کا پل باندھ دیا اور اسلامی فوج دریا عبور کر گئی اسلامی لشکر اس وقت پندرہ ہزار پر مشتمل تھا مگر راجہ داہر کی فوج میں پچیس تیس ہزار زرہ پوش سپاہی دس ہزار نیزہ بردار اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے۔ (آئینہ ص ۵۲)

داہر نے اول اپنے بیٹے جیسیہ کو مقابلہ پر بھیجا وہ شکست کھا کر فرار ہوا تو پھر خود مقابلہ پر پہنچا کئی روز تک مسلسل نہایت سخت جنگ ہوتی رہی جس کے نظائر تاریخ میں کم ہیں بالآخر رمضان ۹۳ھ روز پنجشنبہ کو داہر ایک عرب کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ (کامل ص ۲۰۵ ج ۴ بلاذری ص ۴۱۶)

اور گویا پورے ملک سندھ پر مسلمانوں کے قبضہ کا وقت آ گیا۔

قلعہ راور یا روہڑی کی فتح عنوۃً

اس کے بعد اسلامی لشکر مقام راور (جس کو اب روہڑی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے) کی طرف بڑھا۔ یہاں راجہ داہر کی بیوی مع چند سرداروں اور چھ ہزار سپاہیوں کے پناہ گزیں تھی، اس کو جب اسلامی لشکر کی خبر ملی تو گرفتاری کے خوف سے اپنے آپ کو اور اپنی سب کنیزوں کو اور تمام اموال کو خود اپنے ہاتھ سے نذر آتش کر دیا اور قلعہ راور یا رہڑی بھی عنوۃ فتح ہو گیا۔ (بلاذری ص ۴۲۲ کامل ص ۲۰۵ ج ۴)

ساوندری اور سمد کی فتح صلحاً

رہڑی کے بعد محمد بن قاسم رور بغرور کا ارادہ　　کر رہے تھے کہ اہل ساوندری صلح امان کی

درخواست لے کر حاضر ہو گئے۔ ان کو امان دیا گیا اور شہر ساؤندری ❶ صلحاً فتح ہو گیا۔ اس کے بعد مقام سمہ کی طرف بڑھے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی صلح کے ساتھ اپنے شہر پر قبضہ دے دیا۔ ان کو بھی امان دیا گیا۔ (کامل ص ۲۰۶ ج ۴)

روربغرور کی فتح صلحاً اور زمینوں پر خراج کا تقرر

روربغرور کے نام سے چند شہر پہاڑ پر آباد تھے۔ اسلامی لشکر نے کئی مہینہ تک ان کا محاصرہ کیا بالآخر یہاں کے حکام وامراء نے بھی صلحاً یہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیئے، اس شرط پر کہ ان کو اور ان کے مندروں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور ان کی زمینیں انہی کے قبضہ وملک میں باقی رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۷)

برہمن آباد کی فتح اور زمینوں پر مالکانِ سابق کی ملکیت برقرار

راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد اپنے رشتہ داروں اور سرداروں کو۔ لے کر قلعہ برہمن آباد میں مقیم ہوا اور یہاں اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ برہمن آباد شہر منصورہ سے چند میل کے فاصلہ پر قدیم شہر تھا۔ جو اب کہیں موجود نہیں۔ بلاذری اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ یہ شہر اب ویران ہے۔

محمد بن قاسم نے اپنے احکام واعلان برہمن آباد اور سندھ کے ان تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پر امن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہوگی۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۹۴)

جیسیہ کا وزیر سی ساگر ایک ہوشیار مآل اندیش آدمی تھا۔ اس نے ان عورتوں اور بچوں کو جنہوں نے بندرگاہ دیبل پر گرفتار ہوتے وقت یا حجاج اغثنی کہہ کر پکارا تھا اور جو دارالسلطنت الور میں تھے اپنی زیر حفاظت رکھا اور جب قلعہ راور (روہڑی) سے جیسیہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا۔ سی ساگر کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ اب دشوار ہے اس نے جب محمد بن قاسم کے اعلان کا حال برہمن آباد میں سنا تو اپنے بعض معتمد خفیہ طور پر محمد بن قاسم کے پاس بھیجے اور لکھا کہ وہ عورتیں اور بچے جنہوں نے حجاج کی دہائی بندر دیبل پر دی تھی، میرے قبضہ میں اب تک موجود ہیں۔ میں ان کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

---

❶ بلاذری فتوح البلدان میں اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ اس وقت اہل ساؤندری سب کے سب مسلمان ہیں ۱۲ منہ

بشرطیکہ آپ مجھے جان کی امان دیں اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ محمد بن قاسم نے فوراً سیاگر کے نام امان نامہ لکھ کر اس کے معتمدوں کو سپرد کر دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مقام دہلیلہ کو فتح کیا اور بنو یہ پسر وہارن کو جو یہاں کا رئیس تھا اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا۔ پھر برہمن آباد کی طرف لشکر اسلام روانہ ہوا جب قریب پہنچا تو وزیر سی ساگر چپکے سے مع مسلمان قیدیوں کے برہمن آباد سے نکل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جیسیہ کو جب سی ساگر کے نکل جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے دوسرے سرداروں اور امیروں کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ برہمن آباد کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا اور خود تھوڑی سی فوج لے کر اس لئے شہر سے نکل گیا کہ مسلمانوں پر باہر سے حملہ کرنے کے لئے امدادی فوجیں لے کر آئے گا۔

محمد بن قاسم نے سی ساگر کی آمد کا حال سن کر اس کے استقبال کے لئے امراء کو روانہ کیا اور جب سامنے آیا تو نہایت عزت کے ساتھ اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ارادوں اور خاص رازوں پر اس کو مطلع کیا اور اپنی وزارت کا منصب جلیل اس کو عطا کیا۔ اس وزیر نے محمد بن قاسم کے عدل و انصاف اور رحم و کرم کی بہت تعریف کی اور کہا:

> ''آپ نے باشندگانِ سندھ کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا ہے اور مالگذاری ٹیکس کے معاملہ میں اس قدر نرمی اختیار کی ہے کہ تمام ملک آپ کا گرویدہ ہو گیا لہٰذا بہت جلد ملک کے باقی حصے بھی آپ کے قبضہ میں آ جائیں گے۔''

محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے مشرق کی جانب نہر چلوال کے کنارے قیام کیا اور لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوا کر برہمن آباد کی تسخیر کے درپے ہوا۔ اول اس نے اپنا ایلچی بھیج کر شہر والوں کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر شہر والوں نے مقابلہ کی تیاری کی۔ یہاں راجہ داہر کی دوسری رانی جس کا نام لاڈی تھا موجود تھی۔ اس نے سرداران لشکر کو معرکہ آرائی کی تاکید کی۔ اس طرح تقریباً چھ مہینے تک برہمن آباد نے مقابلہ کیا۔ برہمن آباد کا قلعہ ہندوستان کے قلعوں میں بہت ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے محاصرہ اس قدر طویل ہوا جیسیہ نے باہر سے امدادی فوجیں بھیجیں۔ مسلمانوں کو اس محاذ پر سامان رسد ختم ہو جانے کے سبب سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ محمد علافی جو پانسو مسلمانوں کے ساتھ دارالخلافہ عراق سے بغاوت کر کے راجہ داہر کے پاس پناہ گزین تھا، وہ دیبل کے محاذ پر بھی راجہ داہر کی فوج میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا تھا اور برہمن آباد کے محاذ پر بھی۔ بالآخر جیسیہ اور محمد علافی شکست کھا کر بھاگے اور منتشر ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو سامان رسد

حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھر چھ مہینہ تک محصور رہنے کے بعد برہمن آباد کے باشندوں نے سامان رسد کی نایابی سے پریشان ہو کر محمد بن قاسم کے پاس درخواست بھیجی کہ

''اگر آپ ہم کو مال وجان کی امان دیں تو ہم شہر کا دروازہ کھول دیں۔''

یہ درخواست باشندگانِ شہر کی طرف سے تھی۔ فوج اور فوج کے سرداروں کی طرف سے نہ تھی۔ لہٰذا محمد بن قاسم نے کہلا بھیجا کہ:

''ہم ان تمام لوگوں کو جان و مال کی امان دیتے ہیں جو ہتھیار بند نہ ہوں جو شخص مسلح نظر آئے گا وہ گرفتار کرلیا جائے گا اور جو مقابلہ کرے گا قتل ہوگا۔''

شہر والوں نے موقع پا کر دروازہ کھول دیا۔ اور مسلمانوں نے فصیل شہر پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اندرونی فوج نے دوسرا دروازہ کھول کر اس طرف سے بھاگنا شروع کیا۔ اسلامی فوج نے تعاقب کا ارادہ کیا تو محمد بن قاسم نے روک دیا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگان شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

''سوداگر، دوکاندار اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے، امن وامان کا اعلان کر دیا گیا۔

راجہ داہر کی دوسری رانی لادی جو برہمن آباد میں مقیم تھی اس نے اسلام قبول کر کے بخوشی محمد بن قاسم کے نکاح میں آنا قبول کیا۔ جنگی قیدی پیش ہوئے تو سب کو رہا کر دیا گیا۔

محمد بن قاسم کی طرف سے جزیہ اور زمینوں کے خراج اور ان کی ملکیت بحال رہنے کا اعلان

اس کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ جو لوگ امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی۔ جو اسلام قبول کرے گا وہ اس جزیہ سے معاف کیا جائے گا۔ اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان واموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے۔ اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا

انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔ (آئینہ حقیقت نما بلفظہ ص ۹۶)

شہر ستّہ کی فتح صلحاً

محرم ۹۴ھ میں محمد بن قاسم لوہانہ فتح کرتے ہوئے مقام ستّہ پر پہنچے یہاں کے لوگوں نے آمد کی خبر سن کر ننگے پاؤں اور ننگے سر شہر سے نکل کر استقبال کیا اور رحم وعفو کی درخواست کی۔ وہ منظور کی گئی اور امن وصلح کے ساتھ اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ (آئینہ ص ۹۷)

شہر الور کی فتح صلحاً

اس کے بعد محمد بن قاسم الور کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ شہر محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے وقت سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اب یہ شہر موجود نہیں ہے۔ اس کا محل وقوع روہڑی سے آٹھ میل جنوب کی جانب ہے۔

دارالسلطنت الور میں راجہ داہر اپنے چھوٹے بیٹے فیوفی نامی کو حاکم مقرر کر کے لڑائی کے لئے نکلا تھا۔ فیوفی ابھی تک وہاں کا حکمران تھا جیسیہ نے اپنے چھوٹے بھائی فیوفی کو برہمن آباد سے روانہ ہوتے وقت لکھا تھا کہ تم فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف رہو۔ چنانچہ الور بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو چکا تھا الور کے قریب پہنچ کر ایک میل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے قیام کیا۔ شہر والوں نے آپس میں مشورے کرنا شروع کر دیئے کہ مسلمان اپنے وعدہ کے بڑے پکے ہیں۔ برہمن آباد والوں کی طرح اگر ہم بھی امان طلب کر لیں تو ہم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر ہم نے لڑائی میں شرکت کی تو ممکن ہے کہ پھر مسلمان ہمیں جان و مال کا امان نہ دیں۔

ان چہ میگوئیوں کا حال فیوفی کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ اور معرکہ آرائی سے ہمت ہار بیٹھا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر شہر سے نکل جائے۔ چنانچہ راتوں رات شہر سے نکل گیا اور اپنے بھائی جیسیہ کے پاس جو راجپوتانہ کے کسی مقام میں ٹھہرا ہوا تھا پہنچ گیا۔ شہر والوں نے اپنا قاصد محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور عرض کیا کہ ہمارا راجہ داہر مارا جا چکا ہے اور راجہ داہر کا بیٹا فیوفی بھی ہم کو چھوڑ کر شہر سے بھاگ گیا ہے ہم نے آپ کے عدل وانصاف اور رحم دلی کی بہت تعریف سنی ہے اسی امید پر ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو جان و مال کی امان دی جائے تا کہ ہم آپ کے لئے شہر کے دروازے کھول دیں۔

محمد بن قاسم کا وعدۂ امان

محمد بن قاسم نے کہا کہ میں نے ہر مقام پر لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کو جان و مال کی امان دی جائے گی۔ مگر تم نے میرے پیغام سے بھی پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ لہٰذا میں تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۵۸) اہل شہر نے یہ وعدہ معلوم کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان امن و صلح کے ساتھ اس دارالسلطنت میں داخل و قابض ہو گئے۔

قلعہ یابیہ کی فتح صلحاً

الور کے بعد محمد بن قاسم قلعہ یابیہ کی طرف بڑھے جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر تھا۔ اس قلعہ میں راجہ داہر کا چچازاد بھائی کاکسا ابن چندر مقیم تھا۔ جو راجہ داہر کے مقتول ہونے پر اس قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ بہت بڑا عالم، فاضل اور دانش مند شخص تھا۔ جب محمد بن قاسم اس قلعہ کے قریب پہنچے تو کاکسا بلاتأمل محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم بڑی عزت و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اس کے خاندان اور علم و فضل سے واقف ہو کر محمد بن قاسم نے اس کو اپنا مصاحب و وزیر اور سپہ سالار بنایا اور تمام فوجی سرداروں کو حکم دیا کہ میرے بعد کاکسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اس کو اپنی مہر اور خزانہ کا چارج بھی سپرد کر دیا۔ اور دربار میں اس کے لئے اپنی برابری کرسی دی۔ اور آئندہ اس کے مشوروں کو تمام کاموں میں مقدم سمجھنے لگے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۹۹)

فتح اسکلندرہ عنوۃً

یہاں سے محمد بن قاسم دریائے بیاس کے پار قلعہ اسکلندرہ کی طرف آئے یہاں کے حاکم نے جو حاکم ملتان کا بھتیجا تھا نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ سات روز تک جنگ کا ہنگامہ برپا رہا۔ آٹھویں روز حاکم اسکلندرہ بھاگ کر ملتان چلا گیا اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قلعہ سکہ کی فتح عنوۃً اور اہل شہر کے لئے امان جان و مال

قلعہ سکہ دریائے راوی کے جنوب میں واقع تھا۔ یہاں کے حاکم بجے رائے نے سترہ روز تک مقابلہ کیا۔ آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عتبہ بن سلمہ تمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

ملتان کی فتح عنوۃً اور باشندگانِ شہر کے لئے جان و مال کی امان و معافی کا اعلان

اس کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے راوی کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ شروع کیا۔ یہاں کا حاکم گورسیہ پسر چندر تھا جو کاکسا کا حقیقی اور داہر کا چچازاد بھائی تھا۔ دو مہینہ تک اس نے ملتان میں محصور رہ کر لشکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ ملتان سے نکل کر راجہ کشمیر کے پاس چلا گیا اور مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ ہی پر قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو سونے سے بنی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لئے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی امان کے متعلق لکھ دیا۔ اور داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کی۔ اور برہمن آباد، الور وغیرہ کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کے اخلاق و معاملات دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ جس وقت محمد بن قاسم حدود سندھ میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ صرف بارہ ہزار شامی اور عراقی لوگوں کا لشکر تھا اور صرف ڈیڑھ سال میں ملتان فتح کرتے وقت پچاس ہزار کی فوج تھی جن میں اڑتیس ہزار ہندوستانی نومسلم تھے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۰)

حجاج بن یوسف کے فرامین بنام محمد بن قاسم

باشندگانِ ہند کی اراضی و اموال وغیرہ سے متعلقہ احکام

اوپر بحوالہ فتوح البلدان بلاذری مذکور ہوا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی امیر عراق جہاد سندھ کی طرف اس طرح متوجہ تھا کہ گویا وہ ہی اس فوج کی کمان کر رہا ہے۔ ہر تیسرے روز اس کی ڈاک سندھ پہنچتی تھی۔ اب وہ چند فرامین اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں جو حجاج نے مختلف مواقع پر بنام محمد بن قاسم روانہ کئے ہیں۔ جن میں محمد بن قاسم کو سیاست و دیانت کے اصول بتلا کر ان کا پابند رہنے کا حکم ہے۔ نیز باشندگان سندھ اور ان کے اموال و اراضی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس کا بیان ہے، ہمارا مقصود اگرچہ صرف آخری جزو سے متعلق ہے مگر ان فرامین کو پورا ہی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا کہ بہت فوائد پر مشتمل ہے۔

فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا

''جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو بہبود رعایا اور رفاہ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشتکاروں، کاریگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوش حالی اور فارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تا کہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۴)

جب محمد بن قاسم بیرون میں مقیم تھے تو ان کو حجاج کا خط پہنچا

''اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کسی مقام کے اکابر سردار تمہاری ملاقات کو آئیں تو ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا رہبر بناؤ۔ جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو'' ص ۱۰۴

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا خط پہنچا

جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو اور التجاؤں کو قبول کرو امان وعفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں، اول مدارات و درگزر و محبت۔ دوم سخاوت وانعام۔ سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت وشہامت۔

تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت وامداد کرو۔ جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو تو اس کی عقل وامانت کو جانچ لو۔ اور جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے اس کے تمام مال واسباب اور ننگ وناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔ جو شخص بغاوت وسرکشی اختیار کرے اس سے تم لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شریف اور رذیل میں امتیاز کرو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہاری صلح جوئی کو، دشمن تمہاری کمزوری محسوس کریں۔ (آئینہ ص ۱۰۴)

فائدہ (ا) اس فرمان میں اس کی بھی تصریح ہے کہ بعض لوگوں کو جاگیر اور جائیداد بھی دی جائے گی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جاگیر سرکاری مقبوضات یا غیر مملوکہ جنگلات وغیرہ سے دی جائے گی۔ کیونکہ مملوکہ زمینیں تو مالکان اراضی کی ملکیت سے نہیں نکالی گئی جیسا کہ اسی خط میں آگے مذکور ہے۔

(ب) مالگذاری یعنی خراج دینے کا اقرار کر لینے پر ان کی امداد و اعانت کے حکم سے ظاہر ہوا کہ باشندگان سندھ کی زمینیں مالکان اراضی کی ملک سے نہیں نکالی گئیں بلکہ بدستور انہیں کی ملکیت کو برقرار رکھا ورنہ ان سے خراج و مالگذاری کا مطالبہ نہ ہوتا۔

محمد بن قاسم نے جب دریا عبور کر لیا اور راجہ داہر سے مقابلہ شروع ہو گیا تو ان کے پاس حجاج بن یوسف کا یہ خط پہنچا۔

> ''پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کیا کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہو گے''۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۵)

فائدہ۔ یہ فرمان کسی خلیفہ راشد یا متقی پرہیزگار امیر کا نہیں بلکہ ایک ایسے امیر کا فرمان ہے جو دنیائے اسلام میں سب سے بڑا ظالم، فاسق فاجر مشہور ہے۔ لیکن اس حقیقت پر وہ بھی اطمینان اور یقین رکھتا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح و کامیابی صرف اور صرف اطاعت خداوندی اور بالخصوص نماز کے اہتمام اور پابندی کے ساتھ وابستہ ہے۔ آج کل کے زعماء امت کے لئے یہ ایک درس عبرت ہے جنہوں نے اسلامی سیاست کو صرف ظاہری تدبیروں میں منحصر کر رکھا ہے اور نماز، روزہ اور احکام الٰہیہ کی اطاعت کو گو ضروری جانتے ہوں مگر مسلمانوں کے قومی اور ملی مفاد کے لئے اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔ اسی لئے کسی وقت کسی مقام پر وہ ان شعائر دینیہ کے احیاء میں اس سرگرمی کے ساتھ مشغول نظر نہیں آتے جتنی کہ کسی ادنیٰ الیکشن میں برتی جاتی ہے۔ حجاج بن یوسف کا یہ فرمان اگرچہ رسالہ ھذا کے موضوع سے متعلق نہیں لیکن اسی عبرت و نصیحت کے لئے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم وہاں کا تمام انتظام کر چکا تو بہت سے مندروں کے پجاری ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہندوؤں نے مسلمان سپاہیوں کے ڈر سے بتوں کی پوجا کے لئے مندروں میں آنا کم کر دیا ہے جس سے ہماری آمدنی میں فرق آ گیا ہے۔ مندروں کی مرمت

بھی نہیں ہوئی۔ لہذا ہمارے مندروں کی تعمیر اور مرمت اور ہماری آمدنی کی تلافی آپ کو کرنی پڑے گی۔ محمد بن قاسم اس معاملہ میں اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو فوراً حجاج کے پاس ایلچی روانہ کیا اور برہمنوں کے مطالبہ کی تفصیل لکھ کر مشورہ طلب کیا۔ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو خط لکھا۔

> ''تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے لہٰذا ان کو اپنے معبود کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۶)

اس خط کے آنے کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے تمام اکابر و علماء کو بلایا اور برہمنوں کے حقوق و مراسم کی تحقیق کی۔ اور راجہ داہر کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے کیا کیا رعایتیں برہمنوں کو حاصل تھیں، سب کو معلوم کیا۔ اس کے بعد شہر میں اعلان کرا دیا کہ

> ''جو لوگ اپنے باپ دادا کی مراسم کے پابند ہیں ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کے بجا لانے میں حاصل ہے، کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا۔ برہمنوں کو دان پن۔ دکشنا بھیٹ جس طرح وہ پہلے دیتے تھے اب بھی دیں۔ اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں۔ محاصل ملکی یعنی سرکاری مالگذاری میں سے تین روپیہ فیصدی برہمنوں کے لئے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا۔ اس روپیہ کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے برآمد کرا سکتے ہیں۔''

محمد بن قاسم نے ایک مقام کو فتح کیا اور وہاں کے تمام حربی و غیر حربی لوگوں کو امان دے دی اور ہر قسم کا محصول و لگان بھی ان کو معاف کر دیا اور تمام کیفیت حجاج کو لکھ کر بھیج دی۔ حجاج نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

> ''جو لوگ اہل حرب ہیں ان کو قتل کرو۔ جو مطیع ہیں ان کو امان دو۔ صناع و تاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو۔ جو شخص زراعت میں زیادہ توجہ اور جانفشانی سے کام لیتا ہے اس کی مدد کرو اور اس کو تقاوی دو۔ جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے

وہی مالگذاری وصول کر و جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے! (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۷)

عربی اور شامی سرداروں اور سپاہیوں کو بھی کہیں کہیں جاگیریں اور قطعات زمین دیئے گئے تھے مگر وہ تمام زمین اور قطعات ان کے اصل مالکوں کے پاس بدستور رہے۔ جاگیرداروں کا حق صرف اتنا تھا کہ جو زر مالگذاری سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا وہ ان جاگیرداروں کو مل جاتا تھا۔ مگر چند ہی روز کے بعد پرانے مالک خود جاگیردار بن گئے اور عرب سردار نہیں سے کہیں منتقل ہو گئے اور انہوں نے ان کا جاگیروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

مسلمانوں نے اس بات کا حد سے زیادہ خیال رکھا کہ ہماری حکومت سے ملک سندھ کے کسی طبقہ اور کسی قوم کو بھی اذیت نہ پہنچے۔ انہوں نے پست لوگوں کو ابھارا تو سہی لیکن بلند مرتبہ لوگوں کو پست نہیں کرنا چاہا۔ (آئینہ ص ۱۰۹)

حکومت سندھ کا دوسرا دور بعہد بنی امیہ

اس زمانہ میں مسلمانوں کے باہمی مشاجرات اور امور خلافت میں تزلزل کے سبب ملک سندھ میں نظام حکومت اسلامی مختل ہوا۔ راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر برہمن آباد پر قابض وخودمختار بن گیا اور داہر کے دوسرے بیٹے اور بھتیجے وغیرہ جن کو محمد بن قاسم نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اپنی طرف سے حاکم بنادیا تھا وہ سب خودمختار بن بیٹھے۔ یہاں تک کہ صفر ۹۹ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور افضل التابعین عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کا عامل (گورنر) مقرر کر کے بھیجا اور تمام ہندو راجاؤں کے نام مضمون ذیل کے خطوط لکھے۔

> ''تم اسلام قبول کرلو۔ بت پرستی کی تاریکی سے نکل آؤ۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تم کو تمہاری ریاست پر بدستور قائم رکھیں گے تمہاری خطائیں معاف کردیں گے۔ تمہارے ساتھ سب مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے اور اپنا بھائی سمجھیں گے۔''

جب یہ خطوط رؤساء سندھ کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے جیسیہ ابن راجہ داہر نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد باقی تمام راجاؤں نے بھی جو عموماً اس کے رشتہ دار تھے اسلام قبول کرلیا۔ سب نے اپنے پرانے ناموں کو چھوڑ کر عربی نام رکھ لئے۔ (فتوح البلدان لبلاذری ص ۴۲۹ و آئینہ حقیقت نما ص ۱۱۲ و ابن اثیر ص ۵۰ ج ۵)

اراضی سندھ کے متعلق خلاصہ تحقیقات

مذکورالصدر تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ملک سندھ پر اسلامی قبضہ ہونے کے بعد اس کی زمینیں عموماً دو قسم پر منقسم ہو گئیں۔

(۱) جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں بدستور ان کی ملک میں رہیں ان پر زکوٰۃ زمین یعنی عشر لازم کیا گیا۔

(۲) جو مسلمان نہیں ہوئے مگر صلحاً یا عنوۃً مطیع ہو گئے ان کی بھی زمینیں ان کی ملک سے نہیں نکالی گئیں نہ غانمین میں تقسیم کی گئیں، بلکہ اراضی شام و عراق اور مصر میں جو فاروق اعظمؓ کا عمل تھا اس کے مطابق رقبہ زمین پر مالکان اراضی کی ملکیت بدستور قائم رکھ کر ان کا خراج عام مسلمانوں کے لئے وقف دائمی کر دیا۔

(۳) عربی اور شامی سرداروں کو جو جاگیریں دی گئیں یا تو وہ رقبہ زمین کی قسم سے نہ تھیں بلکہ سرکاری مالگذاری کی صورت سے تھیں اور یا وہ زمینیں ان کی جاگیر میں دی گئیں جو راجاؤں کی شاہی زمینیں تھیں اور جن پر اب مسلمانوں نے قبضہ کیا اور یا غیر مملوک زمینیں۔ بہر حال یہ عربی اور شامی لوگ جن جگہ کوئی زمین دے دی گئی وہ اس کے مالک ہو گئے۔

الحاصل سندھ کی کل زمینیں باشندگان ملک کی انفرادی ملکیت رہیں حکومت کے زیر تصرف بجز ان شاہی مقبوضات کے اور کوئی زمین نہیں رہی جو راجاؤں کی املاک خاصہ سے لی گئیں یا غیر آباد زمینیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا لاپتہ ہو گئے۔ جن کو اصطلاح فقہا میں اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ یا اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو جاگیر میں کوئی زمین دی گئی وہ انہی زمینوں میں سے دی گئی۔
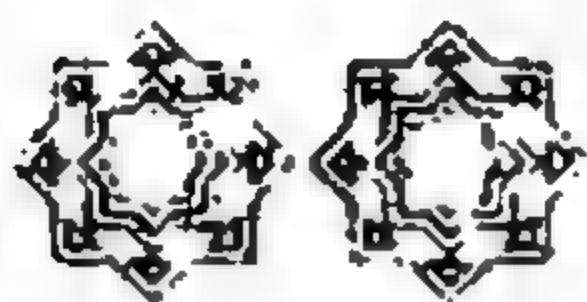
فتوح الہند

مـــــع

تفصیل احکامِ اراضی

ہندوستان کے سب سے پہلے فاتح محمد بن قاسم صرف ساڑھے تین سال اس نواح میں رہے اسی قلیل عرصہ میں انہوں نے پورا ملک سندھ اور پنجاب وغیرہ کے بہت سے حصص فتح بھی کئے اور اسلامی وشرعی نظام کے ماتحت ایک نہایت مستحکم اور قابل تقلید سلطنت بھی قائم کر دی ۹۳ھ میں وہ اس طرف آئے اور ۹۵ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی۔ فتح سندھ کے بعد نظام خلافت میں ایک گونہ اختلال ہو جانے کے سبب محمد بن قاسم کو مزید پیش قدمی سے روک دیا گیا اور سلطنت سندھ کے استحکام اور اس میں نظام شرعی کی ترویج پر ان کی تمام تر توجہ منعطف کر دی گئی۔ اس کے بعد ہندوستان پر مختلف دور آئے لیکن مسلمانوں نے تین سو برس تک پھر ہندوستان پر حملہ نہیں کیا۔ تقریباً تین سو برس اسی حال پر گذر گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں سندھ کا نظام حکومت بالکل مختل ہو گیا۔ کچھ ہندو راجاؤں نے قبضہ کر لیا اور کچھ قرامطہ نے تسلط جما لیا۔ ملتان کا تخت قرامطہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ پنجاب کے راجہ قرامطہ کو ہر طرح کی امداد دے رہے تھے۔

فتح پنجاب

ضروری تمہید

اس سلسلہ میں جتنی تاریخی روایتیں اس رسالہ میں آنے والی ہیں ان سب کا اصل متن ''آئینہ حقیقت نما'' مصنفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ہے۔ شاذ و نادر کسی دوسری کتاب سے لیا گیا۔ ''آئینہ حقیقت نما'' کی تحریر پر اعتماد و اکتفاء اس لئے کیا گیا کہ اس کے مصنف مرحوم نے جس قدر ہندوستانی تواریخ کو جمع کیا اور پھر ان کی تحقیق وتنقید میں پوری محنت وجانفشانی برداشت کی وہ کسی دوسرے مؤرخ کو ہمارے علم میں میسر نہیں ہوئی۔ مصنف موصوف نے ہندوستان کی پچیس سے زیادہ مستند تواریخ مثلاً تاریخ فرشتہ، تاریخ بدایونی۔ خلاصۃ التواریخ، مفتاح التواریخ، طبقات

ناصری، منہاج السراج، تاریخ ہینٹر، تاریخ الیفنسٹن، تاریخ بیہقی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، تاریخ زین المآثر، تاریخ سبحان رائے، تاریخ ستارۂ ہند راجہ شیو پرشاد، روضۃ الصفا از خوند شاہ، تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی مصنفہ ۷۵۸ھ سے اس کتاب کا مادہ اخذ کیا ہے اور پوری تحقیق وتنقید نہایت قابلیت کے ساتھ کی ہے۔ خصوصاً اس کا خیال رکھا ہے کہ جس دور حکومت کے متعلق معلومات لی جائیں وہ اسی دور کے مصنفین سے لی جائیں۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی اور ان کے خاندان سے متعلقہ حالات میں انہوں نے تاریخ ابوالفضل بیہقی پر زیادہ اعتماد کیا ہے کیونکہ اس کا مصنف اس خاندان کا ہم عصر سلطان مسعود ابن محمود کا میر منشی اور مصاحب خاص تھا اس نے ۴۵۱ھ میں اپنی یہ تاریخ لکھی ہے۔ (آئینہ ص ۲۱۱ ج ۱)

اسی طرح شہاب الدین غوری کے حالات میں زیادہ تر طبقات ناصری پر اعتماد کیا ہے جو منہاج السراج کی تصنیف ہے۔ ان کے والد مولانا سراج الدین شہاب الدین غوری کی طرف سے ہندوستان کے لشکر میں قاضی اور امام مقرر تھے۔ (آئینہ ص ۲۳۹)

اسی طرح خاندان خلجی کے حالات میں فیروز شاہی ضیاء برنی پر اعتماد کیا ہے کہ وہ اس خاندان کا ہم عصر ہے چشم دید واقعات لکھتا ہے۔ اس لئے ہماری مفصلہ ذیل تاریخی معلومات بواسطہ ''آئینہ حقیقت نما'' کے انہی کتابوں کا خلاصہ ہیں۔

۳۶۷ھ میں سلطان ناصر الدین سبکتگین تخت غزنی کے حاکم وامیر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے قرامطہ کے استیصال پر اپنی پوری قوت خرچ کی۔ سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر راجہ جے پال نے غزنی پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مگر جب سلطانی افواج مقابلہ پر آئی تو جے پال نے محسوس کر لیا کہ ہم گرفتار ہو جائیں گے فوراً امیر ناصر الدین سبکتگین کی خدمت میں درخواست معافی وامان پیش کی اور وعدہ کیا کہ لاہور واپس جا کر بہت سا چاندی سونا بطور جرمانہ کے آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سلطان نے باوجود مخالفت بعض امراء دولت کے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ مگر جے پال نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہی عہد شکنی کی اور پھر تمام ہندوستانی راجاؤں کے پاس ایلچی بھیج کر ان کو غزنی سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان سب راجاؤں کے تعاون واشتراک سے تین لاکھ کا لشکر جرار اور بہت سے ہاتھی لے کر جے پال نے دوبارہ سلطنت غزنی پر حملہ کیا۔ مقام لمغان پر جس کو اب جلال آباد کہا جاتا ہے یہ معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی جے پال اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگے اور اب آ کر پورے ہندوستان کی طاقتوں اور ہندو عوام کو ملا کر سلطنت غزنی کے ختم کر دینے کا منصوبہ گانٹھا۔ اسی عرصہ میں ۳۸۷ھ میں امیر

ناصر الدین سبکتگین بلخ کے قریب فوت ہو گئے اور تخت غزنی پر اول ان کے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل اور پھر تقریباً چھ ماہ بعد بڑے بیٹے سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوئے اور ان کے تخت نشین ہوتے ہی بخارا، آذربائیجان اور فارس کی بغاوتیں اور قرامطہ کے فتنے کا استیصال کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس میں تین سال لگ گئے۔ اس عرصہ میں جے پال نے اپنی فوجی قوت بڑھانے اور سامان جنگ فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بالآخر شوال ۳۹۱ھ میں تین سو ہاتھی، دس بارہ ہزار سوار اور تیس چالیس ہزار پیادوں کا لشکر جرار لے کر تیسری مرتبہ غزنی پر حملہ کے لئے چلا۔ دریائے سندھ عبور کیا۔ اس طرف سلطان محمود غزنوی اس کے حملہ کی خبر پا کر صرف دس ہزار لشکر کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ پشاور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر اس مرتبہ بھی جے پال کا لشکر پانچ ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر اور جے پال کو مع پندرہ سرداروں کے گرفتار کرا کر لاہور کی طرف بھاگا۔ جے پال نے گرفتار ہونے کے بعد سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں عرض کیا کہ:

> ''اس مرتبہ میری خطا اور معاف کی جاوے اور مجھ کو چھوڑ دیا جاوے میں اب تازیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا اور سالانہ خراج بلا عذر بھیجتا رہوں گا۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۵۹)

سلطان محمود نے انتہائی شرافت سے راجہ کی استدعاء کو قبول کیا اور غزنی سے لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ پشاور کے میدان میں ۶ محرم ۳۹۲ھ کو محمود نے فتح پائی اور جے پال گرفتار ہوا اور آٹھ مہینے قید رہنے کے بعد شعبان ۳۹۲ھ کو غزنی سے رخصت ہوا۔ لاہور پہنچا تو اپنے بیٹے انند پال کو جو میدان پشاور سے بھاگ نکلا تھا تخت لاہور کا فرمانروا پایا۔ بیٹے نے باپ کے لئے تخت خالی کرنا چاہا مگر جے پال نے انکار کر دیا۔ اور انند پال کو محمود کی مخالفت نہ کرنے اور سالانہ خراج بھیجتے رہنے کی وصیت کر کے خود اپنے مذہبی عقیدے کے موافق (جو راجہ دو مرتبہ دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو جائے اس کو جل کر مر جانا چاہئے) آگ میں جل مرا۔ (آئینہ ص ۱۶۳)

راجہ جے پال کی خودکشی کے بعد ہندوستان میں فوراً ہی ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی گئی جس میں بودھ مذہب اور برہمنی مذہب والے دونوں شریک ہو سکیں جس کو وشنومت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کا منشاء یہی تھا کہ دونوں مذہبوں کا باہمی اختلاف ختم کر کے پورے ہندوستان کا رخ مسلمانوں کے مٹانے کی طرف ہو جائے۔ انند پال ابن جے پال نے ایک طرف تو جے پال کا تسلیم کردہ خراج سلطنت غزنی کو روانہ کر کے سلطان محمود کو اس طرف سے مطمئن رکھا اور دوسری

طرف اپنے باپ کا انتقام لینے کی آرزو میں برہمنوں اور بودھ عالموں اور پنڈتوں سے خواہاں امداد کا رہا۔

ادھر محمود کے سامنے سب سے بڑی مہم قرامطہ کا استیصال تھا۔ جنہوں نے خلافت بغداد کی سخت توہین کی اور شعائر اسلامی کو پامال کیا۔ حج بیت اللہ سے حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین لے آئے اور لکھوکھہا حجاج کو شہید کیا تھا۔ سلطان محمود چونکہ اپنے آپ کو خلافت بغداد کا ایک نائب سمجھتا تھا اس لئے قرامطہ کے استیصال میں پوری ہمت صرف کر رہا تھا۔ اس عرصہ میں اس کے پاس اطلاع پہنچی کہ قرامطہ نے ایک مہم بذریعہ جہازات بندرگاہ دیبل (موجودہ کراچی) اور ٹھٹھہ میں بھیجی ہے اور ان قرامطہ نے سندھ میں وارد ہو کر سندھ کے راجاؤں سے محمود کے خلاف معاہدے اور ہر قسم کی امداد پہنچانے کے وعدے کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انند پال کی حمایت پر اس طرف کے عام راجہ آمادہ ہو گئے۔

اور حمید خاں لودی کا پوتا یا نواسہ داؤد بن نصر والیٔ ملتان بھی قرامطہ اور انند پال کے معاہدوں میں شریک ہو کر قرامطہ کے لئے ملجاو ماویٰ بن گیا۔ ملتان کی ریاست کے متصل ایک اور ریاست تھی جس کو بھاطنہ یا بھٹنڈا یا بھیرہ وغیرہ کے ناموں سے مؤرخین نے تعبیر کیا ہے۔ اس کا والی بجے رائے تھا۔ اس ریاست میں بھی قرامطہ کا اجتماع تھا۔ ۳۹۵ھ میں محمود نے بجے رائے کے پاس پیام بھیجا کہ تم ہمارے دشمن قرامطہ کو جگہ نہ دو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان جنگ قائم ہو جائے گی بجے رائے نے اس کا سختی سے جواب دیا۔ سلطان محمود فوراً بجے رائے کی ریاست پر حملہ آور ہوئے بجے رائے پہلے سے تیار تھا۔ تین روز تک سخت مقابلہ کیا بالآخر شکست کھا کر بھاگا اور بھاگتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر خودکشی کر کے مر گیا۔ اس کے ساتھ جو قرامطہ تھے کچھ مارے گئے باقی نے ملتان جا کر پناہ لی۔ اس لئے سلطان محمود کو اب ملتان پر حملہ کرنا ناگزیر ہو گیا ۳۹۶ھ میں سلطان محمود نے والی ملتان کو غافل رکھ کر حملہ کرنے کے خیال سے سیدھا راستہ چھوڑ کر درہ خیبر کی راہ سے پنجاب میں ہو کر ملتان پہنچنے کا قصد کیا۔ راجہ انند پال ان کا باج گذار تھا اس لئے پنجاب سے گذرنے میں سلطان محمود کو کسی رکاوٹ کا خطرہ نہ تھا۔ مگر خلاف توقع انند پال راجہ پنجاب نے دریائے سندھ پر آ کر سلطان محمود کو روکنا چاہا سلطانی لشکر سے مقابلہ ہوا تو انند پال شکست کھا کر کشمیر بھاگ گیا۔ سلطان نے اپنے اصلی مقصد ملتان کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے والی داؤد بن نصر نے جو قرمطی ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا تھا محصور ہو کر سلطان سے معافی کی درخواست کی اور قرمطی مذہب سے توبہ کی اور اقرار کیا کہ:

''آئندہ قرامطہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور بیس ہزار سالانہ خراج دارالسلطنت غزنی کو روانہ کرتا رہوں گا''

سلطان محمود نے داؤد کی توبہ قبول کر کے سکھ پال (نومسلم رواسہ شاہ) کو جو ریاست ملتان کی متصلہ ریاست پر مامور تھا، داؤد بن نصر کے اقوال و افعال کی نگرانی کے لئے مامور کر کے غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۳۹۸ھ میں سلطان محمود کو اطلاع ملی کہ سکھ پال جن کو سلطان نے اپنا قائم مقام بنا کر ملتان میں چھوڑا تھا وہ اپنے ماموں انند پال کی ترغیب و سازش سے مرتد ہو گیا۔ اس طرف انند پال نے بودھ عالم اور ہندو پنڈتوں برہمنوں کے ذریعہ جو تحریک ہندوستان میں سلطان محمود اور مسلمانوں کے خلاف جاری کر رکھی تھی وہ اس عرصہ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ اس وقت انند پال نے ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور لکھا اب ہم سب کو اپنے ملک کی حفاظت اور محمود کی ہلاکت کے لئے متفقہ طور پر میدان میں آ جانا چاہئے۔ چنانچہ اطراف ہندوستان سے انند پال کی امداد کے لئے فوجیں آنا شروع ہو گئیں۔ راجہ گجرات، راجہ بھٹنڈہ، راجہ دہرہ ددن، راجہ سونی پت، راجہ برن، راجہ متھرا، راجہ اسونی (ضلع فتح پور) راجہ بندیلکھنڈ، راجہ سرسوا گڈھ، راجہ قنوج، راجہ کالنجر اور اسی طرح راجہ اجین، گوالیار، اجمیر، دہلی، تھانیسر، نگرکوٹ، کشمیر، راجہ مالوہ، راجہ میرٹھ دھرم دت وغیرہ سب کے سب اپنی اپنی فوجیں اور خزانے لے کر لاہور پہنچ گئے۔ غرض گجرات سے بہار تک اور کشمیر سے قنوج تک تمام براعظم ہند کے راجا اپنی قدیم رقابتوں کو نظر انداز کر کے سب نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا ادھر جدید برہمنی مذہب کے پنڈتوں اور بودھ مذہب کے پیشواؤں نے اور ان کے ساتھ قرامطہ نے ایک سنگھٹن قائم کر کے صرف راجاؤں ہی میں نہیں بلکہ عام ہندوستان کی رعایا میں بھی مذہبی جوش و خروش اور قتل و خونریزی کے جذبات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ ماؤں نے اپنے بیٹوں کو اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو لڑائی میں جانے اور مرنے مارنے کی ترغیب دی۔ خوشحال گھروں کی عورتوں نے زیورات سے اور غریب بیوہ عورتوں نے سوت کات کات کر مزدوری کے پیسوں سے اس جنگ میں امداد دی۔

انند پال نے لاہور میں متحدہ فوج کی عظیم الشان تعداد جمع ہونے کے بعد پشاور کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف مذہبی پیشوا پنڈت وغیرہ اس میں مشغول رہے کہ لوگوں کو شہروں اور قصبوں سے برابر امداد کے لئے روانہ کرتے رہیں۔ یہ پورے ہندوستان کی طاقتوں پر مشتمل ٹڈی دل فوج میدان پشاور میں آ کر خیمہ زن ہوئی۔ سلطان محمود خبر پا کر مقابلہ کے لئے نکلے اور سامنے پہنچ

کر خیمہ زن ہو گئے تقریباً چالیس روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن رہے۔ کسی طرف سے پیش قدمی نہیں ہوئی۔ محمود نے جب یہ محسوس کیا کہ روز بروز ہندو افواج کے دستے امدادی بڑھتے جا رہے ہیں تو دشمن کی بے شمار فوج کے مقابلہ میں اپنی فوج کی انتہائی قلت اور بے سروسامانی پر نظر ہونے کے باوجود اللہ کے نام پر ایک ہزار تیر اندازوں کو حملہ کا حکم دے دیا۔ اس طرف انند پال نے تیس ہزار گھکڑوں کی جمعیت کو عقب سے ان پر حملہ کے لئے بھیج دیا جس نے محمودی لشکر کے اندر گھس کر قیامت برپا کر دی اور چشم زدن میں چار پانچ ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ لیکن ان سب آفتوں کے باوجود مسلمانوں کی روایتی شجاعت اور شوق شہادت نے انہیں پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رکھا۔ لڑائی کے شروع میں ہر ہندو کو اپنی فتح کا یقین اور ہر مسلمان کو اپنی سعادت شہادت کی آرزو تھی۔ مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا معاملہ برعکس ہوتا گیا۔ انند پال جو فتح مندی کے غرور میں اپنے ہاتھی کو سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لئے صف قتال میں بڑھا لایا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے اور پامال کرنے سے مایوس ہو کر خود پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھی کا منہ موڑا۔ سپہ سالار کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر ہندو سپاہی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تمام طاقتوں کو بیکار و بلا نتیجہ پا چکے تھے صفوں کو توڑ تاڑ کر ایسے پتا توڑ کر بھاگنے شروع ہوئے کہ پچھلوں کو اگلوں سے کچھ بھی دریافت کرنے کا موقع نہ ملا اور یہ فوجی سمندر اس تیز رفتاری سے ہزاروں شاخوں میں منشعب ہو کر بہنے لگا کہ تاریکی پھیلنے سے پہلے پہلے ہندوستانی افواج کا کیمپ بالکل خالی اور سنسان ہو گیا۔ اس فتح کے بعد سلطان محمود نے فوج کو دو روز آرام دینے کے بعد فوراً ہی انند پال کا تعاقب شروع کیا۔ انند پال اس تعاقب کے خوف سے بجائے اپنے دارالسلطنت لاہور کے نگرکوٹ پہنچ گیا سلطان محمود بھی سراغ لگا کر نگرکوٹ پر حملہ آور ہوئے۔ انند پال کسی خفیہ راستے سے یہاں سے بھی کھسک گیا۔ سلطان نے قلعہ نگرکوٹ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کی فوج نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور امان کی درخواست کی اور مندر کے متعلقہ خزانہ کا پتہ بتلایا۔ جہاں سے سلطان محمود کو اتنا بڑا خزانہ سونے چاندی کا ہاتھ آیا کہ اس سے پہلے ان کی نظر سے اتنا بڑا خزانہ نہ گذرا تھا۔

سلطان محمود نے ۳۹۹ھ میں انند پال کو مقام پشاور میں شکست دی اور ۴۰۰ھ کے شروع میں نگرکوٹ فتح کیا۔ ابھی سلطان نگرکوٹ ہی میں مقیم تھے کہ انند پال نے جو پہاڑوں کے اندر جا چھپا تھا پیغام بھیجا کہ

''جس طرح آپ نے اس سے پہلے بھی میری اور میرے باپ کی خطائیں بار بار

معاف کی ہیں ایک مرتبہ اور میری گستاخی سے در گذر فرمائی جانے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب شرائط فرمانبرداری کے بجالانے اور سالانہ زرخراج ادا کرنے میں کوئی کوتاہی عمل میں نہ آئے گی۔" نگر کورٹ کے راجہ نے بھی اسی طرح عفو تقصیرات کی درخواست بھیجی اور برہمنوں کی سازش سے آمادہ قتال ہو جانے پر افسوس کیا۔

(آئینہ ۱۸۲)

سلطان نے اس درخواست کو بلا تامل منظور کر لیا۔

تھانیسر کی فتح عنوۃً

انند پال اس شکست کے بعد پھر سلطان غزنی کا باج گذار بن چکا تھا لیکن سلطان کو معلوم ہوا کہ اس کو بار بار بغاوت پر آمادہ کرنے والے، راجہ تھانیسر، راجہ قنوج ومہابن و دہلی ہیں اور تھانیسر کا مندر سوم جگ یا جگ سوم ان کی سازش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لئے سلطان نے اب ان پر حملہ کا قصد کر کے انند پال کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ اب انند پال کے سر سے سلطان کی مخالفت کا سودا نکل چکا تھا۔ اس نے فوراً دو ہزار سواروں کا لشکر اپنے بھائی کی سرداری میں پشاور کے مقام پر بھیج دیا کہ سلطان محمود کے ہمراہ اس سفر میں رہے۔ راجہ تھانیسر نے سلطان کے حملہ کی خبر پا کر اپنی مدد کے لئے میرٹھ، مہابن، بران (بلند شہر) اور قنوج کے راجاؤں کو بلایا لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے سلطان محمود وہاں پہنچ گئے۔ راجہ تھانیسر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے مندر کو توڑ ڈالا اور سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اس مندر میں جو سب سے بڑا بت مانا جاتا تھا اس کو بعض روایات کے موافق توڑ دیا گیا اور بعض کے موافق غزنی بھیج دیا گیا۔

کشمیر کی فتح صلحاً

۴۰۹ھ میں سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ پنجاب کی ریاستیں جو بار بار بغاوت کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو پناہ دیتی ہیں ان کا مکمل انتظام کیا جاوے اس لئے اول کشمیر پر حملہ کیا۔

"راجہ کشمیر نے اطاعت وفرمانبرداری کی درخواست بھیج کر امان طلب کی اور اپنی خدمت گذاری اور خراج گذاری کا وعدہ کر کے سلطان کے غصہ کو فرو کیا۔ سلطان نے کشمیر کے راجہ کی درخواست منظور کر کے اس کے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ اور اس کو حکم دیا کہ تم اپنی مناسب فوج لے کر بطور مقدمۃ الجیش ہمارے لشکر کے آگے چلو" (آئینہ ص ۱۹۰)

ملا محمد قاسم ہندو شاہ لکھتا ہے

"چوں بحدود کشمیر رسید والی آنجا تحف و ہدایائے لائق پیشکش نمودہ بعنایات پادشاہانہ گردیدہ حسب الحکم در مقدمہ لشکر ظفر اثر دراں شد"

قنوج کی فتح صلحاً

سلطان محمود نے راجہ کشمیر کو بطور مقدمۃ الجیش اس لئے ساتھ لیا تھا کہ وہ پہاڑی راستوں سے لشکر سلطانی کو قنوج پہنچا دے اور راجہ قنوج اس فوج کشی پر قبل از وقت مطلع نہ ہو۔ چنانچہ اس کشمیری ہراول کی رہبری سے لشکر سلطانی برف پوش پہاڑی دروں اور ندی نالوں و چیرتا پھرتا ہوا رام گنگا کے دہانے پر پہنچ گیا۔ قنوج جو وادی گنگا میں واقع ہے اس پر حملہ کی تیاری ہوئی۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اگرچہ قدیم سے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنا طبیب بھیجا تھا۔ مگر جے پال اور انند پال کی سازشوں سے یہ بھی سلطان محمود کے خلاف میدان جال آیا، پشاور کی جنگ میں سلطان سے برسر پیکار ہو گیا تھا۔ تاہم اس کو مسلمانوں کے اخلاق اور عفو خطا بخشی کا پورا علم تھا اس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا یہ امتیازی شان ہے کہ وہ یہ معافی مانگنے والے کو ضرور معاف کر دیتے ہیں اور پھر جو عہد کر لیتے ہیں اس کو ضرور پورا کرتے ہیں اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ:

"اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور اپنے ہاتھ رومال سے بندھوا کر مع اپنے بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کے سلطان محمود کے سامنے آکھڑا ہوا۔ سلطان محمود نے یہ دیکھ کر فوراً اس کے ہاتھ کھولے، گلے سے لگایا اور اپنی برابر تخت پر بٹھایا اور ہر طرح تسلی و تشفی دے کر رخصت کیا۔ راجہ کنور رائے والیٔ قنوج نے سلطان محمود اور ان کے لشکر کی ضیافت کی سلطان مع لشکر کے تین روز یا آٹھ روز تک راجہ کا مہمان رہا۔ اور جس ملک کے لئے اتنا بڑا عظیم الشان سفر اور اس کی بے حد صعوبتیں برداشت کی تھیں وہ اسی راجہ کے سپرد کر کے بدوں کسی قسم کا مالی یا جانی نقصان پہنچائے ہوئے یہاں سے رخصت ہوا۔

ایک ہندو مورخ لالہ اجودھیا پرشاد اپنی تاریخ "مختصر سیر گلشن" میں لکھتا ہے۔

"محمود اس مرتبہ اپنا لشکر اچانک سامنے قنوج کے لے آیا۔ مہاراجہ قنوج سے کچھ نہ ہو

سکا۔ فوراً مع عیال و اطفال کے دربار سلطانی میں حاضر ہوا اور اطاعت بادشاہ کی قبول کر لی۔ محمود نے راجہ قنوج کی بڑی عزت و توقیر کی اور تین روز تک قنوج میں مقیم رہ کر راجہ قنوج کا مہمان رہا۔ وقت رخصت کے راجہ سے بادشاہ نے اقرار کیا کہ اگر تم اور تمہارے وارث ہم سے سرکش نہ ہوں گے تو جب تم یا تمہارے وارث مدد سلطانی چاہیں گے فوراً غزنی سے ملے گی۔" (آئینہ ص ۱۹۳)

میرٹھ، مہابن، متھرا کی فتح

تاریخ فرشتہ کی روایت کے موافق سلطان محمود قنوج سے رخصت ہو کر اول میرٹھ پھر مہابن اور متھرا گئے اور طبقات اکبری میں قنوج سے برن (بلند شہر) وہاں سے مہابن اور متھرا جانا ذکر کیا ہے۔ بہر حال قنوج کی طرف سے مطمئن ہو کر سلطان محمود نے قریب قریب کے تمام سرکشوں کو ٹھیک بنانا اور مرعوب کرنا ضروری سمجھا۔

میرٹھ کی فتح صلحاً

میرٹھ کے راجہ ہردت پر حملہ آور ہوئے تو وہ اپنے سرداروں کو مع فوج کے قلعہ میں چھوڑ کر خود فرار ہو گیا اور جنگل میں جا چھپا۔ ہردت کے سرداروں نے تیس ہاتھی اور بہت سا روپیہ بطور نذرانہ سلطان کی خدمت میں پیش کر کے امان طلب کی۔ سلطان نے نذرانہ قبول کیا اور ان کو اقرار اطاعت و خراج گذاری لے کر امان دی۔

مہابن کی فتح عنوۃً

سلطان نے میرٹھ سے مہابن کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے راجہ کلچندر نے اولاً مقابلہ کیا پھر شکست کھا کر بھاگا۔ سلطانی لشکر نے اس کو گرفتار کر لیا۔ یہ اسی حالت میں خودکشی کر کے مر گیا۔ (آئینہ ص ۱۹۳)

متھرا کی فتح عنوۃً

مہابن کے بعد متھرا پر حملہ کیا۔ یہاں جو بت خانے، سازش خانے بنے ہوئے تھے ان کو توڑا سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اور فتح کے بعد چند روز تک یہاں قیام کیا۔

ضلع فتحپور کی فتح

متھرا سے اسونی (فتحپور) کیطرف چلے اس کے راجہ چنڈیل بھور یا چندر پال نے طاقت مقابلہ نہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور جنگلوں میں جا چھپا لیکن سلطان کے پاس تحف و ہدایا اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نامہ بھیج دیا۔ (آئینہ ص ۱۹۴)

یہ سات آٹھ راجا جن پر اس سفر میں سلطان نے حملہ کیا اور فتح پائی وہی تھے جو جے پال اور انند پال کے ساتھ میدان جلال آباد و پشاور میں سلطان کے سامنے برسرپیکار آچکے تھے۔ مگر سلطان کا معاملہ ان سب کے ساتھ یہی رہا کہ ان کو اقرار و اطاعت و خراج گذاری پر ان کی خطائیں معاف کر دی گئیں اور کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم الشان سفر اور بڑے بڑے متمول راجواڑوں کی فتح کے باوجود غزنی واپس ہو کر یہاں کے غنائم اور نذرانوں کی کل مقدار جو شمار کی گئی وہ ہندو مؤرخ سجان رائے کے الفاظ میں یہ ہے

"چوں بغزنی رسید و غنائم سفر بشمار در آمد پنج لک و بست ہزار درم و سی صد و پنجاہ فیل بقلم در آمد" (آئینہ حقیقت نما ص ۱۹۴)

راجاؤں کی بغاوت اور کالنجر پر حملہ

ہندوستان سے سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد کالنجر کے راجہ نندا نے قنوج، متھرا، مہابن میرٹھ، برن (بلندشہر) وغیرہ کے راجاؤں کو ملامت آمیز خطوط لکھے اور غیرتیں دلائیں۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اس قول و قرار پر جو اس نے سلطان محمود سے کیا تھا قائم رہا۔ لیکن باقی راجاؤں نے نندا کی بلند ہمتی و عالی حوصلگی کا اقرار کر کے آئندہ کے لئے مستعد رہنے اور نندا کی رہبری میں کام کرنے کا وعدہ کیا۔ نندا نے ان راجاؤں کو اپنے موافق و مستعد دیکھ کر قنوج پر چڑھائی کی۔ اور ساتھ ہی پنجاب کے راجہ جے پال ثانی ابن انند پال کو لعنت ملامت کا خط لکھ کر محمود کے مقابلہ پر مستعد ہونے کی ترغیب دی۔ قنوج کے راجہ نے اپنے آپ کو خطرہ میں مبتلا دیکھ کر غزنی کی جانب قاصد روانہ کیا اور سلطان سے مدد طلب کی۔ سلطان محمود اس حادثہ سے مطلع ہو کر ۴۱۰ھ میں خود قنوج کی طرف روانہ ہوئے۔ جے پال ثانی چونکہ بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا اس نے سلطان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ پنجاب کے داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر روکنا چاہا مگر سلطانی لشکر نے ایک ہی ہلہ میں پنجابی لشکر کو بھگا دیا۔ اور ان کا تعاقب کئے بغیر قنوج کی طرف تیز رفتاری سے سفر کو

جاری رکھا تا کہ قنوج کے راجہ کنور رائے کو جلد از جلد امداد پہنچائی جا سکے۔ مگر سلطان کے پہنچنے سے پہلے قنوج کا راجہ نندا کے مقابلے میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان جب قنوج پہنچا ہے تو نندا قنوج سے کالنجر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ سلطان نے اس کو حدود کالنجر میں جا لیا۔

نندا اپنے چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لے کر مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ سلطان کے ساتھ بہت تھوڑی سی فوج تھی۔ نندا کے مقابل سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا اور سلطان نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر دشمن کی فوج کا معائنہ کیا تو اس کی کثرت وشوکت کو دیکھ کر اس دور دراز مقام پر اتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ آنے سے پشیمان ہوا۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ شام ہو چکی تھی۔ صبح کو میدان کارزار گرم ہونا تھا۔ مگر نندا پر خدا تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ وہ راتوں رات میدان اور تمام سامان وہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے حالات اور موقع کی تفتیش وتحقیق کرنے کے بعد اپنی فوج کو تعاقب اور مال غنیمت فراہم کرنے کی اجازت دی۔ اسی تعاقب میں پانسو اسی جنگی ہاتھی اور بہت سا سامان اور خزانہ جو نندا فوج سے لایا تھا۔ سب سلطان کے قبضہ میں آ گیا مگر نندا جان بچا کر نکل گیا اور سلطان اس کا تعاقب چھوڑ کر غزنی واپس آئے کیونکہ اب ان کو جے پال ثانی کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

۴۱۲ھ میں سلطان نے پنجاب ولاہور کا قصد کیا۔ جے پال ثانی تاب مقاومت نہ لا کر لاہور سے اجمیر کی طرف فرار ہوا کیونکہ اب وہ کشمیر کی جانب پناہ گزین نہیں ہو سکتا تھا جہاں کا راجہ پہلے ہی سلطان کا حلقہ بگوش بن چکا تھا۔

پنجاب کا الحاق سلطنت غزنی کے ساتھ

سلطان نے لاہور میں داخل ہو کر قیام کیا۔ پنجاب کے اضلاع میں عامل مقرر کر کے اپنے نام کا سکہ خطبہ جاری کیا اور اس وقت سے پنجاب سلطنت غزنی میں شامل ہوا اور سلطان اپنے عزیز غلام ایاز کو پنجاب کا صوبہ دار (گورنر) بنا کر غزنی میں واپس ہوئے۔

کالنجر اور گوالیار کی فتح صلحاً

۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے پھر ایک زبردست لشکر لے کر نندا راجہ کالنجر کی سرکوبی کے لئے غزنی سے کوچ کیا۔ راستہ میں گوالیار کے راجہ نے محمود کے لشکر کو روکا اور مقابلہ پر مستعد ہوا لیکن اس کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ محمود کی اطاعت ہی باعث فلاح وبہبود ہے۔

''چنانچہ اس نے پینتیس ہاتھی سلطان کی خدمت میں بطور نذرانہ بھیج کر امان طلب کی اور آئندہ مطیع ومنقاد رہنے کا وعدہ کیا'' (آئینہ ص ۱۹۸)

گوالیار سے سلطان کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ نندا راجہ کالنجر قلعہ میں بند ہو بیٹھا سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد راجہ نے عاجز ہو کر درخواست بھیجی کہ

''تین سو ہاتھی مجھ سے بطور نذرانہ قبول کئے جائیں اور میری جان بخشی اور تاج بخشی فرمائی جائے۔''

سلطان نے اس کی درخواست منظور کی اگلے دن راجہ نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ ہندی زبان میں لکھ کر بھیجا۔ سلطان کے ہمراہیوں میں جو لوگ ہندی زبان کو جاننے والے تھے انہوں نے سلطان کو اس کا ترجمہ سنایا اور نندا کی شاعری کی تعریف کی۔

سلطان نے خوش ہو کر اس قصیدہ کے صلے میں پندرہ قلعے ریاست کالنجر میں اپنی طرف سے شامل کر دیئے۔ نندا نے اس انعام سے متاثر ہو کر بہت سے قیمتی تحائف ونذرانے سلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ ہندو مؤرخ سجان رائے لکھتا ہے۔

''راجا نندا شعر ہندی بصارت متین واستعارات رنگین کہ پسندیدہ شعر فہمان خرد گزیں وگزیدہ سخندان دانش آئین بودہ باشد در مدح سلطانی نوشتہ ارسال داشت زبان دانانِ ہند مضمون آنرا بعرض رسانیدند۔ سلطان مسرت اندوز گشتہ تحسین نمودو بحلدوے آں منشور حکومت پانژدہ قلعہ ضمیمہ کالنجر نمودہ با تحائف دیگر مرحمت فرمودہ راجہ نندا نیز مال بسیار وجواہر بیشمار درعوض آں بخدمت سلطان مرسل نمودہ و سلطان بعد صلح بغزنی معاودت کرد۔''

صوبہ پنجاب ویوپی کی مکمل فتح
اور
ان کی اراضی سے متعلقہ نتائج

صوبہ سندھ وملتان کے متعلق پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلامی فاتحین نے وہاں کے باشندوں کی زمینیں انہی کی ملک میں بدستور قائم رکھ کر عشر یا خراج ان پر مقرر کر دیا نہ غانمیں میں تقسیم کی گئی نہ حکومت کی مِلک قرار دیا گیا۔

اب صوبہ پنجاب اور صوبہ یوپی کی فتوحات کا مفصل تذکرہ جو اوپر گذر گیا اس سے بدیہی طور پر واضح ہے کہ یہاں بھی اسی طرح باشندگانِ ملک کی زمینیں انہی کی ملک وقبضہ میں بدستور باقی رکھی گئیں۔ بلکہ ان سے عشر وخراج کا معاملہ بھی اسلامی سلطنت نے براہ راست نہیں رکھا بلکہ وہاں کے راجاؤں کو امن اور پروانۂ حکومت دے کر ان سے خراج مقرر کرلیا اور باشندگان ملک سے وہ بطور خود حسبِ دستور سابق لیتے رہے۔ پنجاب کا الحاق جب سلطنت غزنی کے ساتھ کیا گیا اس وقت سلطنت کی طرف سے اپنے عامل مقرر کیے گئے۔ لیکن باشندگان ملک کی ملکیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

سومنات و گجرات کی فتح

لفظ سوم ہندی میں چاند کو کہتے ہیں۔ تھانیسر کا بت سوم جگ اور گجرات کا بت سومنات کے نام سے اسی بنا پر موسوم تھا کہ ان کی نسبت چاند کی طرف کیجاتی تھی۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر ان دونوں بتوں کی پرستش خاص طور پر کی جاتی تھی۔ مشرکین عرب میں بھی چاند کے بت کو عام طور پر فضیلت حاصل تھی۔ ان دونوں بتوں اور ان کے بت خانوں کی بنیاد تقریباً ساتھ ساتھ رکھی گئی ہے۔ سومنات کی نسبت ہندو مؤرخ سبحان رائے لکھتا ہے

''گویند در زمان پیغمبر آں بت را از خانہ کعبہ برآوردہ درآنجا گذاشتہ اند''

تھانیسر کی فتح اور وہاں کے بت سوم جگ کے غزنی منتقل ہو جانے کے بعد اطراف ہندوستان کے ہندوؤں کا مرکز سومنات بن گیا تھا۔ متھرا، مہابن، تھانیسر کے برہمنوں نے بھی یہیں جا کر پناہ لی اور گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے خلاف شرانگیزی شروع کی۔ نیز سندھ وفارس و گجرات کے بقیۃ السیف قرامطہ بھی اسی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ شمالی ہند کے ہندو ہردوار سے گنگا کا پانی لے کر جاتے اور سومنات پر چڑھاتے تھے۔ راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر روز گنگا کا پانی سومنات پر چڑھانے کے لئے پہنچتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سومنات کا مندر کرشن کے زمانہ سے قائم تھا اور اسی لئے متھرا، مہابن تھانیسر کے لوگوں کو اس مندر سے قدیمی تعلق تھا۔ اس مندر میں پانسو نوجوان لڑکیاں سومنات کی خدمت کے لئے ایسی موجود رہتی تھیں جو راجاؤں اور بڑے بڑے ہندو سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ دو ہزار برہمن اس مندر کے پجاری تھے جو رات دن وہیں مصروف جرس نوازی رہتے تھے۔ ابوالقاسم فرشتہ لکھتا ہے۔

در ہماں سال کہ خمس وعشر ۴۱۵ھ واربعماتہ باشد بعرض محمود رسانیدند کہ اہل ہنود می گویند کہ ارواح بعد از مفارقت ابداں بخدمت سومنات می آیند واو ہر یکے را کہ زارواح بہ بدنے کہ لائق میداند حوالہ نماید۔ امابطریق تناسخ وہم چنیں معتقد ایشاں در حقِ سومنات آنست کہ مدوجزر دریا از برائے عبادت اوست و براہمہ می گویند کہ چوں سومنات ازاں بتہا کہ سلطان محمود شکستہ است رنجیدہ بود حمایت شان نہ کرد دالا دریک چشم زدن ہر کرا بخواہد ہلاک می تواند ساخت‘‘

حالاتِ مذکورہ کی بنا پر سلطان محمود غزنویؒ نے گجرات وسومنات پر حملہ کا قصد کیا اور ۱۰ شعبان ۴۱۵ھ کو غزنی سے مع لشکر کوچ کر کے ۱۵ رمضان کو ملتان پہنچے اور وہاں سے بیس ہزار اونٹوں پر پانی کی مشکیں لاد کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور اول انھلواڑہ (نہر والہ) دارالسلطنت گجرات پہنچے یہاں کا راجہ اس اچانک حملہ سے سراسیمہ ہو کر اور شہر چھوڑ کر کسی طرف بھاگ گیا۔ سلطان نے اس شہر میں قیام کرنے یا اس کو لوٹنے کا مطلق خیال نہیں کیا بلکہ نہر والہ سے سومنات کی طرف روانہ ہوا۔ سومنات میں دس ہزار سے زائد بہادر راجپوتوں کی فوج تھی اور حملہ کی خبر سن کر شہر کے باشندے بھی مسلح ہو کر مقابلہ پر مستعد ہو گئے تھے سلطان محمود کے ہمراہ تیس ہزار سپاہی تھے۔

شہر سومنات کے تین طرف سمندر ایک طرف خشکی تھی۔ اس خشکی کی جانب سے سلطانی لشکر حملہ آور ہوا۔ اور تینوں طرف کے دریائی محاذ پر جتنی کشتیاں تھیں سب پر اپنی فوج کو مسلط کر دیا تاکہ بحرین، خلیج فارس اور بحر عمان سے ان کو قرامطہ کی امداد نہ پہنچ سکے۔

سومنات والوں نے دو روز تک بڑی جانثروشی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تیسرے روز نہر والہ (پٹن) کے راجہ پرم دیو اور اسی نواح کے دوسرے راجہ دابشلیم نامی نے اپنی فوجوں کو (بطور کمک) فراہم کر کے سومنات کو بچانے کے لئے تیس چالیس ہزار فوج سے حملہ کیا۔ ادھر سلطان محمود سومنات کی فوج کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔ ادھر پیچھے سے یہ زبردست فوج آ گئی اور محمودی لشکر دونوں طرف سے گھر گیا۔ وقت بڑا نازک تھا لیکن محمود نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی اور فوج کے دو حصے کر کے ایک کو سومنات کے مقابلے پر رکھا اور دوسرے حصہ کو لے کر ان راجاؤں کی فوج پر خود حملہ آور ہوا سلطان نے تھوڑی ہی دیر میں ان فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی سومنات کی فوج نے ہمت ہار دی۔ محمودی لشکر فصیلِ شہر پر قابض ہو کر شہر میں داخل ہو گیا۔ [1]

---

[1] .... قدیم تاریخوں میں اس کو نہر والہ یا انھلواڑہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اب اس کا مشہور نام پٹن ہے جو کاٹھیاواڑ میں ریاست جونا گڑھ کا ایک قصبہ ہے شیخ محمد طاہر محدث مشہور عالم اسی شہر کی طرف منسوب ہیں کذافی معجم الامکنۃ ۱۲ محمد شفیع غفرلہ

سومنات کی فتح اور بت شکنی کے بعد سلطان محمود پرم دیو راجہ نہر والہ (پٹن) کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن وہ پہلے ہی نہر والہ سے تمام خزانہ اور زر و جواہر لے کر ساحل گجرات کے قریب کسی جزیرہ میں چلا گیا۔ محمود نے اس جزیرہ میں پہنچ کر محاصرہ کیا وہ وہاں سے بھی بھیس بدل کر خفیہ نکل بھاگا۔ اور اپنی جان بچا کر نکل گیا۔ مگر اس کا مال و اسباب سب سلطان کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد سلطان نے نہر والہ (پٹن) میں آ کر قیام کیا اور سومنات کے لوگوں کو بلا کر کہا۔

> ''تم کس کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہو۔ انہوں نے اپنے مندر کے ایک پجاری کا نام لیا جو راجہ دابشلیم کا بھائی تھا۔ اس نے دابشلیم سے خوف ظاہر کیا۔ محمود نے دابشلیم کو گرفتار کر لیا اور دابشلیم کے بھائی کو گجرات و سومنات کا فرمانروا بنا کر دابشلیم کو اپنے ہمراہ اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ جب دوسرے سال دابشلیم کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو اس نے دابشلیم کو گجرات و سومنات کی حکومت پر مامور کر کے غزنی سے روانہ کیا۔ (آئینہ حقیقت نما ۲۰۴)۔

اس حملہ میں سلطان محمود کے ڈھائی سال صرف ہوئے۔ وہ ۱۷ھ میں غزنی کو واپس پہنچے۔

اجمیر کی فتح صلحاً

اس حملہ میں واپس جاتے ہوئے اس نے راجہ اجمیر کی بھی گوشمالی کی اور اس سے اقرار و اطاعت لے کر اور تقریباً تمام راجپوتانہ کو اپنی حکومت میں شامل کر کے غزنی پہنچے۔ (آئینہ ص ۲۰۴)

سلطان محمود نے ہندوستان کے براعظم کے اکثر حصے سندھ، بلوچستان، ملتان، پنجاب و سرحد، یوپی، راجپوتانہ، گجرات، کاٹھیاواڑ کو زیرنگین لانے اور اسلامی مملکت بنانے کے بعد پنجشنبہ ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ (غفر اللہ وضاعف اجرہ وجزاہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء)۔

گجرات، کاٹھیاواڑ، راجپوتانہ کی اراضی سے متعلقہ نتائج

گذشتہ بیان میں سندھ، بلوچستان، ملتان، پنجاب و سرحد، یوپی کی زمینوں کے متعلق جو صورت معلوم ہوئی کہ مسلمان فاتحین نے باشندگانِ ملک کی زمینوں میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ وہ انہی کی ملک میں بدستور سابق چھوڑیں اور انہیں کے راجاؤں کو بدستور وہاں کا حکمران رکھ کر راجہ سے خراج مقرر کر لیا۔

بعینہ یہی صورت صوبہ گجرات وکاٹھیاواڑ اور تمام راجپوتانہ کی ہوئی۔

سلطان مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی اور فتوحات

۴۲۱ھ میں سلطان محمود غزنوی غازیؒ کی وفات ہوئی ان کے بعد صرف پچاس روز ان کے چھوٹے بیٹے محمد بن محمود تخت نشین رہے پھر بڑے بیٹے مسعود بن محمود تاجدار غزنی بنائے گئے۔ ایاز جن کو سلطان محمود نے پنجاب کا صوبہ دار مقرر کیا تھا ان کو سلطان مسعود نے اپنی مصاحبت کے لئے غزنی رکھنا پسند کیا اور پنجاب میں قاضی شیراز کو ہندوستان کی قضا پر اور احمد نیالتگین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ احمد نیالتگین اپنی فوج لے کر لاہور سے مشرق کی جانب روانہ ہوا اور کالنجر تک تمام راجاؤں کا خراج وصول کرتا ہوا چلا گیا۔

بنارس وغیرہ کی فتح صلحاً

راستہ میں وہ بنارس بھی گیا اور وہاں کے راجہ کو مطیع بنا کر خراج وصول کیا اور چھوٹے چھوٹے راجہ اور ٹھاکر جو ایسے رہ گئے تھے کہ ان پر نہ سلطان محمود نے کوئی حملہ کیا اور نہ اقرار فرمانبرداری لیا ان کو احمد نیالتگین نے اقرار اطاعت وفرمانبرداری اور خراج گذاری پر مجبور کیا اور اس طرح شمالی ہند میں بہار تک سلطنت غزنی کی باقاعدہ شہنشاہی اور سیادت قائم ہوگئی۔ (آئینہ ص ۲۰۷)

ہردوار کی فتح

۴۶۳ھ میں ہندوؤں نے پھر زور پکڑا تھانیسر وہانسی پر قبضہ کرلیا یہ حال سن کر سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی نے ۴۶۵ھ میں حملہ کیا اور ہندوؤں سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنے عامل مقرر کئے۔ ہردوار کا علاقہ بھی فتح کیا۔

دہلی کی فتح

راجہ تھانیسر نے ۳۸۳ھ میں دہلی کو آباد کیا تھا جب سلطان محمود غزنوی نے تھانیسر فتح کرلیا تو یہ راجہ وہاں سے بھاگ کر دہلی میں مقیم ہوگیا۔ ۴۳۷ھ میں اس کے بیٹے اننگ پال اوّل نے دہلی میں قلعہ اور سنگین عمارتیں قائم کیں سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنویؒ نے ۴۶۵ھ اس پر حملہ کر کے باجگذار بنالیا۔ پھر سلطنت غزنی کے ضعف کے زمانہ میں دہلی کے راجہ نے خودمختاری کا اعلان کردیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۸ھ میں پرتھی راج راجہ دہلی سے زبردست

مقابلہ کیا اور دہلی کو فتح کیا۔ پرتھی راج مارا گیا۔ اس کے بیٹے ابن جی کو سلطان نے دہلی کا راجہ بنا دیا اور اطاعت و خراجگذاری کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔ اس کے بعد سرستی، ہانسی، سامانہ، کہرام وغیرہ کو فتح کیا۔ پھر پرتھی راج کے دارالسلطنت اجمیر کی طرف گیا۔ شہر اجمیر کو سلطان نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ پرتھی راج کے بیٹے کولہ جی کو اجمیر کا راجہ بنا کر اور اقرار و اطاعت لے کر واپس چلا آیا۔ جب اجمیر سے واپس ہو کر دہلی کے قریب پہنچا پرتھی راج کے دوسرے بیٹے اپن جی نے سلطان کے پاس عاجزانہ درخواست بھیج کر جان و مال کی امان بھیجی۔ سلطان اس کو دہلی کا راجہ بنا کر شہر دہلی میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلا آیا اور قلعہ کہرام میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اس نو مفتوحہ علاقہ کا جو پہلے بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا عامل بنا کر غزنی کو واپس چلا گیا۔ اور اس دوران میں جن ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا ان سے خراج وصول کیا گیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت و شوکت پھر ہندوستان میں قائم ہوگئی۔ (آئینہ ص ۲۱۹ الی ص ۲۵۲)

(تنبیہ) خاندان غزنوی کے ختم یعنی ۵۹۰ھ تک مسلمانوں نے اپنی باقاعدہ سلطنت کو صرف سندھ، ملتان، پنجاب تک محدود رکھا۔ باقی صوبوں کو فتح کیا مگر ان کی ریاستیں بنا کر ہندو راجاؤں کو ان کی حکومت پر برقرار رکھا۔

خاندان غزنوی کا زوال اور خاندان غوری کی حکومت

سلطنت غزنی کے پڑوس میں ایک مختصر سی خود مختار ریاست غور کی قائم تھی جس کے حکمران مسلمان تھے اسی لئے سلطنت غزنی نے کبھی اس طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ریاست غور کے حکمران قرامطہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ اور دوسری طرف سلطنت غزنی اپنے آخری فرمانرواؤں کی کمزوریوں اور ہندوؤں پر اعتماد کی بنا پر انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ علاؤ الدین جہانسوز فرمانروائے غور جو قرامطہ کا ہم عقیدہ تھا اس نے موقع پا کر غزنی پر حملہ کیا۔ سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ خسرو شاہ کو مقابلہ میں شکست ہوئی۔ علاؤ الدین نے تمام ملک غزنی میں وہ تباہی و بربادی پھیلائی کہ اس کا نام جہانسوز مشہور ہو گیا اور انجام کار غور اور غزنی کی دونوں سلطنتیں اس کے قبضہ میں آ گئیں۔ ۵۵۱ھ میں یہ جہانسوز دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا سیف الدین محمد اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ مگر بیٹا اپنے عقائد میں اپنے باپ سے مختلف رہ کر صراط مستقیم پر قائم تھا۔ اس نے غور اور غزنی سے قرامطہ کا استیصال کیا۔ اب غور اور غزنی کی فرمانروائی

اسی غوری خاندان میں منتقل ہو چکی تھی۔ ۵۶۷ھ میں سلطان غیاث الدین غوری اس تخت کا وارث ہوا اور اس نے شہاب الدین غوری اپنے بھائی کو غزنی کا خود مختار حاکم بنا دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے سلطنت غزنی کے ماتحت صوبجات سندھ، ملتان، پنجاب کی خبر گیری شروع کی اور سلطنت غزنی کے کمزور ہو جانے سے جو خود مختاری یہاں کے امراء میں آ گئی تھی اس کو ختم کر کے باقاعدہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ ملتان پر پھر قرامطہ کا غلبہ ہو چکا تھا اس پر حملہ کر کے پھر اس کو ان سے آزاد کیا اور علی کرماخ کو ملتان کا عامل مقرر کیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جتنے ہندوستان پر ہوئے وہ عموماً انہی صوبجات اور بلاد پر تھے جو سلطنت غزنی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے مگر پھر اس سلطنت کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے راجاؤں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ جدید فتوحات کی سلطان شہاب الدین کو بہت کم نوبت آئی۔

سلطنت غلاماں، قطب الدین ایبک وغیرہ

سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو قلعہ کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ ۵۸۸ھ میں راجہ میرٹھ جو پرتھی راج کا رشتہ دار تھا اس نے دہلی کے راجہ اپن جی کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کر کے قطب الدین ایبک پر جو کہ سلطنت غزنی کا عامل تھا حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں قطب الدین ایبک نے اس کی خبر پا کر پیشقدمی کی اور ۵۸۹ھ میں خود حملہ کر کے میرٹھ، دہلی، علی گڑھ کو فتح کر لیا اور بجائے کہرام کے دہلی کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔

ہندوستان میں مستقل اسلامی دارالحکومت دہلی ۵۸۹ھ میں

غزنی اور غوری سلطنت کے دونوں عہدوں میں شاندار فتوحات کے باوجود سلاطین اسلام نے ہندوستان کے راجاؤں کو ان کی حکومت سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ صرف اقرار اطاعت و باجگذاری لے کر چھوڑ دیا۔ اور ان کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھا۔ اور پھر بار بار ان سے بغاوتوں کو صدور ہونے اور سلطانی حملوں سے مقہور و مغلوب ہونے کے باوجود ان کو ہر مرتبہ ان کی اپنی اپنی حکومت پر برقرار رکھا گیا۔ لیکن قطب الدین ایبک جو سلطان شہاب الدین غوریؒ کے غلام اور ان کی طرف سے ہندوستان کے بعض علاقوں کے عامل تھے۔ ان کے عہد میں جب پھر بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلے تجارب اور واقعات ان کے سامنے تھے اب ان کو یہ طے کرنا پڑا کہ جو راجہ

بغاوت پر کمر بستہ ہو اس کا علاقہ فتح کر کے بلا واسطہ سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ ابن جی پسر پرتھی راج دہلی نے بغاوت کی تو اس کو حکومت سے ہٹا کر دہلی کو بلا واسطہ سلطنت غزنی سے ملحق کر دیا اور دارالامارت بنا دیا۔ اسی طرح میرٹھ، علی گڑھ کے راجاؤں نے بغاوت کی تو ان کو سزا دے کر ان علاقوں پر بھی بلا واسطہ خود حکومت شروع کر دی۔ اسی طرح قنوج، کالپی، کالنجر، بنارس، گوالیار، بدایوں، صوبہ گجرات کے راجاؤں نے سرکشی کی تو ان کو ہٹا کر یہ مقامات بھی شامل سلطنت دہلی کر لئے گئے۔

کولہ جی پسر پرتھی راج راجہ اجمیر اپنے عہد پر قائم رہا اس لئے قطب الدین ایبک نے اس کو بدستور قائم رکھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی پرتھی راج کے بھائی جے چند نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ راجہ گوالیار اور راجہ بدایوں کے علاوہ اودھ، بہار کے چند راجاؤں کو اپنی امداد کے لئے جمع کر لیا اور یکبارگی قطب الدین ایبک پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ قطب الدین ایبک نے اس کی اطلاع سلطان کے پاس بھیجی۔ سلطان یہ اطلاع پاتے ہی ہند کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر قنوج کے راجہ جے چند کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔ قطب الدین ایبک کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بطور ہراول آگے چلنے کا حکم دیا۔ جے چند نے مقام چندواڑہ میں جو اٹاوہ سے جانب شمال ہے، اپنی فوجیں آراستہ کر کے مقابلہ کیا۔ قطب الدین کے ہراول دستے نے بڑے لشکر کا انتظار کئے بغیر ہی ان پر حملہ کر دیا، اور سلطان کے میدان جنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی جے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا اور جے چند قطب الدین ایبک کے تیر سے مارا گیا۔ سلطان قنوج پر قبضہ کر کے بنارس پر بھی جو کہ جے چند کا مقبوضہ تھا حملہ آور ہوا۔ بنارس کے بعد گوالیار اور بدایوں وغیرہ کئی قلعوں کو فتح کیا اور سب جگہ اپنا عامل مقرر کر کے اسلامی حکومت قائم کی۔ اسی طرح شمالی ہند کا ایک بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ پنجاب، ملتان، سندھ تو پہلے ہی اسلامی حکومت کے صوبے تھے اب وہ ملک بھی جس کو آج کل صوبہ متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔ قطب الدین ایبک کی قابلیت سرداری چونکہ اب اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی لہٰذا سلطان نے قطب الدین ایبک کو تمام مقبوضات ہندوستان کا حاکم اور وائسرائے بنا دیا۔ اور ۵۹۱ھ میں غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ (آئینہ ص ۲۵۳)

فتح بہار و بنگال و آسام و تبت وغیرہ محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر

غور کے نواح میں جو قبائل آباد تھے ان میں ایک قبیلہ خلجیوں کا بھی تھا۔ اس قبیلہ کے اکثر افراد

سلطان شہاب الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں نوکر تھے۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص محمد محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج کے علاقہ میں ایک جاگیر حاصل کر سکا۔ جب محمد محمود کا انتقال ہو گیا تو یہ جاگیر اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں اپنے لئے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر اس جاگیر کو چھوڑ دیا۔ اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین اغلیک کے پاس پہنچا۔ اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصہ میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار نے ملک حسام الدین کو کئی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اتنا مہربان کر لیا کہ اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

بہار کی فتح

اب محمد بختیار نے موقع پا کر ملک بہار کے علاقہ پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا اور اس ملک کے ہندو راجہ سے کئی قلعے چھین لئے جس سے محمد بختیار کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اور اس قوم کے آدمی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، ہر طرف سے آ آ کر محمد بختیار کے پاس جمع ہو گئے اور بختیار کی اولوالعزمی اور بہادری کی خبر جب ملک قطب الدین ایبک وائسرائے ہند کو پہنچی تو اس نے بہادر سپاہی کی قدر دانی اور عزت افزائی کو ضروری سمجھ کر دہلی سے اس کے لئے خلعت و انعام بھیجا۔ اور ملک حسام الدین اغلیک عامل اودھ کو لکھا کہ اس بہادر کی قدر دانی وعزت افزائی کا ضرور خیال رکھو۔

اس طرح صاحب عزت اور صاحب علم طبل ہو کر محمد بختیار نے بہار کے علاقہ پر باقاعدہ حملہ شروع کر دیا اور صرف ایک سال کے اندر بہار کا ملک فتح کر کے قلعہ بہار پر بھی قبضہ کر لیا قلعہ بہار کی تسخیر کے وقت محمد بختیار خلجی کے ساتھ کل دوسو آدمی کی فوج تھی۔ اس وقت بہار کی سلطنت بدھ مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ فتح بہار کے بعد قطب الدین ایبک نے محمد بختیار خلجی کو اپنے پاس دہلی بلوایا اور خلعت وخطاب دے کر بہار کا گورنر مقرر کر دیا۔

بنگال کی فتح

محمد بختیار نے واپس آ کر ملک بہار میں اپنی طرف سے عامل مقرر کئے اور انتظام ملکی سے مطمئن ہو کر بنگال کی طرف بڑھا۔ بنگال کا دارالسلطنت اس زمانہ میں شہر نودیہ تھا۔ نودیہ کا راجہ

لکشمن جو لکھمینہ کے نام سے مشہور تھا۔ محمد بختیار خلجی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ محمد بختیار جب ندیہ کے قریب پہنچا تو اپنی فوج پیچھے چھوڑ دی اور صرف اٹھارہ آدمی لیکر شہر ندیہ کے اندر داخل ہوا۔ شہر ندیہ کے دروازے پر محافظوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی سوداگر یا مسافر ہیں جو اس طرح بے تکلف شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان کو نہ روکا۔ ان اٹھارہ بہادروں نے راجہ کے محل سرائے کے دروازہ پر جا کر محل سرائے کے دربانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس وقت لکھمینہ رسوئی میں کھانا کھا رہا تھا۔ شور وغل کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ مسلمان آپہنچے۔ اس قدر حواس باختہ ہوا کہ فوراً اٹھ کر سرنگ کے راستے سے اپنے محل سے بھاگا اور ندیہ سے فرار ہو کر اڑیسہ کے شہر کٹک کے ایک مندر میں پناہ لی۔ اور پجاریوں میں شامل ہو کر بقیہ عمر گزاری۔

محمد بختیار نے محل میں داخل ہو کر دیکھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا رکھا ہے جس کو چھوڑ کر راجہ بھاگ گیا ہے۔ اس طرح بلا کشت وخون بڑی آسانی سے مسلمانوں کا بنگال پر بھی قبضہ ہو گیا۔

محمد بختیار نے ندیہ کو چھوڑ کر مقام لکھنوتی کو بنگالہ کا دارالحکومت قرار دیا غالباً یہی مقام لکھنوتی ہے جس کو آج کل ڈھاکہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آسام کی فتح صلحاً

لکھنوتی میں محمد بختیار اپنا نائب مقرر کر کے خود دس ہزار کا لشکر لے کر آسام کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ آسام (کامروپ) کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔

طبقات ناصری کی روایت کے مطابق ملک (کامروپ) میں کوچ، میچ، تھارو تین قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے کوچ اور میچ کا سردار جو میچ قوم سے تعلق رکھتا تھا، محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر برضا ورغبت مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ منہاج السراج کے الفاظ یہ ہیں

> "دراطراف آں کوہا کہ درمیان تبت و بلاد لکھنوتی ست سہ جنس خلق اند یکے را کوچ دوم را میچ وسوم را تھارو۔ ہمہ ترک چہرہ اند وایشاں راز بانے دیگر است میان لغت ہند وتبت یکے از روسائے کوچ ومیچ کہ اوراعلی میچ گفتندے بر دست محمد بختیار اسلام آوردہ بود"

تبت کی فتح

اس کے بعد بختیار نے دریائے برہمتر کو عبور کر کے ملک تبت پر حملہ کیا دریا کو عبور کرنے کے

بعد پندرہ روز تک برابر پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں لشکر اسلام کو سفر کرنا پڑا سولہویں روز تبت کے علاقہ میں پہنچے۔ سامنے ایک مضبوط قلعہ آیا وہاں کے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی کے بعد اس قلعہ کو فتح کیا۔ وہاں سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر کرم پٹن نامی ایک شہر تھا جس میں دشمنوں کی ایک زبردست فوج موجود تھی۔ مگر اس طویل وشدید سفر اور جنگ میں محمد بختیار کی بہت سی فوج ضائع ہو چکی تھی۔ اس لئے اس طرف پیشقدمی کرنا اس وقت مناسب نہ سمجھا اور یہیں سے واپس ہو گئے۔ اس وقت محمد بختیار کی ان کوششوں سے پورا شمالی ہند اور اس کے سب صوبے ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو گئے اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے دکن اور مدراس کے سوا پورا سلطنت دہلی کے زیر نگین آ گیا۔ واپسی میں دیوکوٹ پہنچ کر محمد بختیار سخت بیمار ہو گئے۔ اس بیماری میں بار بار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری پر کوئی مصیبت پہنچی ہے اسی لئے مجھ پر بھی یہ مصیبت آئی ہے۔ چنانچہ محمد بختیار اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ۶۰۲ھ میں فوت ہو گئے اور محمد بختیار کا یہ احساس بھی صحیح تھا کہ سلطان شہاب الدین کو کوئی مصیبت پہنچی ہے، کیونکہ سلطان موصوف بھی انہی دنوں میں شہید ہوئے۔ (آئینہ ص ۲۵۸)

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت، ملاحد الموت سے مقابلہ اور گھکڑوں کا اسلام

شہاب الدین غوری کے عہد میں ملاحدہ کا فتنہ اٹھا جو شاہ الموت کے زیر ہدایت جا بجا مسلمانوں کے لباس میں پھیلے ہوئے موقع کے منتظر تھے۔ انہوں نے ۶۰۰ھ کے اواخر میں اور ۶۰۱ھ کے شروع میں ملتان، پنجاب کے اندر ایک اودھم مچا دی اور امن وامان برباد کر دیا۔ سلطان شہاب الدین کی ساری عمر زیادہ تر انہی کے فتنہ کے استیصال میں گذری تھی۔ اب پھر سندھ و ملتان اور مغربی پنجاب میں ان کا زور دیکھ کر اس طرف آنا پڑا۔ ادھر دہلی سے قطب الدین ایبک پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو اور جو ان کی حمایت کرتے تھے ان کو سزائیں دیں اور ان بلاد کا امن وامان بحال کیا۔

ان کی حمایت کرنے والوں میں ایک قوم گھکڑ یا کھوکھر کے نام سے موسوم غیر مسلم زنار دار تھی ان کا پیشہ رہزنی تھا اور مسلمانوں کے قتل کو ثواب جانتے تھے۔ اسی لئے ان ملاحدہ کو ان کے اندر خوب رسوخ حاصل تھا۔ ایک مسلمان اتفاقاً ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جس کو انہوں نے بجائے قتل

کرنے کے قید کر دیا۔ اس مسلمان قیدی کے اوضاع و اطوار حرکات سکنات اس شخص کو بہت پسند آئے جس کے ہاتھ میں یہ مسلمان قید تھا قیدی نے موقع پا کر اسلام کی تبلیغ و تلقین شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھگڑ نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ قیدی نے سلطان کے پاس یہ خبر بھجوائی۔ سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اس نومسلم گھگڑ کو اس علاقہ کا حاکم بنا دیا تا کہ وہ خود اپنی قوم کا بندوبست کر سکے اور قتل و غارت گری سے یہ قوم باز آئے۔ اس نومسلم گھگڑ کی کوشش سے کئی لاکھ گھگڑ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر بہت شائستہ زندگی بسر کرنے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے ان میں ایک عورت کو متعدد شوہر کرنے اور دختر کشی وغیرہ کا عام رواج تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندو قوموں میں اسلام کس طرح پھیلا ہے اور مسلمان بادشاہوں نے کہاں تک لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے۔

سلطان شہاب الدین کے لشکر میں حضرت امام رازیؒ کا درس اور سلطان کی شہادت ملاحدہ کے ہاتھ سے

امام فخر الدین رازیؒ جو علماء اسلام میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں اور فلاسفہ اسلام میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ سلطان شہاب الدین کے مخصوص لشکر میں ساتھ رہتے تھے۔ سپاہیوں کو روزانہ درس دیتے اور نمازوں کی امامت کرتے تھے۔ ان کے درس میں مسلمان بڑے شوق سے جوق در جوق شریک ہوتے تھے۔ ملاحدہ کے چند لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کے درس میں شریک ہو گئے۔ یہ ملاحدہ چونکہ اسلامی لباس میں تھے اور اسلامی طریقوں سے بود و باش کرتے تھے اور جب مسلمانوں میں شامل ہوتے تو اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا عابد و زاہد ثابت کرتے تھے۔ اس لئے عام مسلمان ان کے شر سے واقف نہ ہوتے۔ اور بعض اوقات سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہو جاتے تھے۔ اور یہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ یہ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔

سلطان شہاب الدین ان کے فتنہ اور شرارت سے واقف اور ان کی بیخ کنی پر ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔ لیکن یہ اپنی منافقانہ چالوں سے اس کے لشکر میں موجود رہتے تھے۔

سلطان لاہور سے روانہ ہو کر جس وقت مقام دمیک میں جو پنجاب کے ضلع جہلم میں بتایا جاتا ہے پہنچا اور دریائے جہلم کے کنارے سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا، تو رات کے وقت ان ملاحدہ نے جو سلطانی لشکر میں موجود اور ان میں سے بعض دربانی کی خدمت پر بھی مامور تھے، موقع پا کر سلطان کے قتل کی قرارداد پر عمل کیا اور خنجر سے سلطانی خیمہ کو چاک کر کے دس بیس ملاحدہ اندر داخل ہوئے

اور سوتے ہوئے سلطان کو چھریوں سے شہید کر ڈالا۔ پھر خیمہ کے اسی شگاف سے نکل کر بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض بھاگتے ہوئے پکڑے گئے اور پہچانے گئے تو وہی اشخاص تھے جو حضرت امام فخر رازی کے درس میں بڑی عقیدت اور شوق گرویدگی سے شامل ہوا کرتے تھے۔ اور اسی لئے امام صاحب کے مقرب اور خدام خاص سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر لوگوں کو امام رازی پر یہ بدگمانی ہوئی کہ ملاحدہ سے ان کا تعلق ہے اور یہ بھی اس قتل کی سازش میں شریک ہیں۔ اسی شبہ میں حضرت امام بھی گرفتار کئے گئے۔ مگر پھر تحقیق کے بعد حقیقت حال ظاہر ہوئی کہ حضرت امام ان کی منافقانہ چالوں سے تمام عمال حکومت کی طرح بے خبر اور بے تعلق تھے۔ آپ کو آزاد کر دیا گیا۔

سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا رقبہ

۳ شعبان ۶۰۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوریؒ شہید ہوئے۔ اس وقت ہندوستان کے مستقل دار الحکومت دہلی کے ماتحت تمام سندھ، ملتان، پنجاب، ممالک متحدہ آگرہ واودھ گجرات، بہار، بنگال، آسام، تبت تک آچکا تھا اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان کہا جاتا ہے اس میں سے صرف دکن اور مدراس باقی تھے۔ اس سے ہوا پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت آب و تاب کے ساتھ قائم ہوگئی تھی۔ اور ملک قطب الدین ایبک سلطان شہاب الدین کی طرف سے اس سلطنت کے وائسرائے مقرر تھے۔

ہندوستان کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت ۶۰۲ھ

سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ انہوں نے اپنے غلاموں کی تربیت بیٹوں کی طرح کی تھی چنانچہ ان کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک، تاج الدین یلدوز ناصر الدین قباچہ ہی ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے والی ہوئے انہی کے زمانہ میں ہندوستان کی سلطنت، سلطنت غزنی سے علیحدہ ہو کر مستقل اور خودمختار قرار دی گئی۔ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے سلطان محمود نے دار السلطنت فیروز کوغزنی سے ملک قطب الدین ایبک جو اب تک ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک شقہ اور چتر شاہی بھیجا۔ شقہ میں لکھا ہے، آپ شوق سے اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقب کریں اور ہندوستان میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس سند حکومت اور چتر شاہی آنے پر

سلطان قطب الدین نے دہلی سے لاہور جا کر ماہ ذیقعدہ ۶۰۲ھ مراسم تخت نشینی ادا کیے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۶۳) اور ہند کی مستقل خود مختار اسلامی سلطنت کا پہلا دور یہاں سے شروع ہوا۔

سلطنت غلاماں

قطب الدین ایبک سے ہندوستان میں جس خاندان سلطنت کی بنا پڑی وہ غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، رضیہ سلطانہ، بہرام شاہ، علاؤ الدین مسعود، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیقباد، کل دس بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ اور ۶۰۳ھ سے ۶۸۹ھ تک چھیاسی سال حکومت کی۔

(ف) اس زمانہ میں مصر کے اندر بھی اسی قسم کے غلاموں کی حکومت تھی۔ ہندوستان اور مصر کے غلاموں کی شہنشاہی پر غور کرنے سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے تھے اور غلاموں کے لئے اسلام نے کہاں تک ترقی کی راہیں کشادہ رکھی ہیں۔

ہندوستان میں غلاموں کے اس خاندان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین اور غیاث الدین بلبن تینوں [1] بادشاہوں نے بیس بیس سال یا اس سے زیادہ مدت تک حکومت کی۔ تینوں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ مل کر ستر سال ہوتا ہے۔ باقی سولہ سال میں سات بادشاہوں کی حکومت پوری ہوئی۔

سلطنت غلاماں کی چند خصوصیات

(۱) ان غلام سلاطین نے اپنے پورے عہد حکومت میں مفتوحہ علاقہ پر حکومت قائم رکھ کر امن و امان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں پوری ہمت صرف کی۔ نئے ملکوں کو فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔

(۲) اس خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے عہد میں مسلمانوں کے اندر صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت و اہلیت رکھتا تھا اس کو حکومت کرنے کی آزاد مہلت ملی اور جو بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نااہل ثابت ہوا تو فوراً مسلمان سرداروں نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو تخت پر بٹھایا۔

[1] قطب الدین ایبک کا زمانہ حکومت بیس سال کا ہے لیکن اس کے ابتدائی سولہ برس سلطنت غزنی کے ماتحت وائسرائے کی حیثیت میں تھے خود مختار سلطان ہند ہو کر صرف چار سال زندہ رہے۔ ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر لاہور میں وفات ہوئی یہیں دفن ہوئے۔ ۱۲ آئینہ ۲۶۴

(۳) اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کیساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایک خود مختار بادشاہ بنے قطب الدین کے بعد جب ان کی اولاد کو نالائق دیکھا گیا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا۔ پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی۔ تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اسی طرح پھر بلبن کی اولاد میں قابلیت سلطنت نہ دیکھی تو یہ تخت سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔

(۴) اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے لئے ایسے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سند حکومت بھیجی۔ جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کر کے جشن ترتیب دیا۔ یہ سلطان بڑا خدا ترس، رحمدل، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا۔ اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ انکی وفات ہو گئی۔ ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے تین درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوت الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے۔ حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کے عہد میں منڈاور ضلع بجنور جو قدیم عہد سے بودھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا اس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کر کے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کر دی تھی۔ ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کر کے قلعہ منڈاور کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دیں۔ منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان　　　التمش کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوت الاسلام کے متصل غیر مسقف آج تک موجود ہے۔ (آئینہ ص ۲۶۸)

(۵) شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا مگر اس نے فضول خرچی اور بدنظمی شروع کی تو امراء سلطنت نے اس کو معزول کر کے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ اس نے اپنی

بہادری اور ہوشمندی سے بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا۔ مگر بعد میں ہند وفوج اور افسران فوج پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بنا پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۸ھ میں شہیدہ ہوگئی۔ اس کے بعد دو سال معزالدین بہرام شاہ نے پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤالدین مسعود نے حکومت کی یہ بھی معزول کیے گئے

(۶) اس کے بعد التمش کے بیٹے ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے اس نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے۔ ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کو فرو کرنے ہی میں گذرا۔ یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں کی زرق برق لباس اور بجلی ہتھیاروں سے آراستہ فوج اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سلسلہ میں گذارتے ہوئے اس کو دربار شاہی میں لایا گیا جہاں سونے چاندی اور جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات ومشائخ وقضاۃ وعلماء کی صف تھی دوسری جانب ان پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان، ایران وعراق، آذربائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو انہی تاتاری مغلوں کے ہاتھ برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ایک قطار ہندو راناؤں راجاؤں جو تخت شاہی کے گرد تھی۔ اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لئے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور اپنے اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔

(۷) سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر اپنی گذر کرتا تھا۔

(۸) اس کی ایک بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکانے کے لئے کوئی خادمہ رکھ دیجئے سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں۔ رہا شاہی خزانہ، وہ سب رعایا کا مال ہے میں اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کیلئے نہیں لے سکتا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ ان کی اولاد میں کوئی شخص تخت وتاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا اس لئے امراء سلطنت نے باتفاق

رائے وزیر سلطنت الغ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب دے کر تخت سلطنت پر بٹھایا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

(۹) سلطان التمش کے غلام اور ہم قوم تھے ان کا دور حکومت بھی ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ عدل وانصاف میں کسی بڑے سے بڑے سردار کی پرواہ نہ تھی۔ فسق وفجور اور بے حیائی کے کاموں کا اس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔ نہایت عابد زاہد متقی بادشاہ تھا۔ علماء کی مجلس میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا تھا اور وعظ ونصیحت سن کر اکثر زاروزار رونے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ رعب سلطانی کا یہ عالم تھا کہ حسب تحریر ضیاء برنی بڑے بڑے ارباب حکومت جب اس کے دربار میں آتے تو رعب سے مدہوش ہو جاتے تھے ۔ (آئینہ ۲۸۳)

(۱۰) سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہمایوں میں یہ پہلا عہد تھا جس میں بیرونی حملوں سے اطمینان ہندوستان کو نصیب ہوا اور اندرونی رفاہ عام اور رعایا کی صلاح وفلاح کے کاموں کی طرف پوری توجہ دی گئی۔ اس عہد کے وزیر اعظم خواجہ زکی تھے جو خواجہ حسن بصریؒ کے ہمشیر زادے تھے۔ اس عہد ہمایوں میں دہلی میں بڑے بڑے علماء مشائخ اور ہر علم وفن کے باکمال استاد موجود تھے۔ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنجؒ حضرت شیخ صدرالدین ابن شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ بدرالدین غزنوی خلیفہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرہ مشائخ اس سلطان کے ہم عصر تھے۔ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور مہذب طرز زندگی کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ یہاں کے ہندو اسلام سے واقف ہونے کی کوشش نہ کرتے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ٹوانہ قوم کا مورث اعلیٰ ہندو راجپوت حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ کے ہاتھ پر برضا ورغبت مسلمان ہوا جسکی اولاد آج تک پنجاب کے ضلع شاہ پور وغیرہ میں آباد ہے۔ اسی زمانہ میں سیال، گھیبے، کھوکھر، بھٹی، جاٹ وغیرہ قومیں انہی مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہوکر پنجاب میں مسلمان ہونے لگیں۔

جواہر فریدیہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی سولہ قومیں حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں ۔ سلطان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے اندر اسلام کو قدرتی طور پر رسوخ حاصل کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ سلطان ناصرالدین محمود کا آخری عہد اور سلطان بلبن کا پورا دور حکومت ہی ایسا زمانہ تھا جس میں سلطنت اسلامیہ نے ایک سکون کا وقت پایا۔ اور تمام تر ہمت رعایا کے امن و اطمینان اور رفاہیت وآرام کے لئے صرف کی۔ (آئینہ ۲۸۶)

غلاموں کی سلطنت کے چھیاسی سال اور اس کے بعد خاندان خلجی کے ابتدائی دور یعنی ۶۹۴ھ

تک کا زمانہ جو تقریباً سو سال ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے حدود و رقبہ کے اعتبار سے ایک جمود کا زمانہ ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت جس قدر رقبہ زیرنگین آچکا تھا اس پوری صدی کے مسلمان سلاطین اس کو تھامنے اور برقرار رکھنے میں مشکل سے کامیاب ہو سکے۔ دکن اور جنوبی ہند کے ممالک کی طرف رخ کرنے کا کسی کو موقع نہیں ملا۔ کیونکہ یہ پوری صدی بیرونی اور اندرونی فتنوں اور طوفانوں سے اس طرح گھری رہی کہ ان میں سے کسی بادشاہ کو ان کے سلجھانے اور قابو میں لانے کی فرصت نہیں ملی۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین غوریؒ جس فتنہ کے استیصال میں عمر بھر مشغول رہے اور آخر کار اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے یعنی "ملاحدہ الموت کا فتنہ"، اس کا بڑا حصہ اگرچہ سلطان کی کوششوں سے ختم ہو چکا تھا مگر اس کے ریشے ابھی تک ہندوستان کے اطراف خصوصاً نواح دہلی میں پھیلے ہوئے تھے اور ملتان پنجاب تو ان کا گھر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد غلام خاندان کے بادشاہوں کو ان سے مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ تا آنکہ تاتاری مغلوں کے سیلاب نے ۶۵۵ھ میں ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ غورشاہ کو گرفتار کر لیا۔ اور ملاحدہ کے فتنہ سے عالم اسلامی نے نجات پائی۔ لیکن اب مغلوں کا فتنہ اس کے قائم مقام ہو گیا جو انجام کار سارے فتنوں سے زیادہ اشد ثابت ہوا۔ اس فتنہ نے ٹھیک اسی سال جنم لیا تھا جس سال ہندوستان کی سلطنت تخت غزنی کی ماتحتی سے آزاد ہو کر مستقل ہوئی اور ملک قطب الدین ایبک اس کے خودمختار سلطان تسلیم کئے گئے۔ یہ فتنہ مغولان چنگیزی کا تھا جو فتنہ تاتار کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ ملک قطب الدین ایبک کا جشن تاجپوشی ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں ہوا اور رجب ۶۰۲ھ میں تموچین نامی مشہور چنگیز خاں نے مغولستان میں اپنی خودمختار حکومت کا اعلان کر دیا ان تاتاری مغلوں کا اصل مذہب بودھوں کے مذہب سے ملتا ہے۔ یہ مورتیوں کو پوجتے تھے اور کچھ ان میں آتش پرستی شامل ہو گئی تھی۔ دوسری طرف ان لوگوں نے محض مکروفریب سے یہ تلبیس بھی کر لی کہ بعض جگہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لباس اور وضع میں پیش کیا جس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"چنگیز خاں اور اس کے ساتھ والے مسلمان لوگ نہ تھے بلکہ ایک قسم کے بودھ کا دین رکھتے اور مورتیوں کو پوجتے تھے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۱)

سرڈی منگیزی داس یورپی مصنف اپنی "تاریخ داس" میں لکھتا ہے کہ

"ملک روس پر فرقہ پلافستی صاحب اقتدار تھا اس فرقہ نے ۶۶۱ھ میں مستسلاف

حاکم کلیشیا کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قوی دشمن یعنی تا تار نے تاخت کی ہے۔ جنوب سے بھی اور شمال سے بھی۔ یہ لوگ دیکھنے میں عجیب نظر آتے ہیں گندم رنگ، کوچک چشم موٹے موٹے ہونٹ چوڑے چوڑے شانے، کالے کالے بال...... ان سفیران نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ملک پر کل تمہارے ملک پر ہوگا۔ مستسلاف جانتا تھا پلاؤفسٹی ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے ہیں لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو مساوی اندیشہ ہے لہٰذا مدد پر آمادہ ہو گیا اور گردونواح کے امیروں کو بھی ہمراہ کرلیا۔ مقابلہ ہونے پر سب نے تا تاریوں سے شکست کھائی۔ تا تاریوں نے پولینڈ، ہنگری، سرویا تک کے ممالک کو برباد و غارت کر کے دریائے والگا کے جنوبی ملکوں میں آ کر اس کے امراء کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خان کی خدمت میں آ کر حاضری دو۔ روسیوں کو اول معلوم نہ تھا کہ یہ قوی دشمن کون ہے۔ کہاں سے آئے ہیں اور کیا مذہب رکھتے ہیں۔ نہ صرف کشور، روس میں انہوں نے استیلاء پایا بلکہ ان کی وجہ سے مغربی یورپ اور انگلستان میں خوف کا لرزہ پیدا ہو گیا۔ یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیا میں پھیلا ہوا تھا اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا تھا۔ اور اصل چین کے شمالی پہاڑوں میں دریائے آمور کے منبع کے قریب رہتا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) کے اختتام پر ان میں ایک آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا۔ یہ دیو ہیکل آدمی چنگیز خان تھا۔ گردونواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں شامل کر کے شمالی چین کے بڑے ملک پر قابض ہو گیا اور اپنا ایک سردار روس کی فتح کے لیے نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا۔ چنگیز خان نہ صرف ظالم و سفاک تھا بلکہ ایک عظیم الشان ناظم و مقنن بھی تھا۔ چنگیز خان کے پوتوں میں سے ایک نے سرحد روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور پر اس کا نام جماعت طلائی مشہور تھا۔ والگا کی جانب جنوب میں ایک دارالسلطنت آباد کیا جس کا نام سرائی تھا۔ اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔ (از آئینہ حقیقت نما ۲۹۲)

یہی فتنہ تا تار یورپ و ایشیاء کے ممالک پر عام ہوتا ہوا خلافت عباسیہ بغداد کی تباہی کا سبب بنا۔ بغداد میں ایک ماہ تک مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان کی تلوار سے

شہید ہوئے۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف شہر بغداد کے محاذ پر ایک کروڑ آٹھ لاکھ مسلمان شہید کیے گئے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۱۱۵ ج ۲)

سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس طرح یہ تاتاری طوفان گویا دنیا کے سب گوشوں پر چھا گیا۔ اس کی زد سے اگر بچا تو صرف ہندوستان اور مصر۔ اور یہ بھی عجائب عالم سے ہے کہ یہ دو ملک جو اس طوفان کی رو سے بچے دونوں پر غلاموں کی سلطنت تھی۔ صرف انہی کی دو سلطنتیں ان کے مقابلہ میں فتحمند اور کامیاب ہوئیں۔ جس کا کھلا ہوا سبب مورخین کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان غلام بادشاہوں میں دینداری، مذہب پرستی، اور خدا ترسی غالب تھی۔ اور ان کے سوا مسلمان بادشاہوں میں بھی عام طور پر عیش پرستی اور حبِ دنیا غالب تھی وہ مذہب اور خدا ترسی کے اصول سے دور جا پڑے تھے۔

اس جگہ فتنہ تاتار کی تاریخ لکھنا نہیں کہ یہ خونین داستان ہے جو ایک مستقل تصنیف کو چاہتی ہے اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف لکھی بھی ہیں۔ اس جگہ تو صرف بتلانا منظور تھا کہ ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت کو اپنی عمر کی پہلی ہی منزل میں کس قدر سخت طوفانِ حوادث سے دو چار ہونا پڑا اور یہ کہ مسلمانوں کے غلاموں نے ان حوادث کا کس طرح مقابلہ کیا۔

غلام سلاطین کے اس احسان عظیم میں ہر ایک ہندی انسان کا ذرہ ذرہ دبا ہوا ہے کہ انہوں نے تاتاری مغلوں کو پنجاب اور ملتان کی جانب بھی اور بنگال و آسام کی جانب بھی ہندوستان کے اندر قدم رکھنے سے بار بار روکا۔ اور اس ملک میں آزادی سے قتل و غارت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان وحشی مغلوں نے ایران، عراق و شام، آذربائیجان وغیرہ اسلامی ممالک کو برباد کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ بھی بغداد میں گل کر دیا۔ اور کروڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں ملا کر روس اور وسط یورپ تک کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔

اگر سلطان شمس الدین التمش چنگیز خان کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع دے دیتا اور مغل اپنی ہوس خونریزی ہندوستان میں پوری کر سکتے تو ان کو ہرگز ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ اور آج دنیا میں رام و کرشن کے نام کی سمرتی جپنے والا ایک متنفس بھی موجود نہ ملتا۔ مغولانِ چنگیزی کی نسلوں سے ہندوستان کی بستیاں پر ہوتیں۔ اور چنگیز خان کی مورتیاں ایک سب سے بڑے اوتار کی مورتیوں کی مانند ہندوستان کے مندروں میں براجمان نظر آتیں۔ راجہ شیو پرشاد صاحب ستارہ ہند اپنی تاریخ میں جلال الدین خوارزمی کے دریائے اٹک

سے پار آئے اور اس کے تعاقب میں مغلوں کی ایک فوج کے اس طرف پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''وہ (جلال الدین خوارزمی) سندھ سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ تب ان مغلوں کی فوج بھی الٹی گھر گئی۔ لیکن نمونہ اپنے ظلم کا اتنے ہی عرصہ میں دکھا گئی کہ دس ہزار ہندو غلام بنانے کے لئے قید کر لئے گئے اور جب لشکر میں رسد کی قلت ہوئی تو بے تکلف ان سب غلاموں کے سر کاٹ ڈالے''۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۱)

مغولانِ تاتار کا یہ سیلاب مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت تھا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور تعلیمات اسلامی سے دور و مہجور ہونے کی سزا پا کر پھر اعمالِ اسلامی کی پابندی میں اپنی نجات و فلاح تلاش کریں۔ کیونکہ انہی مغولان چنگیزی کو جن سے ساری دنیا لرزاں و ترساں تھی۔ مسلمانوں کے غلاموں سے جو احکامِ اسلام کے پابند تھے جب مصر و ہندوستان میں واسطہ پڑا تو دونوں جگہ بار بار نہایت ذلت کے ساتھ شکستیں کھائیں۔ اور جس زمانہ میں مغلوں کی خون آشامی کے سبب تمام دنیا میں قتل و غارت کے ہنگامے برپا اور خون کے فواروں کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر غلام سلاطین کی ہندو رعایا امن و امان کے ساتھ انند کے ستار بجا رہی تھی۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی شیر خان اور سلطان کا بیٹا خان شہید ہندوستان کی مغربی سرحد پر مغلوں کے حملوں کو روکنے اور بار بار ان کو شکست دے کر بھگا دینے میں مصروف تھے تا آنکہ اسی میں اپنی جان دے دی۔ اس کے ساتھ تاریخ کا یہ سانحہ بھی حیرت و عبرت کا مرقع ہے کہ پنجاب کے بعض ہندو راجا ان حالتوں میں بھی تاتاریوں سے ساز باز کر کے ان کے حملوں کو کامیاب بنانے کا موجب ہو جاتے تھے۔ ۶۴۳ھ میں جو حملہ مغلوں نے پنجاب پر کیا وہ ضلع جہلم کے ایک ہندو رانا کی سازش سے کیا تھا۔

چالیس سے زائد فرمانرواؤں نے ہندوستان میں پناہ لی

اس طوفانی زمانہ میں غلاموں نے جس طرح ہندوستان میں امن و امان قائم رکھا دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں تلاش کی جا سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے قریب تباہ شدہ فرمانرواؤں نے براعظم ایشیاء کے مختلف ممالک سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ لی۔

اس جگہ یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے سلاجقہ اور ترکان غز کو بالآخر مسلمان بنا کر مہذب و شائستہ بنا لیا تھا اسی طرح وہ مغولان چنگیزی کو بھی مہذب اور شفیق علی

خلق اللہ بنا لینے میں کامیاب ہوئے اور وہی مغول تاتاری جو انسانوں کا خون بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے، مسلمان بنکر نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانوں کے خادم اور شفیق بن گئے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

بات کہیں کی کہیں جا نکلی اور موضوعِ رسالہ سے دور نکل گئی۔ موضوع رسالہ کے متعلق تو سلطنت غلاماں میں کوئی بات قابل ذکر نہ تھی صرف اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ اس پورے عہد میں کوئی جدید فتح اور اضافہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں نہیں ہوا۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

خاندان خلجی کی حکومت اور فتح دکن وجنوبی ہند

سلطان غیاث الدین بلبن کی اولاد میں کوئی لائق شخص موجود نہ تھا لہٰذا امراء سلطنت کے مشورہ سے خلجی خاندان کے ایک امیر جلال الدین کو جو سامانہ کا نائب ناظم اور ستر برس کا تجربہ کار شخص تھا یہ سلطنت اس کے سپرد ہوئی۔ یہ بات پہلے کسی جگہ گذر چکی ہے کہ خاندان خلجی افغانی النسل غزنی کے آس پاس میں رہتا تھا۔ بعض مورخین نے ان کو پٹھانوں کی قوم غلزئی قرار دیا ہے اس کو خلجی کہنے لگے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے آخر عہد حکومت میں ایک شخص بختیار خلجی کا ذکر آ چکا ہے جس نے ملک بہار و بنگال و آسام فتح کیا تھا۔ اسی وقت سے خلجی خاندان کے بہت سے لوگ قطب الدین ایبک کے زمانہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اب ہندوستان کی سلطنت مستقل طور سے اس خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان میں صرف تینتیس سال سلطنت رہی۔ یعنی ۶۸۸ھ سے ۷۲۱ء تک۔ یہ خاندان ہندوستان کی خودمختار اسلامی سلطنت کا دوسرا خاندان تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں ملک دکن وجنوبی ہند کے سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو جانے سے سلطنت اسلامیہ کی حدود کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک وسیع ہو گئیں اور اس وقت وہ براعظم جس کو جغرافیہ میں ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے وہ سب اسلامی سلطنت دہلی کے زیر نگین آ گیا۔

دکن کی فتح سلطان جلال الدین خلجی کے داماد اور بعد میں ہونے والے سلطان ہند

علاؤالدین خلجی کے ہاتھ پر مکمل فتح ہوئی۔ سلطان جلال الدین خلجی ایک نیک متقی اور باخدا آدمی تھا۔ پنج وقتہ نمازیں مسجد میں آکر عام لوگوں کے ساتھ با جماعت پڑھتا تھا۔ اس کی سخاوت و دادو دہش نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ تاتاری مغلوں کا ایک حملہ ہندوستان پر ۶۹۱ھ میں ہوا جس کا مقابلہ جلال الدین نے بڑی دلیری اور قوت کے ساتھ پسپا کیا اور بہت سے مغل سردار گرفتار کر کے دہلی لائے گئے۔ پھر ان سب کو بعد مصالحت کے آزاد کر دیا گیا۔ مگر ان میں سے چند اپنی خوشی سے یہیں مقیم ہو گئے اور وہ سب کے سب بخوشی مسلمان ہو گئے۔ سلطان نے ان میں سے ایک نو مسلم الغوخان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی اس کے بعد یہ لوگ یہیں مستقل وطن بنا کر رہنے لگے۔

فتح دکن

علاؤالدین خلجی جو سلطان وقت جلال الدین خلجی کا داماد تھا اور اس کی طرف سے ملک اودھ وغیرہ کا حاکم و عامل تھا۔ اپنی خوشدامن ملکہ جہاں اور اپنی بیوی سے خانگی امور کی بنا پر سخت ناراض اور عاجز تھا۔ یہاں ہندو سرداروں نے اس کی مصاحبت میں اثر و رسوخ پایا تو اس کو سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر دیا۔ مگر اب سوال مصارف جنگ اور روپیہ کا تھا اس کے لئے اس کے ہندو مشیروں نے رائے دی کہ دکن کو اول باجازت سلطان فتح کرے۔ وہاں سے مال و دولت حاصل کر کے خود قوت حاصل کرے۔ پھر سلطان کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ علاؤالدین خلجی نے سلطان سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو سال کڑہ اور اودھ کا خراج سلطان کی خدمت میں نہ بھیجوں اور اس روپیہ کو جنگی طاقت بڑھانے میں صرف کر کے چندیری کے سرکشوں کو سزا دوں اور دکن کو فتح کروں۔ سلطان نے بخوشی اجازت دے دی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔

> ''سلطان جلال الدین ملتمس او را مبذول داشت و خالی الذہن از انکہ غرض ملک علاؤالدین ازیں مقدمات ہمہ آنست کہ خود را از تحکمات ملکہ جہان کہ کمال تسلط بر بادشاہ داشت و از استیلائے او چیزے بعرض نمی توانست رسانید ساختہ ہمیشہ در سفر دور دراز باشد''۔

۶۹۲ھ میں علاؤالدین نے ہندو اور مسلمانوں کی مشترک فوج اور ہندو مشیروں کو ساتھ لے کر اول بھیلسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے بھیلسہ کے بڑے بت کو گاڑی پر لدوا کر مصلحۃً دہلی بھیج

دیا تا کہ سلطان کسی شبہ میں نہ پڑے۔ اس حملہ اور فتح میں چونکہ ہندو سردار خود شریک تھے اور اس کو سلطنت اسلامیہ کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اس لئے ان سب باتوں پر کوئی اظہار ناراضی کسی طرف سے نہیں ہوا۔ بلکہ بھیلسہ والوں نے جن کے ساتھ یہ فاتحانہ سلوک کیا گیا تھا خود علاؤالدین کو دیوگیر کے بڑے مال و دولت کی خبر دی اور آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے۔

'درآنچہ علاؤالدین در بھیلسہ رفت خبر بسیارے مال وپیل دیوگیر بسمع او افتادہ۔ رفتن دیوگیر از آنجائیاں پرسید و در خاطر کرد کر از کٹرہ استعداد کند و سوار پیادہ بسیار جا کر گیرد وسلطان جلال الدین را علم ندہد و جانب دیوگیر لشکر کشد'۔

دیوگیر (دولت آباد) کی فتح صلحاً

غرض ۶۹۴ھ علاؤالدین نے چھ ہزار سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کٹرہ سے کوچ کیا۔ اور شہرت یہ دی کہ چندیری پر حملہ کے لئے جاتا ہے۔ اس سفر میں کٹرہ کے ہندوؤں کی بھی ایک جماعت ساتھ لی۔ نو سو میل کا سفر دو مہینے میں طے کر کے ملک مرہٹ میں داخل ہوا۔ اور شہر ایلچپور پر قبضہ کیا۔ ایلچپور میں دو روز قیام کر کے دیوگیر (دولت آباد) کی طرف بڑھا۔ دیوگیر کا راجہ رام دیو شہر سے نکل کر دیوگیر سے دو میل کے فاصلہ پر صف آرا ہوا۔ علاؤالدین نے پہلے ہی حملہ میں رام دیو اور اس کی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔ شہر کے متصل قلعہ تھا۔ راجہ میدان سے فرار ہو کر شہر میں نہیں لڑ سکا۔ بلکہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اور علاؤالدین نے آگے بڑھ کر شہر پر قبضہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ رام دیو کا بیٹا کسی مندر کی زیارت کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے جب باپ کے محصور ہونے کی خبر سنی تو ارد گرد کے راجاؤں کو مع افواج کے ہمراہ لے کر آیا اور دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلہ پر ٹھہر کر علاؤالدین کے پاس پیغام بھیجا کہ قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں۔ علاؤالدین نے ایک ہزار فوج قلعہ کے محاصرہ پر مامور رکھی اور باقی پانچ ہزار سپاہی لے کر رام دیو کے بیٹے پر حملہ آور ہوا اور اس کو مع ہمراہی راجاؤں کے شکست دے کر بھگا دیا۔ اور قلعہ کے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت کو کام میں لایا، اور رام دیو نے تقریباً ایک مہینہ محصور رہنے کے بعد مجبوراً اور بیرونی امداد سے مایوس ہو کر اپنے ایلچی علاؤالدین کے پاس بھیجے اور چھ سو من سونا، ایک ہزار من چاندی، سات سو من موتی اور دو من جواہرات اور چار ہزار ریشمین کپڑے کے تھان دے کر صلح چاہی۔ علاؤالدین نے اس مال و دولت کے علاوہ ایلچپور اور اس کے متعلقہ

علاقہ کا بھی مطالبہ کیا۔ اور رام دیو نے اپنی ریاست کا یہ حصہ علاؤالدین کو دینا منظور کرلیا۔ تاریخ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

'ایلچیاں بعد الحاح ومبالغہ تمام قرار دادند کہ رام دیو شش من طلاء و ہفت من مروارید و دو من جواہر از لعل ویاقوت والماس وزمرد و یک ہزار من نقرہ و چہار ہزار جامہ ابریشمی و دیگر اجناس کہ تفصیلش موجب تطویل می گردد و عقل نیز از تصدیق آں ابا دارد و داخل سرکار علاؤالدین ساختہ ایلچ پور با توابع ومضافات آں بتصرف متعلقان او بگزارد و یا درضبط خود داشتہ محصول آں ولایت بکڑھ می فرستادہ باشد'۔

علاؤالدین چونکہ سلطنت دہلی سے دور وبے تعلق زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی زاویہ تلاش کرنا چاہتا تھا اس لئے ایلچ پور (ایلچپور) اور اس کے متعلقہ علاقہ کو اپنے قیام کے لئے رام دیو کی ریاست سے جدا کرلینا ضروری سمجھا۔ لیکن علاؤالدین کو جب دیوگیر سے بے قیاس دولت حاصل ہوگئی تو وہ اب ایلچپور میں زیادہ نہیں ٹھہر سکا تھا وہ یہاں سے اپنے دارالحکومت کڑہ پہنچا اور ہندو مشیران کے مشورہ کے موافق سلطان جلال الدین کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا۔ یہ دولت جو علاؤالدین کو دیوگیر سے حاصل ہوئی اس تمام مال ودولت کے مجموعہ سے بدرجہا زائد تھی جو محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر شہاب الدین غوری کے عہد تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی۔ اب علاؤالدین کے لئے سلطان جلال الدین کا مقابلہ دشوار نہ تھا وہ سلطان کے قتل کی تدابیر میں مصروف ہوگیا۔ اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اپنے بھتیجے اور داماد علاؤالدین خلجی کے ہاتھ سے کڑہ اور مانکپور کے درمیان دریائے گنگ کے کنارے مارا گیا۔

اس وقت سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا ارکلے خان ملتان کا صوبہ دار تھا اور وہاں مغلوں کے حملے روکنے میں مصروف تھا۔ ملکہ جہاں نے فوری نظم قائم رکھنے کے لئے بجائے اس کو بلانے کے اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ علاؤالدین اس عمل سے خوش ہوا۔ اور فوج کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ ملکہ جہاں فوج کشی کی خبر سن کر اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے کر ملتان پہنچ گئی اور ۶۹۶ھ میں علاؤالدین نے تخت دہلی پر جلوس کیا اور ملتان کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرادیا۔ جس کی سزا کا قدرت نے ساتھ ہی ساتھ یہ سامان کردیا کہ علاؤالدین کا اعتماد ہندوؤں پر بڑھتا گیا۔ گجرات کا راجہ کرن باغی ہوگیا تھا اس کے مقابلہ پر فوج بھیجی۔ یہ بدحواس ہوکر بھاگ گیا۔ اس کی بیوی کنولا دیوی گرفتار ہو

کر دہلی لائی گئی۔ اس نے اس شرط پر اسلام قبول کرلیا کہ اس کو بانوئے سلطنت ملکہ جہاں بنا لیا جائے۔ علاؤالدین نے اس کو منظور کرلیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ جس سے ہندوؤں کا مزید رسوخ اس کے دربار میں پیدا ہوا۔ دوسری طرف اسی حملہ گجرات میں علاقہ کھبائیت سے ایک ہندو بچہ جو خوجہ بنا کر کسی ساہوکار کے قبضہ میں تھا دہلی لایا گیا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کرلیا۔ اور ملک کافور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ہزار دیناری اور بالآخر وزیر اعظم بن گیا۔ اور پھر یہی ہندو بچہ سلطان علاؤالدین کو زہر دے کر مارنے اور اس کے تین بیٹیوں کو قلعہ گوالیار میں قید کرانے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوانے اور اندھا کرنے کا سبب بنا۔ اور چھوٹے بیٹے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود تمام بر اعظم ہندوستان پر سلطنت کرنے لگا۔ مگر قدرت نے اس کو بھی زیادہ مہلت نہ دی اور سلطان علاؤالدین کی موت سے صرف ۳۵ دن کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ (آئینہ ص ۳۲۳)

یہ دنیا اگرچہ دارالجزا نہیں مگر ظلم کی سزا اکثر دنیا میں بھی مل جاتی ہے ایک ظالم دوسرے ظالم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

كذلك نولي بعض الظالمين بعضا

علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا و خسر اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا قدرت نے اپنے غیر محسوس انتظام و انتقام سے اسی کا چربہ اس کے بیٹوں کے حق میں اتار دیا۔ خود اپنے دست پروردہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بیٹے اندھے کئے گئے۔ فتعالى الله الملك الحق لا الٰه غیره

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

علاؤالدین خلجی کا یہ افسوسناک حال اضطراراً زبانِ قلم پر آ گیا جس کو ہماری بحث سے تعلق نہیں۔ اس نے جو برائی کی وہ اپنے حق میں کی۔ ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔ لیکن ہندوستان کی سلطنت کے لئے بلاشبہ بہت سی نمایاں خدمتیں انجام دیں۔ جن میں سے دکن اور تمام جنوبی ہند کی فتح اور تاتاری مغلوں کے پیہم اور سخت مقابلے اور پھر ہندوستان کے قلمرو میں مکمل امن و امان اور ظلم و جور، رشوت ستانی، شراب خوری اور جھوٹ دغا بازی کا مکمل قلع قمع کر دینا خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کا اجمالی بیان آگے آتا ہے۔

قلعہ رنتھمبور کی فتح

۶۹۹ھ میں علاؤالدین نے قلعہ رنتھمبور پر حملہ کیا یہاں کا راجہ ہمیر دیو پرتھی راج کی نسل سے تھا اور عرصہ دراز سے خود مختار ہو گیا تھا۔ تازہ خطا اس کی یہ تھی کہ اس نے نو مسلم مغلوں کو جن کا سردار محمد شاہ نامی ایک شخص تھا اور جو الغ خان اور نصرت خان کی فوج سے باغی ہو کر چلے آئے تھے، اپنے یہاں پناہ دی تھی۔

سلطان نے رنتھمبور پہنچ کر محاصرہ شروع کیا۔ رنتھمبور کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ نصرت خان اسی دوران میں ایک پتھر لگنے سے مارا گیا۔ آخر سلطان نے قہر و شوکت کے ساتھ اس قلعہ کو فتح کیا۔ ہمیر دیو اور اس کے متعلقین قتل ہوئے۔

محمد شاہ باغی کی دلیری

فتح ہونے کے بعد سلطان نے محمد شاہ باغی کو مقتولین کے اندر زخمی پڑا ہوا دیکھا اور کہا کہ اگر ہم تیری مرہم پٹی کریں اور تو اچھا ہو جائے تو کیا احسان مانے گا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کو جواب دیا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو تجھے قتل کروں اور تیری جگہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ علاؤالدین نے یہ سن کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور سابق وفاداری کا خیال آیا تو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اس کے جنازہ کو دفن کرایا۔

بیوفائی کی سزا

اور ہمیر دیو کے وزیر رنمل کو جو محاصرہ کے شروع ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اپنے سامنے بلوایا اور کہا کہ تم نے اپنے قدیم آقا کے ساتھ کونسی وفاداری کی ہے جو ہم تم سے وفا کی توقع رکھیں یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کروا دیا۔ یہ قلعہ اپنے بھائی الغ خاں کو دے کر خود دہلی روانہ ہو گیا۔

(آئینہ ص ۳۰۹)

قلعہ چتوڑ پر حملہ

شعبان ۷۰۲ھ میں چتوڑ پر لشکر کشی کی اور شش ماہہ محاصرہ کے بعد محرم ۷۰۳ھ میں اس کو فتح کر کے اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو چتوڑ کا حاکم مقرر کیا اور چتوڑ کے راجہ رتن سین کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ دہلی لایا۔ رتن سین کا خواہر زادہ خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصاحبین میں داخل ہو

گیا۔ (آئینہ ص ۳۱۴)

بقیہ دکن اور جنوبی ہند کی مکمل فتح

۷۰۶ھ میں سلطان علاؤالدین نے اس ہندو غلام کو جو علاقہ کھمبائیت سے سلطان کی خدمت میں لایا گیا تھا اور خوشامد و چاپلوسی سے اس نے سلطان کے دل میں اپنی جگہ حاصل کر کے ہزار دیناری کا عہدہ اور ملک کافور کا خطاب حاصل کر لیا تھا۔ اب اس کو ملک نائب کا خطاب دے کر خلعت فاخرہ اور سرخ شامیانہ جو بادشاہ کے سوا دوسرا استعمال نہ کر سکتا تھا عطا کیا اور تمام امراء سے اس کا مرتبہ بلند کر کے سپہ سالاری اور وزارت عظمیٰ کا عہدہ جلیلہ دے کر ایک لاکھ سواروں کے ساتھ ملک دکن کی جانب روانہ کیا اور ایک نہایت تجربہ کار ہوشیار امیر خواجہ حاجی نامی کو اس کے ہمراہ کیا۔ اور عین الملک ملتانی حاکم مالوہ اور الغ خاں حاکم گجرات کے نام فرامین جاری کئے کہ اپنی اپنی فوج لے کر بطور کمک ملک کافور کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

ملک کافور ایک ناتجربہ کار ہندوزادہ نوجوان غلام تھا۔ وہ ہرگز قابلیت سپہ سالاری نہیں رکھتا تھا۔ لیکن بادشاہ کو اس کی عزت افزائی مقصود اور اپنے اقبال سلطانی کا امتحان منظور تھا۔ اسی لئے اس کو سب سے بڑا عہدہ دے کر تجربہ کار امراء کو اس کے ساتھ کیا کہ یہ مہم کافور کے نام سے کامیاب ہو۔

دکن کی جانب اس فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ دیوگیر کا راجہ رام دیو جو علاقہ ایلچپور کی آمدنی اور مقررہ خراج برابر سلطان کی خدمت میں بھیجتا رہتا اس نے ۷۰۳ھ یعنی تین سال سے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ ادھر گجرات کا راجہ کرن باغی ہوا اور اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اپنی بیوی کنولا دیوی اور خزانہ کو حملہ آوروں کے پنجہ میں چھوڑ کر دیوگیر کی جانب بھاگ گیا تھا۔ اور وہاں رام دیو کی مہربانی سے گجرات و دیوگیر کی سرحد پر مقام بگلانہ میں اس کو جگہ مل گئی تھی۔ بگلانہ اور اس کے مضافات پر وہ ایک چھوٹے سے رئیس کی صورت میں حکومت کرتا تھا۔ گجرات اسلامی حکومت میں شامل تھا اور الغ خاں ثانی اس پر حاکم تھا۔ بگلانہ اگرچہ ملک گجرات ہی کا حصہ تھا مگر مسلمانوں نے راجہ کرن کو وہاں سے بیدخل کرنے کی اب تک کوشش نہیں کی تھی۔

ملک کافور اور خواجہ حاجی جب دہلی سے روانہ ہونے لگے تو راجہ کرن کی بیوی کنولا دیوی جو گرفتار ہو کر دہلی آئی تھی۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جب گجرات سے آپ کی خدمت میں آئی تو اس وقت میری ایک بیٹی راجہ کرن کے نطفہ سے چار سال کی تھی وہ اتنا قاؤ ہیں رہ گئی۔ اور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ بگلانہ میں راجہ کرن کے پاس موجود ہے۔ آپ ایسی

کوشش کریں کہ میری بیٹی جس کا نام دیول دیوی ہے میرے پاس آ جائے اور میں اسکو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ بادشاہ نے فوراً ملک کافور اور خواجہ حاجی کو تاکید کر دی اور الغ خاں حاکم گجرات کو بھی لکھا کہ جس طرح ممکن ہو دیول دیوی کو راجہ کرن سے حاصل کر کے دہلی بھجوا دو۔ ملک کافور اور خواجہ حاجی اور عین الملک الغ خاں سب نے سرحد دکن پر جمع ہو کر مقام سلطان پور میں قیام کیا۔ رائے کرن اور رام دیو کو خطوط لکھ کر سلطانی احکام سے مطلع کیا۔ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر ان خطوط کا جواب ان راجاؤں کی طرف سے حسب منشاء نہ ملا تو الغ خاں نے کوہستانہ بکلانہ کی جانب اور ملک کافور و خواجہ حاجی نے دیوگیر کی جانب پیش قدمی کی۔ الغ خاں دو مہینہ تک راجہ کرن سے لڑتا رہا اور اس کا پہاڑوں میں تعاقب کرتا رہا۔ آخر منارات ایلورا کے متصل پہنچ کر اس نے دو روز قیام کیا۔ اس کی فوج کے کچھ سپاہی منارات ایلورا کی سیر کرنے گئے وہاں انکو اتفاقاً دشمنوں کا ایک دستہ فوج ملا جو دیول دیوی کا ڈولہ لئے ہوئے دیوگیر کی جانب جا رہا تھا۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو مقتول و مفرور بنا کر ڈولہ پر قبضہ کر لیا اور الغ خاں کے پاس لے آئے وہ بہت خوش ہوا اور دیول دیوی کو دہلی کی جانب بحفاظت روانہ کیا۔ کنولا دیوی بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اس کی شادی خضر خاں ولی عہد سلطنت سے ہوئی۔

دوسری طرف ملک کافور اور خواجہ حاجی نے دیوگیر کو فتح کر کے رام دیو کو اسیر کیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب رام دیو گرفتار ہو کر دہلی پہنچا تو سلطان علاؤالدین نے اس کے ساتھ نہایت عزت و مرحمت کا برتاؤ کیا۔ اس سے اقرار اطاعت لے کر اور رائے رایان کا خطاب دے کر چتر سفید عطا کیا اور دیوگیر کی ریاست پھر اسی کو واپس دے کر گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام اپنی طرف سے عطا کیا۔ اس کے تمام عزیز و اقارب اور بیٹوں کو رہا کر کے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دیوگیر کی جانب رخصت کیا۔ اس کے بعد جب تک رام دیو زندہ رہا سلطان کا وفادار و خدمتگار رہا۔

جس زمانہ میں ملک کافور کو دیوگیر کی جانب روانہ کیا اس کے بعد ہی بادشاہ نے قلعہ سیوانا کے راجہ ستیل دیو کی شکایت سنی اور خود اس طرف روانہ ہوا۔ ستیل دیو نے اپنی تمثیل سونے کی بنوا کر اسکے گلے میں زنجیر ڈال کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی مگر بادشاہ نے اس کی خطا اس وقت تک معاف نہ کی جب تک وہ خود گلے میں زنجیر ڈال کر حاضر نہ ہوا۔

ورنگل کی فتح صلحاً

سنہ ۷۰۹ھ میں ایک حملہ ورنگل کے راجہ لار دیو پر اس نواح کے شاہی سرداروں نے کیا تھا جس کا

کوئی نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر نہ ہوا۔ سلطان نے ۷۰۹ھ میں دوبارہ ملک کافور اور خواجہ حاجی کو روانہ کیا اور ملک کافور کو نصیحت کی کہ خواجہ حاجی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ اول دیوگیر پہنچو پھر وہاں سے ورنگل پر حملہ کرو۔ یہ بھی حکم دیا کہ تم دیوگیر پہنچ کر اول لاردیو کے پاس پیغام بھیجو کہ سلطانی اطاعت قبول کر کے اپنے اوپر خراج سالانہ تسلیم کرے۔ اگر وہ اطاعت پر آمادہ ہو اور خراج گذاری کا وعدہ کرے تو اس سے تعرض نہ کرو اور واپس چلے آؤ، اگر سرکشی پر آمادہ ہو تو اس کو سزا دو۔

یہ فوج جب دیوگیر کے قریب پہنچی تو رام دیو نے استقبال کیا۔ ملک کافور کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب و مجرا بجالایا۔ شاہی لشکر کو اپنا مہمان کیا اور علامات خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے دیا۔

جب راجہ لاردیو کی رعونت و سرکشی دیکھ کر لشکر اسلام دیوگیر سے ملک تلنگانہ کی جانب روانہ ہوا تو رام دیو کئی منزل تک بطور مشایعت لشکر کے ہمراہ آیا اور ملک کافور سے اجازت لے کر واپس ہوا۔ تلنگانہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی لشکر اسلام نے قلعوں کو اور شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ ارد گرد کے کئی راجہ اور چھوٹے چھوٹے رئیس لاردیو ورنگل میں جمع ہو گئے۔ ورنگل کے قریب سب نے شکست کھائی اور لاردیو مع اپنے رفیقوں کے قلعہ ورنگل میں میں محصور ہو گیا۔ کئی راجہ اور رئیس گرفتار ہوئے اور بہت سے آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ آخر محاصرہ کی شدت اور اپنی کمزوری کے احساس پر لاردیو نے ملک کافور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست بھیجی اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کر کے تین سو ہاتھی، سات ہزار گھوڑے، بہت سا سونا چاندی قیمتی تحفے بطور نذرانہ پیش کئے۔ اور ایک معقول زرِ خراج اپنے اوپر تسلیم کر کے بلا عذر و حیلہ سال بسال بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا۔ ملک کافور یہ تمام سامان لے کر دہلی کی طرف واپس روانہ ہوا اور تمام سامان غنیمت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اس طرح ملک دکن کا ایک بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔

میسور و مالابار وغیرہ کی فتح

اس وقت میسور، مالابار وغیرہ یعنی دکن کا انتہائی جنوبی حصہ باقی رہ گیا تھا لہٰذا سلطان علاؤالدین نے مناسب سمجھا کہ اس حصہ کو بھی فتح کر کے آئندہ آنے والے خطرات کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔ اور ہندوؤں کی طرف سے مطمئن ہو کر مغلوں کے مقبوضہ علاقہ پر شمال کی جانب فوجیں بھیجنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔

چنانچہ ۷۱۰ھ میں تیسری مرتبہ پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کی جانب فوج دے کر روانہ کیا اس مرتبہ بھی لشکر شاہی دیوگیر ہوتا ہوا دکن کی جانب گیا۔ اب دیوگیر کے راجہ رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ اس کے بیٹے کو سند حکومت دیدی گئی تھی اس لشکر نے اول کنارہ کا علاقہ فتح کیا۔ پھر کرناٹک اور ملیبار وغیرہ کو وہاں کے راجہ بلال دیو سے فتح کر کے راس کماری تک پہنچا۔ انتہائی جنوبی راس پر جس کو سیت بندر رامیشور کہتے ہیں ایک چھوٹی سی پختہ مسجد گچ وسنگ سے بنوائی جو تاریخ فرشتہ کی تصنیف کے زمانہ تک موجود تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے

> ''مسجد مختصر از گچ وسنگ مرتب ساختہ بانگ اذان محمدی ﷺ در آنجا گفتہ خطبہ بادشاہ علاؤالدین خواندند و تا ایں زماں کہ خار عنبریں شمامہ در تحریر ایں وقائع ست۔ آن مسجد درنواحی سیت بندر رامیشور موجود و مسجد علائی مشہور است۔''

ساحل کارومنڈل کی فتح

راس کماری سے لشکر اسلام ساحل کارومنڈل کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف کے بھی تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا اور اقرار اطاعت لیتا ہوا ۷۱۱ھ میں دہلی پہنچا۔ اس طرح کوہ ہمالہ سے راس کماری اور خلیج کنبات سے خلیج بنگالہ تک تمام براعظم ہند اسلامی میں شامل ہو گیا۔

۷۱۰ھ میں جب شاہی لشکر دیوگیر ہوتا ہوا ملک کنارہ میں داخل ہوا تھا تو رام دیو کے بیٹے سے جو چند روز پیشتر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا کچھ خودسری کے آثار محسوس ہوئے تھے۔ ۷۱۲ھ کے ابتداً میں اس کی نسبت شکایات پہنچیں۔ اور ساتھ ہی تلنگانہ راجہ لار دیو کی عرضی پہنچی کہ میں نے نائب ملک (کافور) کے ذریعہ خراجگذاری اور فرمانبرداری کا اقرار نامہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوادیا ہے۔ میرے پاس تین سال کا خراج جمع ہو گیا ہے یا تو سلطان مجھ کو اجازت دیں کہ میں وہ خراج دیوگیر کو بھجوادوں تا کہ وہاں سے خراج سالانہ کے ہمراہ خزانہ شاہی میں پہنچ جائے یا سلطان کسی سردار کو یہاں بھیج کر براہ راست زرخراج منگوالیں۔ اس عرضی اور دیوگیر کے راجہ کی بے راہ روی کی خبر پہنچنے پر سلطان علاؤالدین نے سوچا کہ دکن کے علاقوں کی نگرانی اور وہاں امن وامان قائم رکھنے کے لئے ایک وائسرائے یا نائب السلطنت کا دکن میں موجود رہنا ازبس ضروری ہے۔

گلبرگہ، مدکل، رائچور کا براہ راست سلطنت دہلی سے الحاق

اس لئے اس نے چوتھی مرتبہ پھر ۷۱۲ھ میں ملک کافور کو حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایلچ پور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ اور اب تک ریاست دیوگیر کے زیر اہتمام رہا ہے پہنچ کر قیام کرو۔

لارد یو اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمہارا کام ہوگا۔ اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو تو اس کو قتل یا گرفتار کر کے تم دیو گیر کو اپنا قیام گاہ بناؤ اور اس علاقہ میں اپنی طرف سے امراء اور صوبہ دار مقرر کرو۔

ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعی منحرف ہو چکا تھا جاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ مرہٹ میں گلبرگہ، مدکل، رائچور تک اپنے اہل کار مقرر کر دیئے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں ہر جگہ شاہی تھانے قائم کر دیئے اور اس کے بعد کسی راجہ کی یہ ہمت نہ رہی کہ سرکشی وخود مختاری کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

دکن کا ملک اگرچہ بخشی فوج خواجہ حاجی کی اعلیٰ قابلیت سے فتح ہوا مگر سلطان علاؤالدین نے اپنی منشاء کو پورا کیا اور مرہٹ و گونڈوانہ سے راس کماری تک پورا ملک کافور کی سرداری میں فتح کرایا اور آخر میں اسی کو دکن کا وائسرائے بھی بنا دیا۔ (ص ۳۲۰)

سلطان علاؤالدین خلجی کا تنہا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں کہ اس نے ۶۹۴ھ سے ۷۱۰ھ تک سولہ برس کی مسلسل کوششوں سے پورے ملک دکن اور جنوبی ہند جس کو آج کل صوبہ مدراس کہا جاتا ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر دیئے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسی درمیان میں اس کو تاتاری مغلوں کے پیہم اور نہایت سخت حملوں کی بھی کامیاب مدافعت کرنا پڑی جس سے بالآخر تاتاری مغل مرعوب ومغلوب اور ہندوستان سے مایوس ہو گئے۔ تو اس تاجدار کی عظمت و شوکت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۶۹۸ھ میں جبکہ سلطان کی توجہ فتح دکن کی طرف مصروف تھی، مغلوں نے خراسان میں ایک زبردست فوج فراہم کی اور ہندوستان پر نہایت سخت حملہ کیا۔ قتلق یا قتلغ خواجہ نامی مغلوں کا ایک شہزادہ مغلوں کا دو لاکھ لشکر جرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوا اور راستہ میں لوٹ مار کئے بغیر سیدھا دہلی تک چلا آیا۔ دو لاکھ مغلوں کا یکایک دہلی کی فصیل کے نیچے پہنچ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ خوف کے مارے آس پاس کے دیہات وقصبات کے لوگ بھی آ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور تمام کوچہ و بازار آدمیوں سے پر نظر آنے لگے۔ سامان خورد ونوش بھی کافی نہ تھا۔ اس محاصرہ کو تادیر برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان علاؤالدین نے لڑنے کے قابل آدمیوں کو منتخب کیا تو تین لاکھ آدمی شہر کے اندر موجود ملے۔ اس تین لاکھ کے لشکر کو لے کر وہ شہر سے باہر نکلا اور دشمن سے نبرد آزما ہوا۔ ہندوستان میں اس وقت تک اتنی بڑی دو فوجوں کا ایک میدان میں کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔

سخت معرکہ آرائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی۔ علاؤالدین کا بہادر سپہ سالار ظفر خاں اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے انتہائی جوہر دکھلا کر شہید ہو گیا۔ مغل جس تیزی و سرعت سے آئے تھے اسی سرعت کے ساتھ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس فتح عظیم کے بعد علاؤالدین نے اپنے لئے سکندر ثانی کا خطاب تجویز کیا اور یہی خطاب سکوں اور خطبوں میں جاری ہوا۔ (آئینہ ص ۳۰۹)

۷۰۳ھ میں پھر طرغی بیگ مغل نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطنت دہلی پر حملہ کیا مگر سلطان کی مدافعت سے ناکام واپس ہوا۔ (ص ۳۰۲)

پھر ۷۰۴ھ میں علی بیگ اور ترپال خواجہ مغل نے کوہ ہمالہ کے اندر سے ہو کر اس راستہ سے جس سے سلطان محمود غزنوی اپنی فوج لے کر قنوج پر حملہ آور ہوا تھا، ہندوستان پر حملہ کیا اور یکا یک صوبہ روہیل کھنڈ میں پہاڑوں سے نکل کر دامن کوہ سے امروہہ تک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ ان مغل سرداروں کیساتھ چالیس ہزار فوج آئی تھی۔ سلطان نے غازی ملک تغلق کو ان مغلوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ غازی ملک تغلق نے پہنچ کر امروہہ میں ان کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بھی مغلوں کو شکست ہوئی۔ علی بیگ اور ترپال خواجہ دونوں سردار گرفتار ہوئے اور بہت سے مغل میدان میں مارے گئے۔ صرف چند اشخاص بچ کر ترکستان و خراسان میں بہزار خرابی پہنچے۔ (ص ۳۱۴)

پھر ۷۰۵ھ میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور خواجہ ترپال کا انتقام لینے کے لئے حملہ کیا۔ غازی ملک تغلق نے ان کا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے کیا ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچکر فرار ہو سکے باقی سب مارے گئے۔ ان کا سردار گنگ گرفتار کر کے دہلی زندہ بھیجا گیا۔ یہاں اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوایا گیا۔ (ص ۳۱۵)

اس کے بعد اقبال مند ثانی مغل سردار نے حملہ کیا۔ اس کو بھی غازی ملک تغلق نے جو دیپالپور میں مغلوں کے حملے روکنے ہی کے لئے مقرر تھے شکست دے کر قتل کیا اور بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ ان پیہم شکستوں سے مغل بہت مرعوب ہو گئے۔ اور غازی ملک تغلق کی دھاک ان کے دلوں میں بیٹھ گئی اور عرصہ دراز تک ان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (ص ۳۱۵)

سلطان علاؤالدین خلجی کا حسن انتظام

شراب، رشوت، جھوٹ فریب کا استیصال، زمینوں کا نیا انتظام

سلطان علاؤالدین جب قلعہ رنتھمبور فتح کر کے دہلی پہنچا تو پہلے خود شراب نوشی سے توبہ کی اور

پھر شہر دہلی اور پوری قلمرو ہند میں بذریعہ منادی اعلان کرادیا کہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی حدود حکومت سے نہایت کامیابی کیساتھ شراب خوری کا نام ونشان مٹا دیا۔

خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ تحصیل و پٹواری مقرر کر کے زمینداروں سے نقد خراج وصول کرنے کا ضابطہ موقوف کردیا اور بٹائی کا قاعدہ جاری کردیا اور غالباً پٹواری اسی بٹوارہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی خراج موٗظف (مقررہ رقم) کے بجائے اخراج مقاسمہ یعنی (بٹائی) مقرر کردیا۔

(ف) عام موٗرخین نے اس نئے قانون کو بھی علاؤالدین خلجی کے حسن انتظام میں شمار کیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ شرعاً اس کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ خراج موٗظف کو خراج مقاسمہ (بٹائی) کی صورت میں تبدیل کرے کیونکہ یہ نقض عہد ہے جو حرام ہے۔ ردالمحتار کتاب الخراج میں بحوالہ کافی نقل کیا ہے۔

وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف الٰی خراج المقاسمة اقول و کذلك عکسه فیما یظهر من تعلیله لانه قال لان فیه نقض العهد وهو حرام۔

البتہ یہ بات اس کے حسن انتظام میں تھی کہ اس نے تمام محکموں میں کڑی نگرانی شروع کی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو کاشتکار سے ایک حبہ زیادہ وصول کر سکے۔ رشوت قطعاً موقوف ہوگئی۔ جھوٹ بولنے کی سزا سخت مقرر کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدود حکومت سے کذب و دروغ کا نام، نشان مٹ گیا۔ غارت گری اور لوٹ مار کا استیصال پورے طور پر کردیا۔ بہار سے پنجاب وسندھ تک تمام سڑکیں اور راستے اس طرح محفوظ تھے کہ ایک عورت سونا اچھالتی چلی جائے تو کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ارزانی ہوگئی کہ گندم ساڑھے سات جیتل کے ایک من آتے تھے۔ جیتل تانبے کا سکہ تھا۔ ایک روپیہ کے چالیس جیتل ہوتے تھے یعنی فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے۔

تمام ملک میں کھیتی ہونے لگی اور زمین کا کوئی قطعہ بنجر باقی نہ رہا۔ یہ سب انتظامات صرف دو سال کے عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ اس حیرت انگیز کامیابی کا سبب صرف یہ تھا کہ دہلی میں ذی علم تجربہ کار لوگوں کی کثرت تھی۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد علاؤالدین اس زمانہ کے ذی علم اور باخدا لوگوں سے مشورہ لینے میں تامل نہ کرتا تھا۔ اور ہر ایک کام میں علماء سے مشورہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود خود جاہل ہونے کے اس کے عہد میں کارہائے نمایاں وجود میں آئے۔

مقدموں (نمبرداروں) اور رشوت خور اہلکاروں کا طبقہ درمیان سے بالکل مرتفع ہو گیا تھا۔ اور باوجود اس کے رعایا سے زر لگان یا کسی قسم کا ٹیکس وصول نہیں کیا تھا۔ سلطانی لشکر کی تعداد پونے پانچ لاکھ سواروں پر مشتمل تھی۔

اس جاہل بادشاہ کے عہد حکومت میں علماء اور ہر علم وفن کے باکمال لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ دوسرے زمانہ میں نظر نہیں آئی۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۳۱۱)

خاندان خلجی کا افسوس ناک خاتمہ ایک ہندو غلام زادہ کے ہاتھ پر

ہماری اصل بحث کا تعلق اگر چہ فتوح الہند اور اس کی کیفیت متعلقہ اراضی سے ہے اور یہ سلسلہ ۳۸۷ھ میں سلطان محمود غزنوی سے شروع ہو کر سلطان علاؤالدین خلجی پر مکمل ہو چکا۔ مابعد کی تاریخ سے اصل بحث نہیں۔ لیکن خاندان خلجی جو فتوح الہند کا متمم ہے اس کی آخری بربادی بھی تاریخ عالم کا ایک عبرت خیز سبق ہے اس لئے اس کا بھی اجمالی نقشہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس کے بعد ہم اصل مسئلہ اراضی ہند کے متعلق فتوح الہند سے حاصل شدہ نتائج پیش کریں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔

۷۱۲ھ سلطان علاؤالدین خلجی بیمار ہوا۔ اس کی بیوی اور بچے تیمارداری کا کچھ خیال نہ کرتے تھے اس لئے ان سے ناراض تھا۔ علاؤالدین خلجی کے خاندان کے لوگ ملک کافور کے اس اثر واقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اور دوسرے سردار بھی اس کو ایک نامرد غلام سمجھ کر بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ مگر سلطان کو اس کی عزت بڑھانے کی ضد تھی۔ الغ خاں ثانی حاکم گجرات اور ولی عہد سلطنت خضر خاں اور بادشاہ کے دوسرے بیٹے سب ملک کافور سے متنفر تھے۔ مگر بادشاہ خوشامد پسند طبیعت رکھتا تھا۔ اس چالاک غلام نے خوب خوشامد کر کے بادشاہ کا ہاتھ دل میں لے لیا اور سب سرداروں اور بیٹوں کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ آخر ۷۱۵ھ جب سلطان کی بیماری بڑھی تو ملک کافور کو سب سے زیادہ وفادار اور ہمدرد سمجھ کر دکن سے بلایا۔ اس نے رات دن بادشاہ کی خدمت میں رہ کر اور بھی زیادہ بادشاہ کے قلب ودماغ پر قبضہ کر لیا اور بیٹوں اور خاندانی سرداروں سے اتنا بدگمان ومتنفر کر دیا کہ بادشاہ نے الغ خاں حاکم گجرات کے قتل کرنے اور خضر خاں وشادی خاں دونوں شہزادوں کو گوالیار بھیج کر قید کرا دیا اور الغ خاں کو قتل کرا دیا۔ اور اس کے بعد اس کے بھائی کو بھی قتل کرا دیا۔ ۶ شوال ۷۱۶ھ کو رات کے وقت سلطان علاؤالدین نے وفات پائی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملک کافور نے بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالا۔

ادھر ملک کافور نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا تھا کہ ایک دستاویز لکھ کر سلطان کی مہر اس پر لگوالی تھی جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو ولی عہدی سے معزول کر دیا۔ میرے بعد میرا سب سے چھوٹا بیٹا شہاب الدین تخت نشین کیا جائے۔ شہاب الدین کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی۔ اور ملک کافور نے پہلے ہی وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل کر لیا تھا۔ اس نے ۷ شوال کو امراء سلطنت کے ایک اجتماع میں سلطان کا وصیت نامہ سنایا اور چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کر کے روزانہ شہاب الدین کو تھوڑی دیر کے لئے تخت پر لا کر بٹھاتا اور پھر اس کی ماں کے پاس محل میں بھجوا دیتا اور خود احکام و فرامین جاری کرتا۔ اس حیلہ سے ملک کافور پورے براعظم ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

اس وقت موقع پا کر اس نے قلعہ گوالیار میں اپنے معتمدوں کو بھیج کر خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوائیں۔ خواجہ سراؤں اور ہندوؤں کو اپنا مصاحب و مشیر بنایا۔ انہی لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر خاندان شاہی کے تمام افراد کو یکے بعد دیگرے قتل کرانا شروع کیا۔ خاندان خلجی میں صرف ایک شہزادہ مبارک خاں باقی رہ گیا تھا۔ اس کو بھی مالک کافور نے قید کر دیا اور قتل کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے ہاتھوں اس کی موت نہ تھی۔ دو شخص جن کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا ان کو شہزادہ پر رحم آ گیا اور اس کو مطلع کر دیا۔ اور تینوں نے مل کر جب ملک کافور چوسر کھیلنے میں مشغول تھا اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ علاؤالدین کی وفات سے صرف ۳۵ دن بعد ملک کافور بھی ختم ہوئے۔ شہزادہ مبارک خاں دو مہینہ تک حسب سابق اپنے چھوٹے بھائی پنج سالہ شہاب الدین کی وزارت و نیابت میں کام کرتا رہا۔ آخر کار امراء سلطنت کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ مبارک خاں خود تخت سلطنت پر بیٹھے۔

مبارک شاہ خلجی تخت نشین ہوا تو اس نے بھی وہی حرکت کی کہ اپنے پنج سالہ بھائی شہاب الدین بے گناہ کو بھی اندھا کر کے اپنے دونوں بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار بھیج دیا۔

اور جس طرح علاؤالدین خلجی نے اپنے خسر و چچا جلال الدین کو ظلماً قتل کیا اور اس کے بیٹوں کو اندھا کرایا تھا۔ پھر قدرت کے مخفی نظام نے اسی کے ہاتھوں ایک ایسے شخص (ملک کافور) کی پرورش کرائی جس نے جلال الدین کا بدلہ ہو بہو اس سے اور اس کے بیٹوں سے لے لیا۔ اس طرح اب مبارک شاہ نے معصوم بچہ شہاب الدین پر ظلم کیا تو اس کی سزا کا بھی قدرت نے یہیں سے انتظام شروع کر دیا کہ گجرات کا ایک ہندو بچہ جس کو سلطان علاؤالدین کے ایک سردار ملک شادیخاں نے پرورش کر کے اس کا نام حسن رکھا تھا۔ اس نے سلطان مبارک شاہ خلجی کی مصاحبت

میں جگہ پالی اور سلطان نے اس کو خسرو خاں کا خطاب دیا۔ خسرو خاں کا ایک اور بھائی بھی تھا حسام الدین نامی، بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں پر خصوصی عنایات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد عہد علائی کے اکثر آئین منسوخ کر دیئے اور لہو ولعب میں وقت گذارنے لگا۔ یہ دیکھ کر دکن کا راجہ ہر پال دیو باغی ہو گیا۔ سلطان خود فوج لے کر دیوگیر کی جانب روانہ ہوا اور دہلی میں مشاہین نامی ایک غلام کو وفاء الملک کا خطاب دے کر قائم مقام بنا دیا۔ دیوگیر پہنچ کر باغی راجہ کو گرفتار کر کے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر کے ریاست پر قبضہ کیا۔ اور خسرو خاں مذکور کو وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام اس کے سپرد کیا اور ملک کافور کی تمام املاک کا اس کو مالک قرار دیدیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور ان سے خراج وصول کرنے کا انتظام ملک کافور کی طرح اس کے سپرد کر دیا۔ اور ظفر خاں حاکم گجرات کو بلا جرم محض خسرو خاں اور اس کے ہم قوموں کی شکایت پر قتل کرا کر گجرات کی حکومت خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کو سپرد کر دی۔ اس طرح گجرات و دکن پر دونوں ہندو زادوں کو متصرف و فرمانروا بنا کر دہلی پہنچا۔

اس سفلہ پرستی سے امراء میں بڑی بددلی پیدا ہو گئی اور مبارک شاہ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔ ادھر اس نے ظلم پر ظلم یہ کیا کہ اس کے تین بھائی جو قلعہ گوالیار میں اندھے کر کے قید کیے ہوئے تھے اپنے آدمی بھیج کر تینوں کو قتل کرا دیا۔

ادھر گجرات میں حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو اپنے گرد فراہم کر کے بڑے بڑے عہدے عطا کیے اور اس خیال میں مبتلا ہوا کہ خوب مضبوط ہو کر خود مختاری اور بغاوت کا اعلان کرے۔

ادھر خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ کے راجہ سے بلا کسی وجہ اور قصور کے ایک سو ہاتھی چھین لئے۔ پھر میسور کے راجہ سے بیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ حاصل کیا اور ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کر کے بغاوت و خود مختاری کے منصوبے گانٹھنے لگا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے۔

''شبہا مجلس خلوت ساخت و بہ ابنائے ہندوئے خود و باچند بلغاکی از یاراں ملک نائب کہ محرم خود گردانیدہ بود اندیشہ بلغائی (بغاوت) میکرد۔''

ادھر گجرات و دکن میں حسام الدین و خسرو خاں ہندوؤں کی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی تجویز کر رہے تھے ادھر دہلی میں سلطان مبارک شاہ نے نماز روزہ ترک کر کے رات دن لہو ولعب کو مشغلہ بنا لیا تھا۔ حسام الدین نے گجرات سے ایک مسخرہ کو سلطان کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ وہ اس نوجوان بادشاہ کو لہو ولعب میں لگائے رکھے۔ ضیاء برنی اسی حسام الدین کی نسبت لکھتا ہے۔

''آں ولد الزنا مرتد گشت و در گجرات خویشاوندو اقربائے خودرا جمع کردہ جملہ برادران نام گرفتۂ گجرات رابر خود گرد آورد و بغی ورزید و فتنہ انگیخت۔''

چونکہ گجرات میں طاقتور امراء سلطانی موجود تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حسام الدین نے بغاوت کی پوری تیاری کر لی تو وہ آپس میں متفق ہو کر حسام الدین کو ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع دیئے بغیر گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس دہلی بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان امراء کو توقع تھی کہ بادشاہ ہمارے اس حسن عمل سے خوش ہوگا۔ لیکن سلطان بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوا اور ان کا مرتبہ گھٹا دیا اور حسام الدین کو عزت کے ساتھ اپنے مصاحبین میں داخل کر کے گجرات کی حکومت پر وحید الزمان قریشی کو روانہ کیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ گجرات میں ہندوؤں کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہا۔ مگر مسلمان امراء میں بددلی ترقی کرتی رہی۔ دوسری طرف خسرو خاں نے دکن میں اپنی خود مختاری کا منصوبہ مکمل کر کے بندرگاہوں کے مسلمان سوداگروں کا مال چھیننے اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ اور شاہی سردار جو اس کے ہمراہ تھے ان کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ ان حالات کا علم چندیری کے عاقل ملک تیمور اور ملک گل افغان اور ملک تلیغہ حاکم گوا کو معلوم ہوا جو بطور کمکی مامور تھے۔ انہوں نے خسرو خاں کو لکھا کہ ہم کو تمہاری نیت درست معلوم نہیں ہوتی اور ہمارے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم معبر و ملیبار کی جانب سے فوراً دیو گیر پہنچو اور تمام ہاتھی اور خزانہ جو تمہارے پاس جمع ہے اس کو دہلی روانہ کر دو۔ خسرو خاں نے اس میں لیت و لعل کیا مگر ان ہر سہ امراء نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے خسرو خاں کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ ہاتھ پاؤں نکالنے سے پہلے دیو گیر آ جائے ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہم نے خسرو خاں کے فاسد ارادوں سے مطلع ہو کر اس کو مجبور کر کے دیو گیر میں بٹھا دیا ہے۔

شاہی فرمان پہنچا کہ خسرو خاں کو جس قدر جلد ممکن ہو بحفاظت ہمارے پاس پہنچا دو۔ خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شریف اور نمک حلال سرداروں کی شکایتیں کیں اور کہا کہ انہوں نے محض حسد اور رشک کی وجہ سے مجھے بغاوت کے جرم میں متہم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہر سہ امراء بھی دہلی پہنچے اور اور بادشاہ کو پورے حالات سے واقف کیا۔ ان کو امید تھی کہ ہماری اس عظیم الشان خدمت کا ہمیں صلہ ملے گا اور مرتبہ بڑھایا جائے گا۔ مگر بادشاہ خسرو خاں کے فریب کا شکار ہو گیا اور ان تینوں امراء کو مجرم قرار دیا اور ان کو معزول کر کے قید کر دیا۔ اس طرز عمل کا یہ اثر

لازمی تھا کہ اب کسی کو خسرو خاں اور اس کے بھائی کے خلاف کوئی لفظ زبان تک لانے کی جرأت نہ رہی۔ خسرو خاں کی جگہ دکن میں دوسرے سردار مقرر کردیئے گئے اور خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں وزیراعظم اور مدارالمہام کی حیثیت سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگا۔

اب خسرو خاں کو محسوس ہوا کہ سلطنت اسلامیہ کو برباد کرنے کا موقع مجھے دہلی میں رہ کر بہ نسبت دکن یا گجرات کے زیادہ آسانی سے حاصل ہے چنانچہ اس نے سلطان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بیش از بیش کوششیں کیں۔ ملک کافور کا مکان اور جائیداد اور سامان سب اس کو پہلے ہی مل چکا تھا۔ اور کافور کے ہندو مشیر ہوا خواہ سب اس کے متوسلین میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ ملک کافور اسی کی قوم اور اسی کے وطن کا آدمی تھا۔ روزانہ ملک کافور کے مکان میں جو اب خسرو خاں کا مکان تھا رات کے وقت ہندو جمع ہوتے اور مشورے کرتے تھے۔ خسرو خاں نے بڑی چالاکی سے سلطنت کے حقیقی خیر خواہ سرداروں کو ایک ایک کر کے دہلی سے جدا کردیا۔ کسی کو قید کسی کو قتل کرایا، کسی کو دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا۔ پرانے زمانے کے وہ امیر جن کو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان مبارک سے عناد تھا ان کو دہلی میں بلا کر کے ان کو اپنا ہمدرد و ہمراز بنالیا۔

اس خفیہ انتظام کے بعد خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھ پر حضور کی بے انتہا مہربانیاں مبذول ہیں اور اسی وجہ سے میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ترقی کر کے وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا۔ تاہم قدیمی امراء مجھ کو خاطر میں نہیں لائے جس طرح ان امراء کے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں ہم قوموں کی جمعیتیں شہر میں موجود ہیں۔ میرے رشتہ داروں ہمقوموں کی کوئی جمعیت نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں بھی اپنے رشتہ داروں کو شاہی انعام و اکرام اور منصب و جاگیر کی توقع دلا کر اپنے وطن سے بلواؤں اور اسی طرح میرا اثر و اقتدار بھی میرے عہدہ کے موافق شہر میں قائم ہوجائے۔

بادشاہ نے خسرو خاں کی اس درخواست کو بے تأمل خوشی کے ساتھ منظور کرلیا اور اس نے اپنے چچا رندھول اور جاہر دیو وغیرہ کو گجرات بھیج کر بیس ہزار گجراتیوں کو دہلی بلوا کر اپنی خاص فوج میں بھرتی کیا اور اسی قدر نواح دہلی کے ہندوؤں کو اپنی جمعیت میں چالیس ہزار کا لشکر نہایت خاموشی کے ساتھ مرتب کیا۔

اس واقعہ کو ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے کہ۔

''سلطان التماس او را مبذول داشتہ رخصت طلب ارزانی داشت خسرو خاں بایں

بہانہ اکثر ہندوہائے گجرات کہ اوقات گذران نداشتند بہر گونہ تسلی نمودہ قریب بست ہزار گجراتی نزد خود جمع ساختہ ہر چہ داشت صرف ایشاں کردہ با اسپ و براق ایشاں را آراستہ ساخت وقوت ومکنت تمام پیدا کردہ از گجراتیاں وغیرہ چہل ہزار سوار اعوان وانصار نزد او مجتمع گشت۔"

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ براعظم ہند کے بادشاہ کی اجازت سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی فوج جمع تھی۔

اب دہلی کے با اثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا اور سلطان کا سچا ہمدرد تھا۔ قاضی ضیاء الدین بادشاہ کا استاد اور قاضی خاں کے نام سے مشہور تھا۔ کوشک سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اس کے سپرد تھی۔ دہلی کے مسلمان ہندوؤں کے اس اقتدار اور قوت وشوکت اور فاسد ارادوں سے مطلع تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک لائے۔

انہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرساوہ کی طرف گیا۔ وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر خسرو خاں کے بعض ہمدردوں نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہئے تاکہ دہلی پر قبضہ رہے ورنہ ممکن ہے کہ ہمارے دہلی تک پہنچنے سے پہلے مسلمان سردار مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں۔ سلطان سرساوہ سے دہلی آیا اور قاضی خاں نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ روزانہ خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی بابت استفسار کریں۔ ممکن ہے وہ رعب سلطانی میں آکر صحیح واقعات بیان کر دیں۔ اور ان افواہوں کی کوئی اصلیت نکلے تو آپ حفاظت کر سکیں۔ اور نہ نکلے تو خسرو خاں کا مزید اعزاز بڑھانے کا آپ کو ہر وقت اختیار ہے۔

ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حاضر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری بابت قاضی خاں ایسا ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوراً رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان سردار

اس لئے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے بلند مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ یہ ضرور مجھ کو حضور کے ہاتھ سے قتل کروا کے رہیں گیا اور پھر زار زار رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب بادشاہ کی حمایت پر افسوس کرتے ہوئے باہر آ گئے اور اب ان کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ رہی۔ فرشتہ کہتا ہے۔

''بادشاہ را از گریہ او دل بدرد آمدہ او را در کنار گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش داد و گفت کہ خاطر جمع دار۔''

اس واقعہ کے اگلے روز خسرو خاں نے زیادہ تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر سلطان کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور رات کے وقت قصر ہزار ستون کے بالا خانہ پر سلطان کی خدمت حاضر ہوا۔ نیچے دروازوں کی نگرانی اور پہرہ دلوانے کے لئے قاضی خاں موجود تھے۔ قرارداد کے موافق خسرو خاں کا چچا رندھول مع جاہر دیو قاضی خاں کے پاس آیا اور پان کا بیڑا قاضی خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ قاضی خاں رندھول سے بیڑا لینے لگے اور جاہر دیو نے جو رندھول کے ساتھ تھا نہایت چستی کے ساتھ قاضی خاں کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا۔ قاضی خاں فوراً شہید ہو گئے مسلح ہندوؤں کی ایک جمعیت نے فوراً داخل ہو کر پہرہ والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

جب شور و غوغا صحن میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا، یہ کیسا شور ہے۔ خسرو خاں فوراً اٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس گیا اور کہا کہ سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے ہیں وہ بھاگے پھر رہے ہیں اور لوگ ان کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور خسرو خاں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اسی وقت جاہر دیو اور دوسرے ہندو جو اس کام پر مامور تھے بالا خانہ پر چڑھنے لگے۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحٰق نامی دو پہرہ دار موجود تھے۔ وہ مانع ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں شہید ہو گئے۔ اور قاتلوں کی یہ جماعت اوپر چڑھ آئی۔ ابراہیم اور اسحٰق کی مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا اس لئے سلطا[illegible] کچھ شک ہوا۔ قاتلوں کی اس جماعت کو بے محابا شمشیر بدست آتے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ اگر سلطان محل سرائے میں داخل ہو گیا تو اس کو پکڑنے اور قتل کرنے میں دقت ہو گی تو وہ سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے　کے دروازہ میں داخل

ہونے سے پہلے ہی سلطان کو جالپٹا۔ سلطان اپنے سر پر لمبے لمبے بال رکھتا تھا۔ خسر وخاں نے بال پکڑ لئے۔ مگر سلطان طاقتور تھا فوراً خسر وخاں کو زمین پر ٹپک دیا مگر خسر وخاں نے سلطان کے بال نہ چھوڑے خسر وخان نیچے پڑا تھا سلطان اس کے اوپر تھا۔ اسی حالت میں جاہر دیو پہنچ گیا۔ اور دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر رات کی تاریکی کے سبب متامل ہوا کہ کہیں میرے ہاتھ سے خسر وخاں زخمی نہ ہو جائے۔ خسر وخاں نے پکارا کہ میں نیچے پڑا ہوں میرے اوپر سلطان ہے جلدی اپنا کام کرو۔ ورنہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ جاہر دیو نے سلطان کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا اور پھر خسر وخاں کے اوپر سے سلطان کو گھسیٹ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ اس سر کو فوراً نیچے قصر ہزار ستون کے صحن میں اوپر سے پھینک دیا۔ اسکے بعد خسر وخاں، رندھول، جاہر دیو اور دوسرے ہندو محلسرائے سلطانی میں داخل ہوئے وہاں سلطان علاؤالدین خلجی کی بیوی اور دوسری بے گناہ عورتوں کو قتل کر کے، فرید خاں، منگو خاں، عمر خاں، پسر خاں پسران سلطان علاؤالدین کو قتل کیا اور خاندان علائی کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ اسی وقت جب کہ آدھی رات ہو چکی تھی تمام امراء کو قصر ہزار ستون میں بلا توقف حاضر ہونے کا حکم بھجوایا۔ جب تمام امرا جمع ہو گئے تو ان سب کو گرفتار اور نظر بند کر دیا۔ صبح ہوئی تو خسر وخاں نے تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت سلطانی پر جلوس کیا۔ امراء نے اطاعت قبول کر لی جن کی نسبت کچھ شبہ تھا ان کو قتل کر دیا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہندوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ چار سال چند ماہ سلطنت کی۔

خسر وخان نمک حرام

ضیاء برنی اپنی تاریخ میں اس حادثہ الم انگیز کو درج کرتے ہوئے انتہائی غیض و غضب کا اظہار کرتا ہے۔

> ''وبعد ازاں کہ خسر وخاں و برادران از کار غدر فارغ شدند ملوک و امراء دولت بر بام ہزار ستون آوردند در نظر خود داشتند و صبح برسید و آفتاب برآمد۔ خسر وخان مابون خود را سلطان ناصر الدین خطاب کرد وآنچناں غلام بچہ ولد الزنا از قوت برادران و ہندواں بر بر تخت علائی و قطبی بنشست در روزگار غدار نابکار شغال بچہ روبہ نژاد رائے بر جائے شیران شرزہ روا داشت و خوک بچہ و سگ صفت را بر تخت پیلان صف شکن و براؤرنگ صفدران تہمتن بہ پسندید وہم در ساعت جلوس آں ملعون و ملعون بچہ فرمان

دادتا چند غلامان سلطان قطب الدین را کہ اختصاص براو داشتند واز امراء کبار شدہ بودند بگیرند وبکشتند درروز بعضے از ایشاں رادرخانہائے ایشاں کشتند وبعضے درسرائے آوردند وگوشہ بردند وگردن زدند وخانماں وزناں وغلام وکنیزک ایشاں بہ برداران و ہندوان بخشیدند وخانہ قاضی ضیاء الدین رابا جمیع اسبابیکہ درخانہ او بود خارج از دن و بچہ کہ ہم دراول شب فرار نمودہ بودند بہ رندھول دادند۔''

خسرو خاں پہلے ہی تمام اہتمام کر چکا تھا۔ جو صوبہ دار دور دراز کے صوبوں میں مامور تھے ان کے اکثر عزیز واقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگرانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا تاکہ وہ دہلی سے فرار نہ ہوسکیں اور سرکشی پر آمادہ نہ ہوسکیں۔ جن لوگوں کے اہل وعیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسرو خاں نے پہلے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے بطور یرغمال دہلی بلوالیا تھا۔ لہذا اس کو کسی زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں سب سے زیادہ جس شخص کا خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیپالپور تھا جو سلطان علاؤالدین کے زمانہ سے مغل افگنی کے سبب بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔ غازی ملک تغلق کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کا بیٹا فخر الدین جونا خاں جو بعد میں سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا دہلی میں موجود تھا۔ خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی ملک جونا خاں کو امیر آخور کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلدہی اور خاطر مدارات کرنے لگا تاکہ اس کا باپ غازی ملک مخالفت پر آمادہ نہ ہوسکے۔

جاہر دیو کو جو کہ قاضی خاں اور سلطان قطب الدین خلجی کا قاتل تھا زرو جواہر سے تلوایا گیا۔ رندھول کو رائے رایان کا خطاب ملا۔ قصر ہزار ستون اور محل سرائے سلطانی میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی مسلح فوج تھی۔ مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہ رکھی گئی تھی۔ جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو خاں نے اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ اب بادشاہ ہوکر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کردی۔ ہندوؤں میں جابجا خوشیاں منائی گئیں کہ اب دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آگئی۔ دیول دیوی جو خضر خاں کے قتل کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی بن گئی تھی اب سلطان کے قتل ہونے پر اس کو خسرو خاں نے اپنی بیوی بنالیا۔ خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا۔ اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنے نام کی تبدیلی کرنا اس لئے مصلحت نہ سمجھا کہ ملک میں بہت سے ایسے مسلمان سردار موجود تھے جنکو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بتدریج اسلامی سلطنت کو

خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ باوجود ان تمام باتوں کے فطرت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو مندر بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پجنے لگے۔ اذان کی آوازیں بلند ہونی موقوف ہوئیں۔ پھر اس سے بڑھ کر پاجی پن کی حرکت یہ ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن مجید زبردستی چھین چھین کر جمع کئے گئے اور ان کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خاں کے دربار میں چھوٹے چھوٹے چبوترے بنائے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔ غرض ایسی ایسی کمینہ حرکات سرزرد ہوئیں جن کے لکھنے کی تاب زبان قلم نہیں لاسکتی۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور لاتعداد ہندو روزانہ آ آ کر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

ملک جونا خاں ابن غازی ملک ڈھائی مہینہ تک تو مجبوراً اس ہندوگردی کو دیکھتا اور برداشت کرتا رہا۔ ایک روز موقع پا کر اور گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر وہ دہلی سے دیپالپور کی طرف بھاگا۔ چند گھنٹہ کے بعد ان کے فرار کا حال خسرو خاں کو معلوم ہوا تو تعاقب میں سوار بھیجے مگر وہ ملک جونا خاں کی گرد کو بھی نہ جاسکے۔ ملک جونا خاں جب اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ولی نعمت سلطان قطب الدین خلجی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تیار ہوا۔ ملتان کے امیر کو لکھا کہ فوج کو لے کر میرے شریک ہو جاؤ تاکہ ہم دونوں مل کر خسرو خاں سے سلطان قطب الدین کا انتقام لیں۔ امیر ملتان نے لکھا کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہو چکا ہے اس کا مقابلہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے امیروں سے کب ہوسکتا ہے۔ غازی ملک نے ملتان کے ایک رئیس بہرام ایبہ نامی کو خط لکھا کہ امیر ملتان امارت کے قابل نہیں رہا تم اس کو قتل کر کے ملتان کی حکومت اپنے قبضہ میں لاؤ۔ اور وہاں کی فوج لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ بہرام ایبہ نے بآسانی حاکم ملتان کو قتل کیا اور فوج لے کر غازی ملک کے پاس دیپالپور چلا آیا۔ غازی ملک نے فوج لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

خسرو خاں نے یہ خبر سن کر ایک زبردست فوج اپنے بھائی کی سرداری میں روانہ کی۔ سرستی کے قریب لڑائی ہوئی۔ خسرو خاں کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ غازی ملک سرستی سے روانہ ہو کر اندر پرست کے خرابہ میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ خسرو خاں ہندوؤں کا لاتعداد لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا۔ غازی ملک کے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ بے شمار ہندو فوج زدوخورد کا ہنگامہ گرم ہونے پر کچھ بھی نہ کر سکی اور حواس باختہ ہو کر بھاگی۔

خسرو خاں جب دہلی سے غازی ملک کے مقابلہ کو نکلا تھا تو اس نے تمام شاہی خزانے کو جو سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ سے اب تک جمع ہوتا چلا آیا تھا نکلوا کر ہندوؤں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور خزانہ میں جھاڑو دلوادی تھی۔ اس کو غازی ملک کا خوف تھا اس لئے اس نے یہ کہہ کر خزانہ ہندوؤں میں تقسیم کر دیا تھا کہ اگر ہماری فتح ہوئی تو تم اس روپیہ کو اپنی سہ سالہ پیشگی تنخواہ سمجھو اور اگر ہم مارے گئے تو کم از کم روپیہ تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آسکے گا۔

خسرو خاں شکست خوردہ میدان سے فرار ہو کر ایک مقبرہ میں پناہ گزیں ہوا اور وہاں سے گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔

دیدی کہ قتل ناحق پروانہ شمع را ☆ چندیں اماں نداند کہ شب را سحر کند

سبحان رائے ہندو مؤرخ خسرو خاں کے واقعہ کو لکھ کر خسرو خاں کی نسبت لکھتا ہے۔

کسے را کہ نبود شرف در نہاد ☆ نباشد عجب گر بود بدنہاد
سر ناکساں را برا فراشتن ☆ واز ایشاں امید بہی داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است ☆ بعیب اندروں نار پروردن است
وگر زندگانی توقع مدار ☆ کہ در جیب و دامن دہی جائے مار

غازی ملک نے دہلی میں آ کر تلاش کیا کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد چھوٹی یا بڑی عمر کا ملے تو اس کو تخت پر بٹھائے، مگر خسرو خاں پہلے ہی شاہی خاندان کا تخم سوخت کر چکا تھا لہٰذا غازی ملک نے تمام مسلمان سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ بھائیو میں تو صرف سلطان قطب الدین کا انتقام لینے آیا تھا، اپنا کام پورا کر چکا، اب تم جس کو سب سمجھو اپنا بادشاہ بنالو میں اس کی فرمانبرداری کے لئے کمر بستہ ہوں۔ سب نے بالاتفاق غازی ملک ہی کو اپنا سلطان منتخب کیا اور وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھ کر ہندوستان کا بادشاہ بنا (آئینہ باختصار بعض الفاظ ص ۳۳۵) اور دہلی کی خود مختار سلطنت کا دوسرا خاندان (خلجی) ہندوستان کے پورے براعظم کو اسلامی سلطنت میں داخل کرنے کے بعد صرف تینتیس سال حکومت کر کے ختم ہوا اور یہ تیسرا خاندان (تغلق) شروع ہوا۔

خاندان خلجی کا خاتمہ ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہوا تھا اس کے بعد کچھ عرصہ خسرو خاں نمک حرام کا تغلب رہا۔ پھر غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کا خاتمہ کر کے از سر نو حکومت کا نظام سنبھالا۔

تغلق خاندان میں محمد تغلق کا دور ملک کی اقتصادی ترقی میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔ محکمہ زراعت کی ترقی اس کے زمانہ میں غیر معمولی ہوئی جس کا کچھ ذکر اس کتاب کے پہلے حصہ میں آچکا ہے۔

خاندان تغلق کے بعد ۸۱۷ھ سے ۸۸۳ھ تک باسٹھ سال سیدوں کی حکومت رہی اس کے بعد ۸۹۴ھ تک لودھی خاندان کی اور پھر ۹۶۰ھ تک سوری پٹھانوں کی حکومت رہی۔ مگر یہ سب سلطنتیں کچھ ایسے حالات میں رہیں کہ مرکزی سلطنت میں ضعف اور طوائف الملو کی کا دور تھا۔ ۸۱۷ھ سے ۹۶۲ھ تک ڈیڑھ سو سال یہی طوائف الملو کی کا ایسا دور دورہ رہا کہ ایک ایک شہر ایک ایک قصبہ میں ایک ایک امیر و سلطان خود مختار بن گیا تا آنکہ ۹۶۲ھ ہمایوں نے پھر ایران سے واپس ہو کر ہندوستان فتح کر کے متحدہ اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کی اور خاندان مغلیہ کا دور آیا۔

اس ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور جنگ وجدال کا بازار گرم رہا۔ کوئی تعمیری کام ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ اس پورے دور میں قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق کچھ کام ہوا تو وہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہوا جس نے اپنے مختصر سے پنجسالہ دور حکومت میں اپنی جنگی اور انتظامی قابلیت سے ایک طرف تو ہندوستان کے اکثر علاقہ کو فتح کیا دوسری طرف بہت سے تعمیری کام رفاہ خلق کے متعلق انجام دیئے۔

پورے ملک کے طول و عرض میں بڑی بڑی شاندار سڑکیں نکالیں۔ اراضی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ محقق مؤرخین لکھتے ہیں کہ ''آئین اکبری'' اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے جس کو ابوالفضل نے اپنی ادبی قابلیت سے مزین کر کے پیش کر دیا ہے۔ شیر شاہ کے عہد کے کچھ حالات اسی کتاب کے پہلے حصے میں بیان ہو چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹۶۲ھ کو خاندان مغلیہ کی حکومت کا دور شروع ہوا جو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا آخری دور تھا۔ ان سے بتدریج انگریزوں کے قبضہ میں پہنچا۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو سال انگریزوں کی حکومت و تسلط رہنے کے بعد ۲۷ رمضان ۱۳۶۷ھ کی شب قدر اور گویا نزول قرآن کی سالگرہ کی رات میں انگریزوں کا اقتدار ختم ہو کر ملک کے دو حصے پاکستان اور ہندوستان بنے اور پاکستان کا نظام حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

واللہ غالب علی امرہٖ اَللّٰھم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء تنزع الملك ممن تشاء و تعزمن تشاء و تزل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شیٔ قدیر۔

خاتمہ

اس کتاب فتوح الہند کے شروع میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب کا اصل مقصد ہندوستان یا اس کی فتوحات کی مکمل تاریخ لکھنا نہیں بلکہ مسئلہ اراضی سے متعلق ہندوستانی فتوحات کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔ ضمنی طور پر یہ کچھ یادداشت فتوحات ہند کے متعلق جمع ہوگئی۔

اور مذکور الصدر تفصیل سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کفار سے جہاد کر کے ہند کو دارالاسلام اور اسلامی حکومت بنانے کا کام سب سے پہلے علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد تو خود مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور خانہ جنگیاں رہیں جس کا مسئلہ اراضی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح مغل خاندان کی حکومت کے زمانہ میں جبکہ طوائف الملوکی کے بجائے متحدہ ہندوستان کی اسلامی حکومت پھر قائم ہوگئی اس وقت بھی کوئی نئی فتوحات نہ تھی جن کے احکام کی فکر کی جائے اس لئے ہمارے موضوع بحث سے متعلق اصل میں فتوح الہند کا وہی حصہ تھا جو علاؤالدین خلجی تک پورا ہو چکا ہے، اس کے بعد کے مختصر حالات تبعاً ذکر کر کے اس کتاب کو ختم کیا جاتا ہے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، اَللّٰهم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء تنزع الملك ممن تشاء و تعزمن تشاء و تزل من تشاء بيدك الخيرانك علی كل شئ قدير۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

بمقام دیوبند سہارن پور

دعاء والتماس دعاء

اس کتاب کی تصنیف اگرچہ سولہ سال پہلے ہو چکی تھی مگر حصہ اول کے آخری ابواب کی تکمیل کے انتظار میں سولہ سال تک اشاعت ملتوی رہی۔ اب جبکہ اس کی اشاعت ہو رہی ہے احقر کی عمر کا سترھواں (۷۰) سال ۲۰ شعبان ۱۳۸۳ھ کو شروع ہو کر ایک ماہ گذر چکا ہے۔ اس امت کی عمر طبعی کے اعتبار سے جو حدیث کے مطابق ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوتی ہے اس کے خاتمہ کا وقت آ چکا ہے۔ قویٰ کا روز افزوں انحطاط، مسلسل امراض الگ قرب اجل کی خبر دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید مہلت اور اس مہلت سے گذشتہ کی تلافی کی توفیق عطا فرمائیں تو ان کا کرم ہی کرم ہے۔ اس وقت جب اس ستر سالہ عمر کا سرسری جائزہ لیا تو اس میں ستر دن بلکہ ستر گھنٹے بھی ایسے نظر نہیں آتے جن کو بارگاہ رب العزت میں قابل قبول کہا جا سکے۔ منزل آخرت سامنے ہے اور زاد آخرت سے تہی دست ہوں۔ اس عمر میں ورق بہت کالے کئے ہیں۔ چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں فتوے بے شمار لکھے ہیں۔ لیکن کچھ معلوم نہیں کہ ان میں کوئی چیز قبول ہوگی یا نہیں الا ان یتغمدنی اللہ تعالٰی برحمتہ۔ بجز رحمت خداوندی کے کہیں پناہ نہیں۔ لکھی ہوئی کتابیں اور رسالے ممکن ہے کہ میرے بعد بھی کچھ زمانہ تک باقی رہیں اور اللہ کے نیک بندے ان سے فائدہ اٹھائیں۔

ستبقی خطوطی فی الدفاتر برھۃ　　　وانملتی تحت التراب رمیم

''میرے لکھے ہوئے حروف و نقوش کتابوں اور فائلوں میں ایک زمانہ تک محفوظ رہیں گے جبکہ میری انگلیوں کے پوروں کو مٹی کھا چکی ہوگی''

اس لئے ان سب حضرات سے جو اس ناکارہ گناہگار کی کوئی تحریر یا تالیف پڑھیں، عاجزانہ اور محتاجانہ درخواست ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ توجہ کے ساتھ میرے لئے دعاء مغفرت فرما دیں۔ یہی ان تمام تصنیفات اور تحریرات سے احقر کی غرض تھی اور یہی بھلا برا سرمایہ ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ولا ملجأ ولا منجأ من اللہ الا الیہ۔ اللّٰھم اجعل خیر عمری اٰخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی نمبر ۳۰
۲۰ رمضان ۱۳۸۳ھ

ہندوستان میں تقریباً دوسو برس سے انگریزی اقتدار اور قانون کی ترویج نے جن مسائل کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا اور ان مسائل سے سابقہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اصول وفروع نظروں سے اوجھل ہوگئے اراضیٔ ہند کا حکم بھی ان میں سے ایک ہے کہ انہیں حکومت کی ملکیت قرار دیا جائے یا قدیم زمیندارہ سسٹم کو برقرار رکھا جائے بالخصوص ہندوپاک کی تقسیم کے بعد زمینوں کے کیا احکام ہیں، کون سے احکام شریعتِ اسلامی کی رو سے نافذ اور واجب العمل ہیں؟

نیز مسلمان حکمرانوں کے زمانے میں ان اراضی کا مالک کون تھا، حکومت نے اوّل فتح کے وقت کیا حکم دیئے اور انگریزوں نے جب اس اسلامی سلطنت پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں کی اراضی کے متعلق کیا احکام دیئے؟

زیرِ نظر کتاب ''اسلام کا نظامِ اراضی'' میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے قرآن وسنت کے دلائل حضرات فقہاء کی تحقیقات اور تاریخ و معاشیات کی کتابوں کی روشنی میں ابتدائی اسلامی احکام و درجات کے ذکر کے بعد براعظم ہندوپاک کی زمینوں کے مفصّل شرعی احکام جمع کردیئے ہیں ہندوپاک کی زمینوں میں عشر وخراج کے احکام، اراضی اوقاف کے احکام اور ضمناً پاک وہند کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ مجموعہ۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk